ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ
(اے محبوب!) بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے
قرآنی تقریریں
شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ
ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۔ لاہور

نام کتاب	قرآنی تقریریں
مصنف	علامہ عبدالمصطفیٰ الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ
اشاعت	اگست 2004ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z290
قیمت	-/60روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔فون:7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:7225085-7247350

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-2212011-2630411۔ فیکس:۔021-2210212

e-mail:- zquran@brain.net.pk

فہرست مضامین

فاتحہ

میں اپنی اس تالیف کے ذریعے اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت مولانا الحاج احمد رضا خان صاحب بریلوی متوفی 1340ھ اور تمام علماء اہلسنت و اولیاء امت و شہداء ملت و مجاہدین صداقت رحمہم اللہ تعالیٰ کی ارواح طیبہ کو ایصال ثواب کرتا ہوں۔

قارئین کرام بھی فاتحہ پڑھ کر اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں

(مؤلف)

پہلی نظر

اٹھائے کچھ ورق لالہ نے، کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری
اڑا لی قمریوں نے، طوطیوں نے، عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغاں میری

مدت دراز سے بعض سعادت مند تلامذہ اور مخلص احباب کا شدید تقاضا اور مخلصانہ اصرار تھا کہ میں اپنی چند تقریروں کو قلمبند کر کے طبع کرا دوں تا کہ واعظین و طلبہ اور عوام سبھی اپنی اپنی استعداد و بساط کے مطابق ان مواعظ سے بہرہ مند و فیض یاب ہوں۔

چنانچہ سب سے پہلے میں نے رمضان 1387ھ میں سات وعظوں کا ایک مجموعہ تحریر کر دیا۔ جو "ایمانی تقریریں" کے نام سے شائع ہوا۔ جس کو بحمدہ تعالیٰ عوام و خواص نے بے حد پسند کیا اور ملک بھر میں مقبول ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کا دوسرا حصہ تحریر کرنے کے لئے مخلصین نے اتنا شدید تقاضا شروع کر دیا کہ میں ان کے جذباتی اصرار اور محبت بھرے خطوط کے انبار سے چشم پوشی کی تاب نہ لا سکا۔ اور انکار یا فرار کا کوئی راستہ ہی نظر نہیں آیا۔ چنانچہ رمضان 1388ھ کی تعطیل میں سات تقریروں کا ایک دوسرا مجموعہ مرتب کرنا پڑا جو "نورانی تقریریں" کے نام سے شائع ہو کر نذر قارئین ہوا اور بحمدہ تعالیٰ اس کو بھی قدرداں احباب نے میری امیدوں سے کہیں زیادہ پسند فرمایا اور تحسین و آفرین کے خطوط سے مجھ کمترین کو نوازا۔ اور اس کا تیسرا حصہ تحریر کرنے کے لئے اس قدر اپنے اشتیاق اور تمناؤں کے اظہار سے مجھ پر اخلاقی دباؤ ڈالا کہ باوجود علالت کے انتہائی عجلت میں رمضان 1389ھ کی تعطیل میں چھ تاریخی تقریروں کا ایک تیسرا مجموعہ لکھ دینا پڑا۔ جو "حقانی تقریریں" کے

نام سے موسوم ہو کر زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ اور قدر دانوں نے انتہائی گرم جوشی کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لے لیا۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ تینوں کتابیں جو میری منتخب تقریروں کا خلاصہ اور بیں مواعظ کا مجموعہ ہیں، اس قدر مقبول خواص و عوام ہوئیں کہ نہ صرف ہندوستان و پاکستان کے علماء اور واعظین نے ان کو اپنی تقریروں کا ماخذ اور سرمایہ بنایا بلکہ انگلینڈ اور افریقہ کے اردو داں ارباب علم و احباب ملت نے بھی اس کو ایک نادر الوجود علمی تحفہ سمجھ کر اپنے کتب خانوں کی زینت بنایا اور مجھ فقیر کو اپنے دعاناموں، اور مبارک بادی کے خطوط سے سرفراز فرمایا۔ اس مقبولیت کے بارے میں بجز اس کے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا کہ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ط ورنہ میں کیا؟ اور میری پراگندہ تحریروں کی حقیقت ہی کیا؟

اب اپنے قدر دانوں کی تمناؤں کا احترام کرتے ہوئے اپنے قلیل ترین اوقات فرصت میں اپنی خاص خاص دس تقریروں کا مجموعہ تیار کر کے "قرآنی تقریریں" کے نام سے قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جو مندرجہ ذیل عنوانوں پر مشتمل ہے (1) خداوندی جلال و جمال (2) مغفرت کی تین شرطیں (3) دربار نبوت کا ادب (4) رسول کا علم غیب (5) نعرۂ رسالت (6) بشریت مصطفیٰ علیہ السلام (7) اسلامی زندگی (8) تفسیر سورۂ تبت یدا (9) تین محبوب خصائل (10) فلسفہ موت۔

آخر میں انتہائی جوش تواضع اور جذبہ تشکر کے ساتھ اپنی پیشانی عبودیت کو اپنے معبود بے نیاز کی بارگاہ بندہ نواز میں سجدہ ریز کرتے ہوئے اپنے رب کریم کے اس فضل عظیم کو بیان کرنے میں ایک خاص قسم کا قلبی انبساط اور روحانی وجد محسوس کرتا ہوں کہ الحمد للہ میں نے بغیر کسی بخل یا طمع کے نہایت ہی شرح صدر کے ساتھ اپنے سینے کے ان جواہر پاروں کو ہر خاص و عام کے لئے بطور تحفہ پیش کر دیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس کو نافع الخلائق بنائے۔ (آمین)

امید ہے کہ قارئین کرام میری اس حقیر علمی و دینی خدمت کو اپنے دامن قبول میں جگہ

عطا فرما کر مجھ بے علم و بے عمل کے لئے دینی استقامت و عافیت دارین اور حسن خاتمہ کی دعا فرمائیں گے۔ کیونکہ:

عمر بگذشت وحدیث درد ما آخر نشد
شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

والحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ اشرف المرسلین وعلیٰ اٰلہ وصحبہ اجمعین

عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

مناجات

یا رب شدہ ام تبہ، بیامرز مرا
شد روئے دلم سیہ، بیامرز مرا
دردا! کہ بجز گنہ نکردم کارے
بخشندۂ ہر گنہ، بیامرز مرا

❁

نعت شریف

پیغام خدا نخست آدم آورد
انجام بشارت ابن مریم آورد
باجملہ رسل نامہ بے خاتم بود
احمد بر ما نامہ و خاتم آورد
(علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام)

پہلا وعظ

خداوندی جلال و جمال

گندم از گندم بروید، جو ز جو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ بَشِیْراً وَّنَذِیْراًط وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَرْسَلَہٗ اِلٰی کَآفَّۃِ الْخَلْقِ سِرَاجًا مُّنِیْراً ط وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہِ الَّذِیْنَ جَزَاھُمُ لِلّٰہُ جَنَّۃً وَّحَرِیْرًاط اَمَّابَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ط وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ۔

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰینَا الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ ط عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَالتَّسْلِیْمِ ط

برادرانِ ملت! ایمانی جذبہ محبت کے ساتھ تمام عالم کے مرکز عقیدت حضور نبی رحمت ﷺ کے دربار عظمت میں درود و سلام کا نذرانہ عقیدت پیش کیجئے اور باآواز بلند پڑھئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ ط صَلٰوۃً وَّسَلَاماً عَلَیْکَ یَا رَسُوْلُ اللّٰہِ.

محترم حاضرین! میں اپنی تقریر شروع کرنے سے پیشتر دربار رسالت میں اپنی عرض کی ہوئی ایک نعت شریف کا نذرانہ پیش کرتا ہوں۔ آپ لوگ خصوصی توجہ کے ساتھ سماعت فرمائیں۔ عرض کیا ہے کہ:

نعت شریف

سید عالم نبی الانبیاء میرے رسول — اولین و آخرین کے پیشوا میرے رسول
صدر بزم انبیاء مولائے کل فخر رسل — محرم اسرار حق شان خدا میرے رسول
مظہر ذات الٰہی تاجدار کائنات — نائب حق، حاکم ہر ماسوا میرے رسول
مہبط لولاک، سیارہ فلک عرش آستاں — صاحب معراج و مصداق دنیٰ میرے رسول
سورۂ "والفجر" عکس روئے روشن کا بیاں — مطلع "والشمس" و شرح "والضحیٰ" میرے رسول
مطلع انوار، رشک آفتاب و ماہتاب — نیرّ برج شرف، نور خدا میرے رسول

ابن مریم کی بشارت روحِ پیغامِ کلیم — بانی کعبہ کی تاریخی دعا میرے رسول
منصب شان رسالت میں لقب ختم الرسل — منزل محبوبیت میں مصطفیٰ میرے رسول
جن کے قدموں سے ہے وابستہ دو عالم کی نجات — وہ امیر کارواں، وہ حق نما میرے رسول
اعظمی ایماں ہے رب العالمین میرا خدا
"رحمۃ للعالمین" صل علیٰ میرے رسول

برادران اسلام! یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ خداوند قدوس نے کائنات عالم کی ہر ہر چیز میں طرح طرح کی تاثیر اور قسم قسم کا اثر پیدا فرمادیا ہے۔ دنیا کی کوئی شے بھی تاثیر واثر سے خالی نہیں۔ آپ اس کو محسوس کریں یا نہ کریں۔ مگر یہ آفتاب کی طرح ایک روشن حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر چیز اپنے اندر کوئی نہ کوئی تاثیر ضرور رکھتی ہے۔

مثلاً آگ کی تاثیر جلادینا، پانی کی تاثیر ٹھنڈا کر دینا، چاند وسورج کی تاثیر روشن کر دینا۔ یہ وہ تابناک حقائق ہیں جن سے دنیا کا کوئی انسان چشم پوشی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مختلف پتھروں کے ٹکڑوں میں، جڑی بوٹیوں کے پتوں، پھلوں، پھولوں میں، درختوں کی شاخوں، تنوں اور جڑوں میں، جانوروں کے خون، گوشت ان کے بال اور کھال میں۔ غرض کائنات ارضی ہوں یا مخلوقات سماوی، سفلیات ہوں یا علویات، عالم کی تمام مخلوقات میں خاص خاص تاثیرات واثرات کی ایک مکمل دنیا سمائی ہوئی ہے اور کائنات خداوندی کا ذرہ ذرہ اہل نظر کی نگاہ شوق کو دعوت نظارہ دیتا ہے اور زبان حال سے اعلان کرتا ہے کہ:

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبار جہاں — نگاہ شوق اگر ہو شریک بینائی
"نگاہ شوق" میسر نہیں اگر تجھ کو — ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی

برادران ملت! کائنات عالم کی یہ تاثیرات فقط عالم اسفل اور عالم بالا کی نظر آنے والی مخلوقات ہی تک محدود و منحصر نہیں۔ بلکہ حد ہو گئی کہ ہمارے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اور آوازوں میں بھی تاثیرات واثرات کی کار فرمائیاں اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ کچھ الفاظ کو سن کر ہمارے چہرے ہنسی خوشی کی روشنی سے چمک اٹھتے ہیں اور۔ اور کچھ لفظوں کو سنتے ہی ہم رنج و غم کا ایک خاموش مجسمہ بن جاتے ہیں۔ کچھ ایسے جملے اور کلمات بھی ہیں جن کے کان میں پڑتے ہی ہمارے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال

بال قہر و جلال کا ایک خوفناک آتش فشاں بن جاتا ہے اور کچھ لفظوں اور فقروں کی سماعت سے ہمارا جذبہ بے قراری بیدار ہو جاتا ہے اور ہم پر گریہ وزاری کا ایک سیلابی طوفان امنڈ پڑتا ہے۔
یہ سب الفاظ و کلمات کی تاثیرات و اثرات نہیں ہیں تو اور کیا ہیں؟ انہیں الفاظ و کلمات کی تاثیرات کو بیان کرتے ہوئے ایک عربی شاعر کہتا ہے کہ ۔

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ
وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرحَ اللِّسَانُ

یعنی نیزوں اور برچھیوں کے زخم تو بھر جایا کرتے ہیں لیکن زبان کا لگایا ہوا زخم نہیں بھرا کرتا ہے۔

ایک فلسفی اور صوفی:۔ برادران اسلام! الفاظ و کلمات بھی تاثیر و اثر رکھتے ہیں۔ اس موقع پر مجھے حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک سبق آموز واقعہ یاد آ گیا:

حضرت خواجہ موصوف ایک مرتبہ اپنے مریدین کے حلقے میں خدا کے اسم جلالت "اللہ" کی تاثیرات بیان فرمارہے تھے اور یہ ارشاد فرمارہے تھے کہ سالک اگر "اللہ اللہ" کا ذکر خفی اپنے قلب صنوبری پر کرے تو چند یوم کی ریاضت سے اس کا قلب ذاکر ہو جائے گا۔ اور اس نام پاک کے انوار و برکات اور الوان و کیفیات کو ذکر کرنے والا خود مشاہدہ کرے گا۔ اور اس کو روحانی عروج محسوس ہونے لگے گا۔ غرض آپ طرح طرح سے اسم جلالت کے خواص و اثرات بیان فرمارہے تھے۔ اتفاق سے مشہور فلسفی بو علی بن سینا بھی مجلس میں حاضر تھا۔ منطق و فلسفہ کے چرندوں نے اس کے دل و دماغ کے ایمانی باغ کو چرتے چرتے بالکل تاخت و تاراج کر ڈالا تھا۔ یہ ملحد صفت فلسفی آپ کی تقریر سن کر ہنسنے لگا اور اس کو بڑا تعجب ہوا کہ بھلا لفظ "اللہ" کے ذکر سے اتنی کیفیات اور اس قدر تاثیرات و اثرات کا ظہور کیوں کر ہو سکتا ہے؟ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمہ نے اپنے نور باطن سے اس فلسفی کے قلبی خطرات و خیالات کو بھانپ لیا اور تڑپ کر ارشاد فرمایا کہ "اے بو علی بن سینا تو گدھا ہے۔" اس لفظ کا سننا تھا کہ شرم و حیا اور رنج و غصہ سے بو علی بن سینا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھوں میں غیظ و غضب کے شعلوں کی سرخی نمودار ہو گئی۔ گردن کی رگیں پھول گئیں اور منہ ایسا بگڑ گیا کہ گویا دس پانچ لیموں اس کے منہ میں ایک دم نچوڑ دیئے گئے ہوں۔ حضرت خواجہ نے فلسفی کا جب یہ حال دیکھا تو فرمایا

یوں؟ بو علی بن سینا تجھے کچھ ہوش آیا۔ دیکھ! میں نے تیرے سامنے ایک حقیر جانور گدھا کا نام لیا۔ تو اس لفظ کی تاثیر کا تیرے اوپر اتنا اثر ہوا کہ تیرا پھول جیسا کھلا ہوا چہرہ دم زدن میں مرجھا کر بالکل منحوس ہو گیا اور تیری ہنسی خوشی کی آبادی پر رنج و غم اور غیظ و غضب کی ایسی بمباری ہو گئی کہ تو قہر و غضب اور ندامت و خجالت کا ایک ٹوٹا پھوٹا مکروہ مجسمہ بن گیا۔ اے نادان فلسفی! جب "گدھے" کے نام میں اتنی زبردست تاثیر اور اتنے زور کا اثر ہے تو کیا خلاق عالم رب العالمین جل جلالہ کے نام میں کوئی تاثیر نہ ہو گی؟

برادران ملت! حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمہ کی یہ نورانی تقریر اور عرفانی تنبیہ سن کر بو علی بن سینا کے ہوش اڑ گئے اور ایک دم اس کے دل کے تمام دریچے کھل گئے اور لفظ "اللہ" کی تاثیرات و کیفیات کے انوار، آفتاب عالم تاب کی طرح اس کی نگاہوں کے سامنے اس شان سے جگمگانے لگے کہ اس کے دل و دماغ کے گوشے گوشے میں تجلیات ذوالجلال کے ہزاروں چراغ روشن ہو گئے اور اس کے ضمیر کی گہرائیوں میں پشیمانی کی ٹھوکروں سے ندامت کا ایک چشمہ ابل پڑا۔ جو اس کی دونوں آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بن کر اُمڈ پڑا۔ اور حضرت خواجہ کے قدموں پر سر رکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں عرض کرنے لگا:

"حضور والا! میں عہد کرتا ہوں کہ اس روشن حقیقت کا میں زندگی بھر بانگ دہل اعلان کرتا رہوں گا کہ

رسائی اہل دل کی ہے جہاں تک
خرد والے نہ پہنچیں گے وہاں تک

برادران ملت! سبحان اللہ سبحان اللہ۔ یہی وہ مضمون ہے جس کو شاعر مشرق نے بھی کیا خوب کہا ہے:

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو "کتاب خواں" ہے مگر صاحب کتاب نہیں

پڑھیے باآواز بلند درود شریف!

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ.

بہر کیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کائنات عالم کی ہر چیز میں خاص خاص تاثیرات ہیں جن

کے اثرات سے دنیا کا کوئی عاقل انکار نہیں کر سکتا تو اب مجھے آپ کو یہ سمجھانا اور ذہن نشین کرانا ہے کہ جب دنیا کی ہر ہر چیز میں تاثیرات و اثرات کی کار فرمائیاں اپنی پوری پوری طاقتوں اور توانائیوں کے ساتھ کام کر رہی ہیں تو اسی دنیا میں "نیکی" اور "بدی" بھی دو چیزیں ہیں۔ قانونِ فطرت کے مطابق ان دونوں چیزوں کی بھی کچھ نہ کچھ تاثیرات و اثرات ضرور ہی ہوں گی۔ اب یہی سوال ہے کہ خدا کے بندے جب خدا کی زمین پر اعمالِ صالحہ میں جدوجہد کر کے "نیکی" کا باغ لگاتے ہیں تو روئے زمین اور کائناتِ ارضی پر اس کی تاثیر کے کیا اثرات و ثمرات ہوا کرتے ہیں؟ اور جب بندگان خدا خدا کی زمین پر اپنی بداعمالیوں اور گناہوں سے "بدی" کے کانٹے بوتے ہیں تو اس کی تاثیر و اثر کے عواقب و نتائج کس روپ میں ظاہر ہوتے ہیں؟ غرض "نیکی" کی تاثیر کیا ہے؟ اور "بدی" کی تاثیر کیا ہے؟ یہ ایک بہت ہی اہم سوال ہے اور آج کی مجلس میں مجھے انہی دو سوالوں کا جواب دینا ہے کہ نیکی کی تاثیر کیا ہے؟ اور بدی کی تاثیر کیا ہے؟

میرے بزرگو اور بھائیو! دواؤں اور غذاؤں کی تاثیر تو آپ حکیموں اور ڈاکٹروں سے پوچھیے۔ دوسری کائنات زمین کی تاثیرات معلوم کرنی ہوں تو سائنس دانوں اور لیبارٹریوں کے ماہرین سے دریافت کیجئے۔ آسمان اور اس کی کائنات کی تاثیروں کے اشارات کی رہنمائی ماہرین فلکیات اور نجومیوں کا کام ہے مگر انسانوں کی نیکی اور بدی کی تاثیرات کیا ہیں؟ اور ان کے اثرات کس کس روپ میں ظاہر ہوا کرتے ہیں؟ اسے نہ کوئی حکیم و ڈاکٹر بتا سکتا ہے۔ نہ کوئی فلسفی اور سائنس داں اس کو سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے ان دونوں کی تاثیر اور اثر کی کیفیات کو خالق تاثیرات نے اپنی اس مقدس کتاب میں بیان فرما دیا ہے۔ جو بندوں کی ہدایت اور فلاح دارین کے لئے ایک ناقابل ترمیم دستور العمل اور دائمی ضابطہ عالم ہے جس کا نام "قرآن مجید" ہے۔

لہٰذا میں آپ کے سامنے قرآن مجید کی آیات بینات ہی سے نیکی اور بدی کے اثرات اور ان کی تاثیروں کے چند مناظر پیش کر دیتا ہوں اور میری اس پوری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ "نیکی" کی تاثیر "آبادی" اور "بدی" کی تاثیر "بربادی" ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجئے کہ نیکی کا ثمرہ خدا کا "فضل و جمال" اور "بدی" کا نتیجہ خدا کا "قہر و جلال" ہے۔

اب اس مضمون کو ذرا بغور سنئے اور عبرت حاصل کیجئے اور خدا توفیق دے تو اس پر عمل بھی کیجئے۔

نیکی اور بدی کی تاثیر:۔ عزیزو اور دوستو! نیکی اور بدی دونوں کی تاثیر کیا ہے؟ اس کا بیان قرآن کی مقدس زبان سے سنئے۔ رب العالمین کا ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔

(اعراف آیت نمبر 96)

یعنی اگر بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔ مگر ان لوگوں نے تو جھٹلا دیا۔ لہٰذا ہم نے ان کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے (عذاب میں) گرفتار کر لیا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر باشندگان روئے زمین اپنی نیکوکاری اور پرہیزگاری سے زمین پر نیکی کا علم بلند کریں گے تو ہم زمین و آسمان سے ان پر اپنی برکتوں کے دروازے اس طرح کھول دیں گے کہ ان کی زمینوں سے اگنے والے باغوں اور کھیتوں کے ہر ہر پھل اور دانے دانے میں اپنی برکتوں کے خزانے بھر دیں گے اور آسمان سے جو بارش برسے گی ہم اس کے ہر ہر قطرے اور ایک ایک بوند میں اپنی رحمتوں کے سمندر بہا دیں گے اور وہ لوگ ہماری برکتوں کے شامیانہ رحمت میں ہمارے انعام و اکرام کی بدولت خوشحالی کی بہشتی زندگی بسر کریں گے۔ کیونکہ نیکی کا اثر ”خدا کا فضل و جمال“ اور اس کی تاثیر ”آبادی“ ہے اور جو لوگ خداوندی تعلیمات کو جھٹلا کر کفر و شرک اور فسق و فجور کے ساتھ گناہ اور بدکاری کا پرچم لہرائیں گے ہم ان بدنصیبوں کو اپنے قہر و غضب کی گرفت میں گرفتار کر کے اس طرح انہیں ہلاک و برباد اور نیست و نابود کریں گے کہ صفحات تاریخ میں ان کی دردناک داستانوں کے سوا ان کا کوئی وجود باقی نہیں رہے گا کیونکہ بدی کا اثر ”خدا کا قہر و جلال“ اور اس کی تاثیر ”بربادی“ ہے۔

برادران ملت! واللہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نیکوکار آبادیوں پر زمین و آسمان سے برکتوں کے خزانے امنڈ پڑتے ہیں۔ مجھے اس وقت ایک حدیث یاد آ گئی جو مشکوٰۃ شریف کی کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہے۔ ذرا غور سے سنئے۔ بہت ہی عبرت خیز اور نصیحت آموز حدیث شریف ہے۔

ایک صالح کا باغ:۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک آدمی کسی میدان اور سنسان

بیابان میں تھا۔ تو اس نے وہاں اچانک ایک بدلی کے ٹکڑے میں سے یہ آواز سنی کہ "تو فلاں کے باغ کو سیراب کر" اس آواز کے بعد فوراً ہی وہ ابر کا ٹکڑا ایک طرف کو چل پڑا اور ایک پتھریلی زمین پر اس بدلی کی بارش شروع ہو گئی اور ایک پہاڑی نالے میں اس بارش کا پانی جمع ہو کر ایک طرف کو بہنے لگا۔ بدلی میں سے آواز سننے والا شخص اس نالے کے پاس یہ دیکھنے کے لئے چل پڑا کہ یہ پانی کہاں جاتا ہے؟ چنانچہ کچھ دور جا کر اس نے یہ منظر دیکھا کہ ایک شخص اپنے باغ میں ہاتھ سے اس پانی کو بکھیر رہا ہے اور باغ کو سیراب کر رہا ہے۔ اس نے اس نیک مرد سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے نیک بندے تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کیوں آخر کیا بات ہے کہ تم میرا نام پوچھ رہے ہو؟ یہ کہنے لگا کہ صاحب! نام دریافت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ پانی جس بدلی سے برسا ہے۔ میں نے اس بدلی میں سے یہ آواز سنی ہے کہ "تو فلاں کے باغ کو سیراب کر" تو میں اس لئے تیرا نام پوچھ رہا ہوں کہ تو ہی وہ خوش نصیب شخص ہے۔ یا کوئی دوسرا نیک بندہ ہے؟ یہ سن کر باغ والے نے اپنا نام بتایا۔ تو یہ وہی نام تھا جو بدلی سے نکلنے والی آواز میں سنا گیا تھا۔ اب یہ شخص حیران ہو کر دریافت کرنے لگا کہ اے باغ والے اللہ! تو مجھے یہ تو بتا کہ تو اس باغ میں کون سا ایسا نیک عمل کرتا ہے؟ کہ تیرا نام لے کر بدلیوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ تیرے باغ کو سیراب کریں۔ باغ والا کہنے لگا کہ میں خود تو اپنا حال ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن جب تم نے سوال ہی کر لیا تو سن لو۔ اس باغ میں میرا یہ عمل ہے کہ اس کی پیداوار کو میں تین حصوں پر تقسیم کرتا ہوں ایک حصہ تو میں فقراء اور مساکین کو بطور خیرات دے دیتا ہوں اور ایک حصہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہوں اور ایک حصہ پھر اسی باغ کے مصارف میں لگا دیتا ہوں۔

برادران اسلام! دیکھا آپ نے بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کا جلوہ کہ سنگستان کی پتھریلی زمین جہاں نہ کوئی ندی نہ تالاب نہ کوئی کنواں نہ چشمہ مگر اللہ کا ایک بندہ اسی زمین پر نیکی کرتا ہے تو خدا کے حکم سے فرشتے بدلیوں کو اس انسان کا نام لے کر حکم دیتے ہیں کہ تو فلاں کے باغ کو سیراب کر۔ چنانچہ بدلی صرف اس کے باغ کو سیراب کرنے کے لئے ایسی جگہ برستی ہے کہ پہاڑ نالے سے اس کا پانی بغیر کسی مشقت کے اس باغ میں پہنچ جاتا ہے اور یہ پہاڑی باغ خوب پھولتا پھلتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے اور صرف اس لئے کہ نیکی کا اثر "خدا کا فضل و جمال" اور نیکی کی تاثیر آبادی ہے۔

مسلمانو! سن لو۔ خداوند قدوس کا فرمان ہے کہ:۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۔

یعنی اگر کتاب والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ضرور ہم ان کے گناہ اتار دیتے اور ضرور انہیں چین کے باغوں میں لے جاتے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ط (مائدہ) آیت نمبر 66

اور اگر یہ لوگ قائم رکھتے توریت اور انجیل اور جو کچھ ان کے رب کی طرف سے اترا تو انہیں رزق ملتا اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے۔

مسلمانو! اس آیت مبارکہ کا یہی مطلب ہے کہ کتاب الٰہی کے فرامین پر عمل کرنے والوں اور نیکوکاری و پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے والوں پر رحمت باری اس طرح اپنا فضل و کرم کرتی ہے کہ اس کے رزق میں ہر طرف سے وسعت و فراخی کی ایسی فراوانی ہو جاتی ہے کہ اس کی زمین کے دانے دانے میں رحمتوں اور برکتوں کے خزانے بھر جاتے ہیں اور آسمان سے برسنے والی بارش کے ہر قطرے میں خیر و برکت کے سمندر موجزن ہو کر اس کے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرتے ہیں اور غلوں اور پھلوں سے اس کا گھر بھر دیتے ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ نیکی کی تاثیر "آبادی" ہے اور بدی کی تاثیر "بربادی" ہے۔ نیکی کرنے والے کا گھر آباد شہر آباد، دل آباد اور بدی کرنے والے کا سب کچھ برباد ہے۔ سچ ہے کیوں نہ ہو کہ۔

جس دل میں تیری یاد ہے وہ شاد ہے آباد ہے
جو یاد سے غافل رہا، ناشاد ہے برباد ہے

حضرات گرامی! قرآن کریم کی سینکڑوں آیتیں ہیں جو اس مضمون کو بیان کرتی ہیں کہ نیکوکار بندوں کی بستیوں اور آبادیوں میں رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور ان پر زمین و آسمان سے رحمتوں اور برکتوں کے اس طرح بے شمار دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کہ ان کے کھیت اور باغ اور نسل و اولاد، دولت و اموال، عزت و اقبال ہر چیز میں برکت ہی برکت نظر آتی ہے اور ان کی زندگی اس قدر امن و امان اور فراخی و خوشحالی میں گزرتی ہے کہ دنیا میں ان کے لئے

"حیات طیبہ" اور آخرت میں ان کے لئے بہترین جزاء کی بشارت ملتی ہے۔ سن لیجئے سورۂ نحل میں خداوند قدوس نے صاف صاف ارشاد فرمایا کہ:

"مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝" آیت نمبر 97

جو مسلمان مرد یا عورت اچھا عمل کرے گا تو ہم ضرور اس کو اچھی زندگی کے ساتھ جلائیں گے اور ضرور انہیں ہم ان کے اچھے اعمال کا بہترین بدلہ عطا کریں گے۔

اسی طرح سورۂ ہود میں فرمایا:

"وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعاً حَسَناً اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ط" آیت نمبر 3

یعنی اے لوگو! تم لوگ (اعمال صالحہ کے ذریعے) اپنے رب سے مغفرت طلب کرو۔ پھر اس کے دربار میں توبہ کرو۔ تو وہ تمہیں اچھا سے اچھا برتنے کا سامان دے گا جو ایک مقررہ مدت (موت) تک تمہارے پاس رہے گا اور وہ ہر فضیلت والے کو اس کا فضل پہنچائے گا۔

عزیزان گرامی! یہی وہ مضمون ہے جس کو حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین ﷺ تک تمام نبیوں اور رسولوں نے اپنی اپنی امتوں کو اپنے اپنے وعظوں میں سنایا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی تقریر:۔ حضرات! میرے پاس اتنا وقت تو نہیں ہے کہ میں تمام پیغمبروں کی تقریریں آپ کو سناؤں۔ مگر بات آ گئی ہے تو حضرت نوح علیہ السلام کی ایک مختصر تقریر کے چند جملے سن لیجئے۔ یہ وہ تقریر ہے جس کو حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ساڑھے نو سو برس تک اپنی امت کو سنایا۔

"فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّاراً ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ط مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝" (نوح) آیت 10 تا 13

یعنی میں تم لوگوں سے یہ کہتا ہوں کہ تم لوگ (نیک اعمال کر کے) اپنے رب سے بخشش طلب کرو۔ وہ بہت زیادہ بخشنے والا ہے وہ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا اور مال

اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لئے باغ بنادے گا اور تمہارے لئے نہریں تیار فرمادے گا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ سے عزت حاصل کرنے کی امید نہیں کرتے۔

مسلمانو! آپ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قرآنی تقریر سن لی۔ اب غور فرمایئے کہ اس وعظ کا ماحصل یہی تو ہے کہ اعمال صالحہ کا اثر خدا کا "فضل و جمال" اور نیکی کی تاثیر "آبادی" ہے۔ کیونکہ آپ نے یہی تو ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ ایمان داری اور نیکوکاری کی زندگی گزارو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کی بارش فرمائے گا۔ تمہیں مال و اولاد عطا فرمائے گا۔ تمہارے لئے باغ بنادے گا۔ تمہارے واسطے نہریں تیار کردے گا۔

اب ظاہر ہے کہ جن خوش نصیبوں کو خداوند قدوس کی یہ نعمتیں ملیں گی وہ کتنے خوش و خرم اور کس قدر خوشحال اور شاد و آباد رہیں گے۔

استغفار کے چار فائدے:۔ حضرات گرامی! سورۂ نوح کی یہ آیت پڑھنے سے مجھے حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک علمی نکتہ یاد آگیا جو استغفار کے فضائل میں سننے کے قابل ہے۔ منقول ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنی مبارک مجلس میں رونق افروز تھے اور جناب ربیع بن صبیح حاضر خدمت تھے۔ اتنے میں ایک مسلمان نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اے ابن رسول ہماری بستی میں امسال بارش کی ایک بوند بھی نہیں گری اور شدید قحط کا سامنا ہو گیا ہے کوئی ایسا عمل مجھ کو تعلیم فرمایئے تاکہ بارش ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم استغفار پڑھو۔ اتنے میں دوسرا شخص آیا اور کہنے لگا کہ اے فرزند بتول! میں غریبی اور افلاس سے عاجز و لاچار ہو چکا ہوں۔ مجھے وسعت رزق کے لئے کوئی دعا تعلیم فرمایئے۔ آپ نے اس کو بھی استغفار پڑھنے کا حکم دیا۔ یہ شخص اٹھا ہی تھا کہ ایک تیسرا حاجت مند آگیا اور فریاد کرنے لگا کہ اے امام! میں اولاد سے محروم ہوں۔ مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتادیجئے کہ میں صاحب اولاد ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ تم بھی استغفار کا وظیفہ پڑھا کرو۔ چند لمحہ نہیں گزرا تھا کہ چوتھا مصیبت زدہ آن پہنچا۔ اور رو رو کر اپنا دکھڑا سنانے لگا کہ اے سردار اہل بیت! میری زمین اس قدر بنجر ہو گئی ہے کہ اس میں نہ کھیتی اگتی ہے نہ باغ لگتا ہے۔ اس کے لئے کوئی دعا بتادیجئے۔ آپ نے اسے بھی ارشاد فرمایا کہ تم استغفار پڑھا کرو۔ یہ منظر دیکھ کر "ربیع بن صبیح" ضبط نہ کر سکے

اور عرض کیا کہ اے امام! ان چاروں حاجت مندوں کی حاجتیں الگ الگ تھیں مگر آپ نے ان سب کو ایک ہی عمل تعلیم فرمایا۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت امام نے فرمایا کہ اے ربیع بن صبیح کیا تمہیں سورۂ نوح کی یہ آیت یاد نہیں۔

"فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ، يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ، وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ،" آیت نمبر 10 تا 12

دیکھ لو اس آیت میں استغفار کے یہ چاروں فوائد موجود و مذکور ہیں۔ (1) بارش ہونا (2) مالدار ہونا (3) اولاد ہونا (4) باغات لگنا۔ یہ سن کر جناب ربیع حضرت امام کی مجتہدانہ شان جلالت اور فقیہانہ استدلال کی عظمت پر حیران رہ گئے۔ (صاوی ج4 ص250)

سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ کیوں نہ ہو ظاہر ہے کہ قرآن کے معانی و نکات کو ان سے زیادہ بہتر کون جان سکتا ہے جن کے نانا جان کے گھر میں قرآن نازل ہو اور جو صاحب قرآن کے سینہ نبوت پر ہمک ہمک کر کھیلے، پلے، بڑھے، اور جو وحی الٰہی کے امین حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش رسالت میں پروان چڑھ کر ماہر قرآن ہوئے اور سارے جہان کے لئے ہدایت کا نشان بنے۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ۔

برادران ملت! یہی وہ مضمون ہے جسے فرزدق شاعر نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ کی مدح میں کعبہ معظمہ کے سامنے ہشام بن عبدالملک اموی بادشاہ کے منہ پر علی الاعلان کہہ دیا کہ:

هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْاَتَهٗ
وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

یعنی یہ وہ ہیں کہ سرزمین بطحاء ان کی شوکت کو پہچانتی ہے۔ ان کو بیت اللہ اور حل و حرم سب پہچانتے ہیں۔

هٰذَا ابْنُ فَاطِمَةٍ لَوْ كُنْتَ جَاهِلَهٗ
بِجَدِّهٖ اَنْبِيَاءُ اللّٰهِ قَدْ خُتِمُوْا

یعنی اگر تو ان کو نہیں پہچانتا تو سن لے یہ حضرت فاطمہ کے فرزند ہیں اور ان کے نانا حضور

خاتم النبیین ہیں۔

مَنْ یَّعْرِفِ اللّٰہَ یَعْرِفْ اَوَّلِیَّۃَ ذَا
فَالدِّیْنُ مِنْ بَیْتِ ھٰذَا نَالَہُ الْاُمَمُ

یعنی جو خدا کو پہچانے گا وہ ان شاہزادوں کی اولیت کو ضرور پہچانے گا کیونکہ انہی کے گھر سے ساری امت کو دین ملا ہے۔

برادران ملت! بہر حال یہ تو ایک ضمنی بات ذہن میں آ گئی تھی جس کو میں نے آپ کی دلچسپی کے لئے عرض کر دیا۔ اب میں پھر اپنے اسی مضمون کی طرف لوٹتا ہوں۔ جس کو میں شروع سے آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں اور جو میری تقریر کا اصلی موضوع ہے۔ یعنی نیکی کا اثر خدا کا فضل و جمال اور اس کی تاثیر آبادی ہے۔ اور بدی کا اثر خدا کا قہر و جلال اور اس کی تاثیر بربادی ہے۔

برادران اسلام! نیکی کی تاثیر آبادی ہے۔ اس مضمون پر تو آپ قرآن کریم کی چند آیات سن چکے۔ اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اور یہ بھی قرآن ہی سے سن لیجئے کہ بدی کی تاثیر "بربادی" ہے۔

بدی کی تاثیر:۔ حضرات قرآن میں جا بجا ایسی قوموں کی فہرست مذکور ہے جو اپنی بداعمالیوں اور گناہوں کے سبب سے ہلاک و برباد کر دی گئیں۔ جن کو قرآن نے "وَالْمُؤْتَفِکٰتُ بِالْخَاطِئَۃِ" کا لقب دیا۔ یعنی وہ بستیاں جو گناہوں کے سبب سے الٹ پلٹ کر تہس نہس کر ڈالی گئیں۔

چنانچہ ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے: "اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ ۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۔ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُھَا فِی الْبِلَادِ ۔ وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۔"

یعنی (اے محبوب) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیسا کیا؟ وہ حد سے زیادہ طول والے۔ جن کا مثل شہروں میں نہیں پیدا ہوا اور قوم ثمود جنہوں نے وادی میں پتھر کی چٹانیں کاٹیں۔ "وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ۔ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ" اور کیا آپ نے فرعون کو نہیں دیکھا جو کھونٹیوں میں انسانوں کو چومیخا کیا کرتا تھا۔ ان سبھوں نے شہروں میں سرکشی کی "فَاَکْثَرُوْا فِیْھَا الْفَسَادَ ۔ فَصَبَّ عَلَیْھِمْ رَبُّکَ سَوْطَ عَذَابٍ ۔ اِنَّ

رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ"

پھر ان سبھوں نے بہت زیادہ فساد پھیلایا۔ توان لوگوں پر آپ کے رب نے عذاب کا کوڑا برسادیا بے شک آپ کے رب کی نظر سے کچھ غائب نہیں ہے۔

برادران اسلام! سورۂ والفجر کی ان آیتوں کو آپ نے سن لیا۔ اور میں نے ان آیتوں کا ترجمہ بھی آپ کو سنا دیا۔ ان آیتوں کا حاصل مطلب کیا ہے؟ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قوم عاد اور قوم ثمود۔ یہ دونوں قومیں بڑی شان و شوکت والی تھیں۔ یہ بڑے لمبے لمبے قد والی اور بڑی طاقت ور قومیں تھیں۔ یہ پہاڑوں کی چٹانیں تراش تراش کر بہترین محلات تیار کرتے تھے۔ اسی طرح فرعون بہت ہی بااقتدار اور بڑا ہی ظالم و جابر بادشاہ تھا اور خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔ اور جو لوگ اس کو خدا نہیں مانتے تھے یہ ظالم ان کو چار کھونٹیوں میں کس کر چومیخا کر دیا کرتا تھا اور لوگ بھوکے پیاسے تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا کرتے تھے۔ یہ عاد و ثمود اور فرعون جب سرکشی پر اتر آئے اور ان سبھوں نے اپنے ظلم و عدوان، اور سرکشی و طغیان سے شہروں میں فتنہ و فساد کی ایسی آگ لگا دی کہ دنیا ایک جہنم زار بن گئی اور ان کا ظلم اور پاپ حد سے بڑھ گیا۔ تو خداوند جبار و قہار نے ان بدکاروں اور ظالموں پر اپنے طرح طرح کے عذابوں کا کوڑا اس طرح برسادیا کہ یہ سب ہلاک و برباد ہو کر صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے اور سب فنا کے گھاٹ اتر گئے۔ اور ان کی بستیاں الٹ پلٹ ہو کر اس طرح برباد و غارت ہو گئیں کہ آج ان کی عبرت ناک کہانیوں کے سوا ان کا کوئی نام و نشان دنیا میں باقی نہیں رہا۔

قوم عاد کی ہلاکت:۔ برادران ملت! کون نہیں جانتا کہ قوم عاد پر عذاب الٰہی کی ایک خوفناک آندھی آئی۔ جو اس طاقتور قوم کو تنکوں کی طرح اڑا لے گئی اور اس تیز و تند آندھی کے جھونکوں سے ان کے اونچے اونچے مضبوط اور سنگین محل ریت کے تودوں کی طرح چور چور ہو کر کچھ زمین پر بکھر گئے اور کچھ غبار بن کر ہوا میں اڑ گئے۔ اب ذرا اس قوم کی تباہی و بربادی کی داستان قرآن کی زبان سے بھی سن لیجئے۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے:

"وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۔ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۔ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۔" (الحاقہ، 6تا8)

یعنی قوم عاد ایک نہایت سخت گرجتی ہوئی آندھی سے ہلاک کردی گئی۔ خداوند قہار و جبار نے اس آندھی کو ان پر سات راتیں اور آٹھ دنوں تک لگاتار مسلط فرمادیا تو تم اس قوم کو اس آندھی میں اس طرح پچھاڑی ہوئی دیکھو گے کہ ان کی لمبی لمبی لاشیں گویا گرے ہوئے کھجور کے درختوں کے تنے ہیں۔ تو کیا تم کسی کو ان میں سے بچا ہوا دیکھ رہے ہو؟

قوم ثمود کی بربادی:۔ حضرات! اب ذرا قوم ثمود کی ہلاکت و بربادی کا بھی کچھ حال سن لیجئے۔ اس قوم کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام جب ہدایت کا پیغام لے کر اس قوم کے پاس تشریف لائے۔ تو اس قوم نے آپ سے یہ معجزہ طلب کیا کہ اگر آپ پتھر کی چٹان سے ایک اونٹنی نکال کر ہم کو دکھایئے۔ تو اس وقت ہم آپ کو خدا کا پیغمبر تسلیم کریں گے۔ چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے اس چٹان کی طرف اشارہ فرمایا اور فوراً ہی وہ چٹان پھٹ گئی اور اس میں سے ایک تندرست و خوب صورت اونٹنی نکل پڑی۔ آپ نے قوم کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے میری قوم سن لو! تمہاری طلب پر میں نے اپنے پیغمبرانہ اعجاز سے یہ اونٹنی تمہارے سامنے پیش کر دی ہے! دیکھو یہ معجزہ کی اونٹنی ہے۔ یہ ایک دن تمہارے تالاب کا سارا پانی پئے گی اور ایک دن تم لوگ پینا اور خبردار اس اونٹنی کو کوئی ایذاء مت پہنچانا ورنہ خدا کا عذاب تم کو برباد و غارت کر دے گا لیکن برادران ملت! افسوس کہ یہ بدکار و بدعمل قوم اپنی سرکشی کی وجہ سے اپنے پیغمبر کی نافرمانی پر اتر آئی اور ان ظالموں کا جرم اور پاپ اس قدر بڑھ گیا کہ ان مجرموں نے اس معجزے کی اونٹنی کو قتل کر دیا پھر کیا ہوا؟ آپ جانتے ہیں کہ بدی کی تاثیر "بربادی" کے سوا اور کیا ہے؟ خدا کا قہر و جلال عذاب بن کر اتر پڑا۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے اس بستی کے پاس ایک ایسی چیخ ماری۔ جس کو قرآن مجید نے فرمایا کہ "فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ" یعنی قوم ثمود ایک سخت ہولناک چنگھاڑ سے ہلاک کر دی گئی۔ اس خوفناک چنگھاڑ سے پوری قوم کے سینوں میں دلوں کی رگیں پھٹ گئیں اور پوری قوم ایک دم ہلاک و برباد ہو گئی۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے اس پوری بستی کو اپنے پیروں پر اٹھا کر جھنجھوڑتے ہوئے الٹ پلٹ کر دیا اور اونچی اونچی عمارتیں اور پتھروں کے بنے ہوئے مضبوط محلات اس زلزلہ کے جھٹکوں سے پاش پاش ہو کر تہس نہس ہو گئے اور ریزہ ریزہ ہو کر ریت کے ذرات کی طرح زمین پر بکھر گئے اور آج صفحات تاریخ میں ان کی ہلاکت و بربادی کی عبرتناک داستانوں کے سوا روئے زمین پر ان کا

کوئی نام و نشان باقی نہیں رہا۔

میرے بزرگو! یہی وہ مضمون ہے جس کو قرآن مجید نے فرمایا ہے کہ:

"كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا ۙ اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا ۙ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۭ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۙ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا"

یعنی قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلا دیا اور اس قوم کا سب سے زیادہ بد بخت آدمی قدار بن سالف جب تلوار لے کر اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو اللہ کے رسول صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ خبر دار! اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے بچو اور ہرگز ہرگز اس اونٹنی کو کوئی گزند نہ پہنچاؤ لیکن اس ظالم قوم نے اونٹنی کو قتل کر ڈالا جس کا انجام یہ ہوا کہ خداوند قہار و جبار کا قہر و جلال ایک خوفناک عذاب و عتاب بن کر اس طرح نازل ہو گیا کہ پوری بستی اور اس کے باشندے تباہ کر کے زمین کے برابر کر دیئے گئے اور اللہ کو اس کے انجام کی کوئی پرواہ نہیں۔

الغرض برادران ملت! میری گزارشوں کا حاصل و خلاصہ یہی ہے کہ اس دنیا میں نیکی اور بدی دونوں کی تاثیریں موجود ہیں۔ نیکی کی تاثیر آبادی اور بدی کی تاثیر بربادی ہے۔

حضرات گرامی! یہی وہ عبرت خیز و نصیحت آموز مضمون ہے جس کو خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۭ"

یعنی جو شخص ایک ذرہ کے برابر نیکی کرے گا تو وہ اس کو دیکھے گا اور جو شخص ایک ذرہ کے برابر بدی کرے گا تو وہ اس کو دیکھے گا:

عزیزان ملت! یہ دنیا دار العمل ہے دار الجزاء نہیں۔ یعنی یہ دنیا عمل کا گھر ہے جزاء کا گھر نہیں۔ جزاء و سزا کا گھر تو آخرت ہے لیکن اس دنیا میں بھی انسان کی نیکی اور بدی کے اثرات و ثمرات اور اس کی تاثیریں کسی نہ کسی شکل میں اثر ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ مولانا رومی علیہ الرحمہ نے اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے کہ

گندم از گندم بروید جوزجو
از مکافات عمل غافل مشو!

یعنی اگر تم گیہوں بوؤ گے تو گیہوں کاٹو گے اور اگر جو بوؤ گے تو جو کاٹو گے۔ عربی کی مثل مشہور ہے "كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ" اور اسی کا شہرہ آفاق ترجمہ "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے" اردو میں بھی کہاوت کے طور پر بولا جاتا ہے۔ بہر کیف مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں جیسے تمہارے اعمال و افعال ہوں گے ویسے ہی اس کے اثرات و ثمرات بھی تم کو ملیں گے۔ نیکی کی تاثیر آبادی اور بدی کی تاثیر بربادی ہے۔ اس لئے اگر تمہارے اعمال اچھے ہوں گے تو تم اس دنیا میں امن و چین کی زندگی کے ساتھ شاد و آباد رہو گے اور اگر تمہارے اعمال و افعال برے ہوں گے تو تم اپنے بداعمالی کے وبال میں گرفتار ہو کر خدا کے قہر و جلال سے برباد رہو گے۔

مسلمانو! خوب کان کھول کر سن لو! یہ خدا کا کامل و مکمل دستور ہے جو قیامت تک نہ قابل ترمیم ہے، نہ لائق تنسیخ۔ قرآن کا فرمان ہے کہ "وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً" یعنی ہرگز ہرگز خدا کے دستور میں کسی رد و بدل کی گنجائش نہیں ہے۔

لہٰذا اے برادران ملت! خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ اگر تم اس دنیا میں شاد و آباد رہنا چاہتے ہو تو فسق و فجور، بداعمالیوں اور گناہوں سے بچو۔ اور خدا کی زمین کو اپنے اعمال صالحہ اور نیکیوں سے بھر دو اور اگر خدانخواستہ تم نے فسق و فجور اور معصیت و بدکاری کی گرم بازاری کی اور خدا کی پاک زمین کو اپنے گناہوں کی نجاست سے ناپاک کر ڈالا تو پھر یاد رکھو کہ بدی کی تاثیر بربادی ہے۔ لہٰذا یقیناً تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے اور تم صفحہ ہستی سے اس طرح مٹ جاؤ گے کہ تم پر نہ کوئی رونے والا ہوگا، نہ آنسو بہانے والا۔

مسلمانو! تم سنو یا نہ سنو مگر یاد رکھو کہ زمانے کی رفتار اور گردش لیل و نہار تمہیں پکار رہی ہے اور کائنات عالم کی ہر سکون و حرکت اور دور حاضر کا ہر اتار چڑھاؤ تمہیں جھنجھوڑ کر بیدار کر رہا ہے اور بڑے والہانہ انداز اور پردرد لہجے میں تمہیں یہ پیغام دے رہا ہے کہ مسلمانو! اب سے سنبھل جاؤ اور بدی کا راستہ چھوڑ کر نیکی کی شاہراہ پر چل پڑو۔ ورنہ یاد رکھو کہ:

نہ سنبھلو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندی مسلمانو!
تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

مسلمانو! قرآن مجید کی ان آیتوں کو پڑھو، سنو، سوچو اور سمجھو کہ تمام آلام و مصائب اور ہماری ساری مصیبتوں کا صرف ایک ہی سبب ہے اور وہ ہمارا طرح طرح کا جرم اور پاپ ہے۔ جب تک ہم اپنی بداعمالیوں اور گناہوں کا خاتمہ نہیں کریں گے، اس وقت تک ہمیں امن و سکون اور آرام و چین کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہو سکتا۔ رب العالمین کا فرمان ہے "وَمَآ اَصَابَکُمْ مِنْ مُصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ" جو بھی مصیبتیں پہنچتی ہیں ان کا سبب تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ سن لو۔ خداوند قدوس کا اعلان ہے "ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَھُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ ہ"

یعنی خشکی اور تری میں جو بربادی پھیل رہی ہے، اس کا سبب انسانی ہاتھوں کے کرتوت ہی ہیں اور ان بربادیوں کا مقصد یہ ہے کہ خداوند قہار و جبار گناہگار انسانوں کو ان بدکاریوں کا کچھ مزہ چکھادے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں اور اپنی بداعمالیوں سے باز آجائیں۔ سن لو۔ یہ سنۃ اللہ یعنی خالق کائنات کا دستور ہے۔ "وَکَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَۃٍ کَانَتْ ظَالِمَۃً اَھْلُھَا ثُمَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَھَا قَوْماً اٰخَرِیْنَ ہ"

یعنی بہت سی بستیاں ایسی ہوئیں کہ جب ان کے باشندے ظلم و عدوان کی ڈگر پر چل پڑے تو ہم نے ان بستیوں کو کچل کر چور چور کر ڈالا اور انہیں ہلاک و برباد کر کے ان کے بعد ہم نے دوسری قوموں کو پیدا کر دیا۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ مسلمانو! ایک ایک بار بآواز بلند درود شریف پڑھ لیجئے۔

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ"

قوم سبا کا انجام:۔ مسلمانو! اب اسی سلسلے میں ذرا "قوم سبا" کا حال اور انجام بھی سن لو۔ ملک عرب کی یہ خوشحال قوم اپنی آبادی و بربادی کے انقلاب سے کس طرح دوچار ہوئی۔ قرآن کریم کی یہ عبرت ناک داستان بھی بڑی ہی دل دوز اور لرزہ براندام کرنے والی ہے۔ خداوند قدوس نے اس قوم کو اپنی بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا تھا۔ ان کی آبادیوں کے دائیں اور بائیں دونوں طرف میلوں تک قسم قسم کے میووں اور پھلوں کے باغات تھے اور یہاں کی آب و ہوا اتنی لطیف اور زمین اس قدر صاف و ستھری تھی۔ کہ نہ کھٹمل نہ مچھر نہ مکھی نہ پسو۔ نہ سانپ نہ بچھو بلکہ ہوا اور فضا کی لطافت کا یہ عالم تھا کہ اگر کہیں دوسری جگہ کا کوئی شخص ان بستیوں میں سے گزر جاتا تھا اور اس کے کپڑوں میں جوئیں ہوتیں تو وہ بھی مر جاتی تھیں۔ موسم بھی نہایت

معتدل اور خوشگوار، نہ گرمی کی شدت، نہ جاڑے کی زحمت۔ مگر اس خوشحال قوم کا کیا انجام ہوا؟
مسلمانو! یہ قوم اپنی خوش حالی اور مال و دولت کی فراوانی سے متکبر و مغرور ہو گئی۔ اپنے پیغمبروں کو جھٹلا کر سرکشی اور نافرمانی کی راہ پر چل پڑی اور بدکاریوں اور معصیت شعاریوں سے زمین پر فتنہ و فساد کا ایسا بازار گرم کر دیا کہ زمین کا سکون دہل گیا۔ اس قوم کا سردار جس کا نام "حمار" تھا۔ اس کی فرعونیت اور کافرانہ رعونت تو اس قدر بڑھ گئی تھی کہ جب اس کا ایک لڑکا مر گیا تو اس فرعون وقت نے غضبناک ہو کر خداوند قدوس کی شان میں بے ادبی و گستاخی کرتے ہوئے آسمان کی طرف تھوکا اور خود کافر ہو کر دوسروں کو بھی کفر پر مجبور کرنے لگا۔ الغرض جب اس قوم کی سرکشی و تمرد اور ان بدبختوں کی بے ایمانیاں اور بداعمالیاں نقطہ عروج پر پہنچ گئیں۔ تو دستورِ الٰہی کے مطابق ان پر قہر خداوندی کا عذاب ٹوٹ پڑا اور بالکل ناگہاں ان کے ایک بہت بڑے تالاب کا بند ٹوٹ گیا اور اس غضب کا سیلاب آیا کہ ان کی بستیاں، باغات اور مال و دولت کی ساری کائنات دم زدن میں غارت و برباد ہو گئی اور اس زمین میں ایسا انقلاب ہو گیا کہ میووں کے باغات کی جگہ جھاؤ کے بن، بیریوں کے جنگل اور خاردار درختوں کے جھنڈ اگ گئے اور زمین کی ساری رونق و لطافت اور خیر و برکت ملیامیٹ ہو گئی اور ہر طرف ہوش ربا ویرانی اور خوف ناک منحوسیت کا عفریت مسلط ہو گیا اور وہ زمین جو کبھی خوش حالی اور نعمتوں کی جنت تھی۔ چند گھنٹوں اور منٹوں میں ویرانیوں اور بربادیوں کا جہنم بن گئی اور اس زمین کا ذرہ ذرہ بلبلا کر زبان حال سے سناٹے کے عالم میں یہ مرثیہ پڑھنے لگا کہ:

وقت کی برہم مزاجی کا گلہ کیا کیجئے
یہ بھی کیا کم ہے کہ سر پر آسماں رہنے دیا

مسلمانو! اس داستان کو قرآن کی زبان سے بھی سن لو۔ ارشاد باری ہے کہ

"لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ج جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ؕ"

یعنی بے شک قوم سبا کے لئے ان کی آبادی میں ایک نشانی تھی۔ ان کے دائیں اور بائیں دو باغ تھے۔

"كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ط بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ؕ"

(ان لوگوں کو خدا کا حکم تھا) کہ اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ پاکیزہ شہر ہے

اور رب بخشنے والا ہے۔

"فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۔"

تو اس قوم نے (خدا کے احکام سے) منہ پھیر لیا۔ تو ہم نے ان پر بند کا زوردار سیلاب بھیج دیا اور ان کے دونوں باغوں کے بدلے ہم نے انہیں ایسے دو باغ بدل دیئے جن میں بھکٹا پھل اور جھاؤ اور کچھ تھوڑی سی بیریاں تھیں۔ "ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِيْ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۔" (ہم نے یہ بدلہ ناشکری کی سزا میں دیا اور ہم اسی کو سزا دیتے ہیں جو ناشکرا ہوا (سورۂ سبا)

برادران ملت! بہر کیف قوم عاد و ثمود ہو یا قوم فرعون و مدین، قوم سبا ہو یا قوم لوط۔ اصحاب الحجر ہوں یا اصحاب الایکہ۔ غرض تمام وہ قومیں جو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر کے صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دی گئیں، ان سبھوں کی عبرت ناک بربادیوں اور رقت انگیز ہلاکتوں کا یہی سبب ہوا کہ ان بدنصیبوں نے اپنے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور خدا کے مقدس رسولوں اور نبیوں کی شان میں بے ادبی و گستاخی کی اور اپنی طاقت و قوت اور فراخی و خوش حالی پر اترا کر سرکشی کرنے لگے اور اس قدر گناہگار و بدکار ہو گئے کہ اپنی بداعمالیوں اور بدکرداریوں سے زمین کے ذرے ذرے پر پاپ کا "ہمالیہ" بنا ڈالا۔ تو پھر دستور خداوندی کے مطابق بدی کی تاثیر رنگ لائی اور خدا کے قہر و جلال کی جہاں سوز بجلیاں عذاب بن کر ان کی بستیوں پر گرنے لگیں اور یہ لوگ دنیا سے اس طرح برباد و غارت کر دیئے گئے کہ آسمانی کتابوں میں ان کی عبرت خیز اور پردرد داستانوں کے سوا دنیا میں نہ ان کا کوئی وجود ہے اور نہ کوئی نشان۔ ہاں چند قوموں کی تباہ و برباد بستیوں کے کچھ کھنڈرات نظر آتے ہیں۔ مگر ان پر ایسی ویرانی و نحوست برستی رہتی ہے کہ انسان تو انسان الو بھی وہاں بیٹھ کر بولنا گوارا نہیں کر سکتا۔ جنگ تبوک کے موقع پر جب حضور ﷺ صحابہ کرام کے لشکروں کی جمعیت کے ساتھ قوم عاد و ثمود کے کھنڈرات کے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص یہاں کے کنوؤں کا پانی نہ پیئے اور بہت تیزی کے ساتھ جلد از جلد ان مقامات سے نکل چلو کیونکہ یہ عذاب خداوندی سے برباد شدہ قوموں کا مسکن رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان جگہوں کی نحوست کی وجہ سے تم لوگوں پر بھی کچھ آفت پہنچ جائے چنانچہ حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام استغفار پڑھتے ہوئے اور اپنی سواریوں کو

تیز رفتاری کے ساتھ چلاتے ہوئے ان مقامات سے انتہائی عجلت کے ساتھ گزر گئے۔
چنانچہ انہی طرح طرح کے عذابوں سے تباہ کی ہوئی بستیوں کے بارے میں بار بار قرآن مجید نے فرمایا:

"قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ" (نمل) آیت 69
یعنی اے پیغمبر آپ فرما دیجئے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا کیسا انجام ہوا؟
بہر کیف میری پوری تقریر کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ نیکی کا اثر خدا کا "فضل و جمال" اور اس کی تاثیر آبادی ہے اور بدی کا اثر خدا کا قہر و جلال اور اس کی تاثیر بربادی ہے۔
برادران ملت! آپ خود غور فرمایئے کہ ہمارے گزرے ہوئے اسلاف جب تک ایمان اور اعمال صالحہ کے پیکر بن کر روئے زمین پر نیکی کا پرچم لہراتے رہے، ان پر خدا کے فضل و جمال اور اس کے جود و نوال کا یہ عالم رہا کہ ساری دنیا میں ان کے جاہ و جلال اور عزت و اقبال کا جھنڈا لہراتا رہا۔ اور ان پر خداوند قدوس کی نعمتوں، رحمتوں اور برکتوں کی ایسی بارش ہوتی رہی کہ وہ ہر دم اور ہر آن تمام جہان والوں سے بڑھ کر خوش بخت و خوش حال رہے اور آج جب ہم مسلمانوں نے اپنی بدکاریوں اور معصیت شعاریوں سے روئے زمین کے حسین چہرے کو بدنما داغوں سے داغ دار بنا ڈالا۔ تو ہم پر خدا کے قہر و جلال کی ایسی بجلیاں گرنے لگیں کہ ہم پر ذلت و خواری، افلاس و نکبت اور طرح طرح کے آلام و مصائب کے ایسے ایسے بادل چھا گئے کہ ہمارا امن و امان غارت ہو گیا اور ہماری عزت و اقبال کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا اور ہماری بربادیاں سارے جہان کے لئے عبرت کا سامان بن گئیں۔ اللہ اکبر، ہمارے اور ہمارے اسلاف کے بارے میں شاعر مشرق نے کیا خوب کہا ہے کہ:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

لہٰذا میرے دینی بھائیو! ضرورت ہے کہ ہم ان قرآنی تقریروں سے سبق حاصل کریں اور گناہگار امتوں کی بربادیوں اور ان کی ہلاکتوں سے عبرت پکڑیں اور تمام گناہوں سے سچی توبہ کر کے اللہ و رسول کی اطاعت کریں اور اعمال حسنہ اور نیکیوں سے روئے زمین کو اس قدر پرانوار بنا دیں کہ رحمت خداوندی کو ہم پر پیار آ جائے اور اسی کا فضل و کرم اس شان سے ہماری

دستگیری فرمائے کہ ہماری ذلت و خواری اور ادبار و بربادی کی ساری بلائیں دفع ہو کر ہماری عظمت وشان اور عزت واقبال کا نشان سارے جہان میں پرچم رفعت بن کر لہرانے لگے۔ اور ہم احکم الحاکمین اور رب العالمین کے حفظ وامان میں اس طرح محفوظ ہو کر سربلندی و عظمت کے ساتھ زندگی بسر کریں کہ ظلم وعدوان کی تمام طاغوتی طاقتیں جو ہم سے ٹکرائیں وہ ہماری ٹھوکروں سے پاش پاش ہو کر نیست ونابود ہو جائیں اور ہماری شان وشوکت اور عزت وعظمت کا اسلامی جھنڈا فضائے آسمانی میں لہرالہرا کر قیامت تک دشمنان اسلام کو یہ پیغام دیتا رہے کہ ؎

زندۂ جاوید ہے اللہ والوں کا گروہ
امت مرحومہ سو سکتی ہے مر سکتی نہیں

اور ہم اپنے اعمال صالحہ اور اسلامی کردار کی عظمتوں سے اپنے معاشرہ کو اتنا سربلند کر دیں اور دین برحق کے باغیوں کے قلب ودماغ پر توانائی اور برتری کا ایسا سکہ بٹھادیں کہ ہمیں مٹا دینے کا خواب دیکھنے والے دشمن ہماری جسمانی وروحانی طاقتوں کے دل بادل کو دیکھ کر اس طرح لرزہ براندام ہو جائیں کہ ان کے ناپاک عزائم کے اونچے اونچے پہاڑ ریت کے ذرات بن کر ناکامیوں اور مایوسیوں کی آندھیوں میں اڑ جائیں اور وہ زبان حال سے یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ ؎

اسلام! تیری نبض نہ ڈوبے گی حشر تک
تیری رگوں میں خوں ہے رواں چار یار کا

اور اگر خدانخواستہ ہم مسلمانوں نے اپنی اصلاح نہیں کی اور ہم اسی طرح بدکاریوں اور بداعمالیوں کی دلدل میں پھنسے رہے اور اپنی سرکشی کی خرمستیوں اور اپنی مجرمانہ زندگی کی بدمستیوں میں شرابیوں کی طرح بدمست ہو کر اکڑتے رہے اور خداوند قہار و جبار کے قہر و غضب کو دعوت دیتے رہے تو خدا کی قسم! بہت بڑا خطرہ ہے کہ گزشتہ امتوں کی طرح ہم پر بھی قہر خداوندی عذاب بن کر نازل ہو جائے گا اور پھر ہم اور ہمارے ننھے ننھے بچے ہماری بداعمالیوں کی شامت اعمال اور ہمارے گناہوں کے وبال سے ہماری نظروں کے سامنے ہلاک و برباد ہو جائیں گے اور ہماری زندگی کی ساری رعنائیاں اور ہمارے وجود وہستی کے سارے نشانات دم زدن میں ملیامیٹ ہو کر اس طرح نیستی سے ہمکنار اور صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گے کہ کتابوں کے صفحات میں ہماری رقت آمیز ہلاکتوں اور عبرت خیز بربادیوں کی داستانوں کے سوا ہمارے

وجود کا کوئی نشان باقی نہیں رہے گا۔

مسلمانو! آنکھیں کھول کر نگاہ عبرت سے دیکھ لو اور گوش ہوش سے سن لو! جان لو! پہچان لو! اور خدا کے لئے خدا کے اس فرمان کو مان لو کہ نیکی کی تاثیر آبادی ہے اور بدی کی تاثیر بربادی ہے۔ "نیکی کرو گے آباد رہو گے"، "بدی کرو گے برباد ہو جاؤ گے" خداوند کریم نیکی کی توفیق عطا فرمائے اور بدی سے بچائے (آمین)

"وما علینا الا البلٰغ المبین وصلی اللہ تعالیٰ علٰی خیر خلقہ وصحبہ اجمعین" فقط

دوسرا وعظ

مغفرت کی تین شرطیں

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

الحمد للّٰہ العلی الاعلیٰ ❁ الذی خلق فسوّی والصلوٰۃ والسلام علٰی حبیبہ المصطفیٰ ❁ الذی دنیٰ فتدلّٰی ط فکان قاب قوسین اوادنیٰ ❁ وعلٰی الہ التقی النقی الذکی المجتبیٰ ط واصحابہ الذین فاز وابا الدرجات العلیٰ ❁ وعلینا معھم یا اھل المغفرۃ والتقویٰ ط

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَلَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ط (نساء) آیت 64

بزرگان ملت! انتہائی ادب واحترام کے ساتھ بارگاہ رسالت میں درود و سلام کے گلہائے عقیدت پیش کیجئے اور باآواز بلند پڑھئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

برادران اسلام! ہمارا عجیب حال ہے کہ نہ اپنی زندگی پر ہمارا کوئی قبضہ واقتدار ہے نہ اپنی موت پر ہمارا کوئی اختیار اور کنٹرول ہے۔

لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے!
اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی گئی

ہماری زندگی کی صبح و شام ایک برق رفتار گھوڑے کی طرح تیزی کے ساتھ رواں دواں ہے اور ہم اس گھوڑے پر اس طرح سوار ہیں کہ

نے باگ ہاتھ میں ہے نہ پا ہے رکاب میں

بس اس کے سوا ہمیں کچھ نظر نہیں آتا کہ دن آتا ہے رات چلی جاتی ہے رات آتی ہے دن چلا جاتا ہے۔

صبح ہوتی ہے، شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

ہم کہیں بھی رہیں اور کسی حال میں بھی رہیں مگر زندگی کی صبح و شام بے اختیار گزرتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن زندگی رہے گی، نہ زندگی والا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

عمر اک دن ہو کہ سو سال گزر جاتی ہے
دوش پر کملی ہو، یا شال، گزر جاتی ہے
گر امیروں کی بہ اقبال گزر جاتی ہے
ہم غریبوں کی بہرحال گزر جاتی ہے

لیکن مسلمان بھائیو! خدا کی قسم ہماری اس آنی فانی زندگی کی وہ گھڑیاں بڑی قیمتی اور ہماری حیات کے وہ لمحات انتہائی بیش قیمت اور انمول ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی یاد میں گزر جاتے ہیں۔ اللہ اللہ! ان گراں مایہ اوقات حیات کی قدر و قیمت کا کیا کہنا؟ بخدا یہ لمحات حاصل حیات اور زندگی کا وہ سرمایہ ہیں جن کی قیمت جنت کے سوا کوئی دولت نہیں ہو سکتی۔ کاش ہم مسلمان ان اوقات حیات کی قدر کرتے۔

امام اعظم کی عمر:۔ حضرات اس موقع پر مجھے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دلچسپ واقعہ یاد آ گیا۔ جس کو میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی نے حضرت امام اعظم سے دریافت کیا کہ حضور والا۔ آپ کی عمر کتنی ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دو برس۔ سائل آپ کے اس عجیب جواب سے حیران رہ گیا اور وہ جب حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آپ کا منہ تکنے لگا۔ تو آپ نے فرمایا کہ عزیز من! یوں تو ہماری عمر ساٹھ برس سے زیادہ گزر چکی لیکن میں اپنی زندگی کے ان تمام برسوں میں صرف اپنی اسی دو برس کی زندگی کو اپنی زندگی شمار کرتا ہوں۔ جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی مقدس صحبت میں اسی طرح گزر گئی کہ ان کے انفاس قدسیہ کی بدولت میں ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ اور اس کے رسول کی یاد سے غافل نہیں رہا۔ باقی زندگی کے تمام برسوں کو میں اس قابل نہیں سمجھتا کہ ان کو اپنی عمر اور زندگی شمار کروں۔

"لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ" اگر یہ دو برس نہ ملتے تو "نعمان" یعنی ابو حنیفہ ہلاک ہو جاتا۔

برادران ملت! حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی اس عرفانی تقریر سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ و

رسول کی یاد میں گزرنے والی زندگی کی انمول ساعتیں کتنی بیش بہا اور قیمتی ہوا کرتی ہیں؟ لہٰذا اے برادران اسلام! خداوند قدوس جل مجدہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیجئے کہ اس نے ہمیں اور آپ کو اس مبارک اجلاس میں چند گھنٹے حاضری کی توفیق عطا فرمائی۔ جس کی بدولت ہماری زندگی کی یہ چند گھڑیاں اللہ و رسول کی یاد میں گزر رہی ہیں۔

اس لئے میرے بزرگو اور بھائیو! میری مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ اپنے سرمایہ حیات کے ان قیمتی لمحات کو پروردگار عالم کی ایک عظیم نعمت سمجھ کر انتہائی سکون و اطمینان کے ساتھ میری تقریر کو سنیں اور عمل کی بھی کوشش کریں۔

ایک بار باآواز بلند درود شریف کا ورد کر لیجئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ.

حضرات گرامی! اس وقت خطبہ کے بعد میں نے سورۂ نساء کی ایک آیت کریمہ کی تلاوت کی ہے یہ آیت مبارکہ اس لحاظ سے بہت ہی جاذب نظر اور دل کش ہے کہ اس میں ہم مومنین کے قلب کی تسکین اور روح کا اطمینان۔ یعنی ہم گنہگاروں کی مغفرت کا سامان ہے۔ اب غور فرمایئے کہ ہم میں سے کون ہے جس کو اپنی مغفرت کی فکر اور گناہ معاف کرانے کی ضرورت نہیں ہے؟

لہٰذا ہم سب گناہ گاروں کے لئے اس آیت میں بلاشبہ ایک بے پناہ کشش اور انتہائی جاذبیت کا سامان ہے کہ خداوند عالم نے اس آیت میں ہمیں گناہ بخشوانے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اگر ہم سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو ہم کو کیا تدبیر کرنی چاہئے کہ ارحم الراحمین ہمارے گناہ کو معاف فرمادے اور ہم کو بخش دے۔

عزیزو اور دوستو! میں پہلے اس آیت کریمہ کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ پھر اس کی شان نزول اور تفسیر پر بھی کچھ روشنی ڈالوں گا۔ سنئے! حضرت حق جل مجدہٗ کا ارشاد ہے کہ:

”وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْآ اَنْفُسَھُمْ جَآءُ وْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَلَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۔“(نساء : 64)

یعنی اے محبوب اگر میرے بندے کوئی گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو انہیں چاہئے

کہ وہ آپ کے حضور میں حاضر ہو جائیں۔ پھر وہ خدا کے دربار میں توبہ و استغفار کریں اور رسول بھی ان کے لئے دعاء مغفرت فرمادیں تو یقیناً وہ لوگ اللہ کو بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا پائیں گے۔

مغفرت کی تین شرطیں:۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ۔

برادران اسلام! آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ کہ خداوند عالم نے اس آیت میں بندوں کے گناہ معاف کرنے کے لئے تین شرطیں مقرر فرمائی ہیں۔ سب سے پہلی شرط تو یہ ہے کہ جَاءُوْكَ یعنی گناہ گار رسول کے دربار میں حاضر ہو جائے۔ پھر دوسری شرط یہ ہے کہ: "فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ" یعنی دربار خداوندی میں توبہ واستغفار کرے۔ پھر تیسری اور آخری شرط یہ ہے کہ "وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ" یعنی رسول بھی اس کی شفاعت اور اس کے لئے دعاء مغفرت فرمادیں۔ اب اگر یہ تینوں شرطیں پوری ہو گئیں تو ارحم الراحمین کا کھلا اعلان بشارت موجود ہے کہ "لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا" یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے گناہ گار بندوں کی توبہ ضرور قبول فرمالے گا اور ان کو اپنے شامیانہ رحمت میں پناہ دے کر اپنی مغفرت کے تاج کرامت کا تاجدار بنادے گا۔

شان نزول:۔ برادران ملت! مغفرت کی ان تینوں شرطوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس آیت قرآنیہ کی شان نزول بھی آپ کو سنادوں اور آپ کو یہ بتادوں کہ یہ آیت کریمہ کب؟ اور کہاں؟ اور کیوں؟ اور کس موقع پر نازل ہوئی۔

عزیزان ملت! یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ابتدائے اسلام ہی سے انسانوں کی تین جماعتیں موجود ہیں۔ یہ تینوں جماعتیں کون کون سی ہیں؟ ذرا غور سے سنئے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ" ایک جماعت کا نام ہے "مومنین" "قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" دوسری جماعت کا نام ہے "کافرین" "اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ" تیسری جماعت کا نام ہے "منافقین"۔

تو حضرات اسی تیسری پارٹی یعنی گروہ منافقین کا ایک بہت ہی گھسا گھسایا پرانا خرانٹ قسم کا لیڈر تھا۔ جس کا نام تھا "بشر" اس منافق کا ایک یہودی سے اختلاف اور جھگڑا ہو گیا۔ اتفاق سے یہودی اس معاملہ میں حق پر تھا اور بشر منافق سر اسر بے ایمانی اور ہٹ دھرمی پر کمربستہ تھا۔ یہودی نے کہا کہ چلو میں تمہارے رسول ﷺ ہی کو حکم مان لیتا ہوں اور جو فیصلہ وہ فرمادیں گے میں اسے بخوشی تسلیم کرلوں گا۔

بشر منافق بڑا چالو اور پرانا گھاگ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رحمت عالم ﷺ تو یقیناً اپنے حقانی فیصلہ سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیں گے اور یہودی کو ڈگری عطا فرما دیں گے۔ اس لئے اس نے کہا کہ نہیں ہم رحمت عالم ﷺ کو اپنا حکم اور پنچ تسلیم نہیں کر سکتے۔ بلکہ تم "کعب بن اشرف" یہودی کے پاس فیصلہ کے لئے چلو۔ جو تمام یہودیوں کا گرو گھنٹال ہے۔ بشر منافق کو یہ امید تھی کہ کعب بن اشرف کو میں رشوت دے کر اپنے موافق فیصلہ کروا لوں گا۔ مگر جب یہودی اڑ گیا کہ میں تو تمہارے پیغمبر ہی سے فیصلہ کرانا چاہتا ہوں تو مجبوراً مرے دل سے بشر منافق نے بھی رحمت عالم ﷺ کو حکم مان لیا۔ جب یہ دونوں دربار رسول ﷺ میں فیصلہ کرانے کے لئے حاضر ہوئے تو سرکار مدینہ نے یہودی کو چونکہ وہ حق پر تھا، ڈگری عطا فرما دی۔ چنانچہ یہودی نے تو اس حقانی فیصلہ کو دل سے قبول کر لیا۔ مگر بشر منافق کی رگ نفاق پھڑک اٹھی اور اس نے فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ میں اس مقدمہ کا فیصلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کراؤں گا۔ یہودی اس پر بھی راضی ہو گیا کیونکہ اس کو عدل فاروقی پر پورا پورا اعتماد تھا کہ وہ بال کے کروڑویں حصے کے برابر بھی حق سے ہٹنے والے نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچے۔ اور آپ کے دربار میں اپنا مقدمہ پیش کیا اور یہودی نے یہ بھی عرض کر دیا کہ دربار رسول ﷺ سے اس مقدمہ کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ جس کو میں نے تسلیم کر لیا ہے مگر بشر نے اس کو نہیں مانا اور آپ کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے آیا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بشر منافق سے پوچھا کہ کیوں جی! کیا واقعی رحمت عالم ﷺ کے دربار نبوت سے اس مقدمہ کا فیصلہ ہو چکا ہے؟ بشر نے اقرار کر لیا کہ جی ہاں۔ سرکار دو جہاں تو اس مقدمہ کا فیصلہ فرما چکے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا۔ تم لوگ کھڑے رہو۔ میں گھر میں سے آکر ابھی ابھی اس مقدمہ کا ایسا فیصلہ کر دیتا ہوں کہ پھر کہیں اپیل کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی۔ یہ فرما کر جلدی جلدی آپ مکان میں داخل ہوئے اور فوراً ننگی شمشیر لے کر جلال میں بھرے اور غیظ و غضب میں بھرے ہوئے باہر نکلے اور بشر منافق کی گردن پر اپنا، چا تلا ہوا تلوار کا بھرپور ہاتھ مارا کہ اس کی گردن کدو کی طرح کٹ گئی اور سر تربوز کی طرح دور جا گرا اور یہودی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم جاؤ۔ اس مقدمہ کا یہی فیصلہ ہے جو میں نے کر دیا ہے۔ جو ملعون رسول

برحق ﷺ کے حقانی فیصلہ سے منہ موڑے اس کا فیصلہ کرنے والا تلوار سے بہتر دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتا۔

برادران اسلام! یہودی تو اسلام کی حقانیت سے انتہائی متاثر ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ مگر اس واقعہ سے مدینہ کی سرزمین پر تہلکہ مچ گیا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک کلمہ گو کو تلوار سے قتل کر دیا۔

چنانچہ بشر منافق کے تمام رشتہ داروں اور اس کی پارٹی کے تمام معین و مددگار رسول برحق ﷺ کے دربار میں اس کے خون کا بدلہ لینے کے لئے تیار ہو کر آگئے اور قصاص کے طلب گار ہوئے اور قسمیں کھا کھا کر کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! بشر کی نیت میں کوئی برائی نہیں تھی اور وہ بہت ہی سچا اور پکا مسلمان تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کی ایمانداری اور دین داری کی تعریفوں کے بڑے بڑے پل باندھنے لگے اور اپنی منافقانہ روش کے مطابق حلف اٹھا اٹھا کر اور قسم کھا کھا کر رحمت عالم ﷺ کو یقین دلانے لگے کہ بشر اور ہم سب کے سب صاحب ایمان دار اور سچے پکے مسلمان ہیں۔

برادران ملت! منافقین رحمت عالم ﷺ کے دربار میں اپنی منافقانہ بازیگری کا یہ شرم ناک ناٹک اور ناقابل نفرت کھیل دکھا ہی رہے تھے کہ حضرت حق جل مجدہٗ نے ان آیات بینات کو نازل فرما کر ان منافقوں کے نفاق کا پردہ چاک فرما دیا اور ان لوگوں کے مکر و فریب اور سیہ کاریوں کے دام تزویر اور پر فریب جال کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا اور بشر منافق کے واجب القتل ہونے کا اعلان فرما دیا اور اس کے خون کا کوئی بدلہ نہیں دلایا (صاوی ج 1 ص 226)۔

برادران اسلام! اب آپ ان مقدس آیتوں کی تلاوت اور ان کا ترجمہ سنئے اور خداوند قدوس کے قہر و جلال کا قاہرانہ انداز اور جلالی تیور ملاحظہ فرما کر عبرت حاصل کیجئے:

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ؕ"

یعنی کیا (اے محبوب) آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ پر اتاری گئی اور ان کی کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئیں۔

پھر چاہتے ہیں کہ شیطان (کعب بن اشرف) کو اپنا پنچ بنائیں حالانکہ ان لوگوں کو تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس کو بالکل ہی نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں ڈال دے۔

"وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۚ"

اور جب ان لوگوں سے کہا جائے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور اس کے رسول کی طرف آؤ۔ تو آپ دیکھیں گے کہ منافق لوگ آپ سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں۔

"فَكَيْفَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۚ"

تو ان کا کیا حال ہوگا۔ جب ان پر کوئی مصیبت پڑ جائے۔ ان کے کرتوتوں کے بدلے میں جو ان کے ہاتھوں نے پہلے کیا ہے۔ پھر اے (محبوب) یہ لوگ آپ کے حضور حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہیں کہ ہمارا مقصود تو بھلائی اور میل ملاپ تھا۔

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَافِيْ قُلُوْبِهِمْ ۖ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا ۢ بَلِيْغًا"

ان کے دلوں کی بات تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ لہٰذا (اے محبوب) آپ ان لوگوں سے چشم پوشی کیجئے اور ان لوگوں کو نصیحت فرماتے رہئے اور ان لوگوں سے دلوں میں اتر جانے والی بات فرماتے رہئے۔

"وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ"

اور ہم نے ہر رسول کو اسی لئے بھیجا تا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۚ" (نساء: 64)

اور اگر لوگ (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو (اے محبوب) وہ آپ کے حضور میں حاضر ہوں، پھر اللہ سے استغفار کریں اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں تو ضرور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان پائیں گے۔

برادران اسلام! آپ نے سن لیا کہ ان آیات بینات نے کتنی وضاحت اور صفائی کے

ساتھ کھلم کھلا یہ اعلان کر دیا کہ رسول کی اطاعت اور ان کے ہر فیصلہ کو بخوشی تسلیم کرنا اور ماننا ہر مسلمان پر فرض ہے اور رسول کے فیصلہ سے منہ موڑنے والا در حقیقت رسالت ہی کا منکر ہے اس لئے وہ کافر اور واجب القتل ہے۔ اسی طرح آخری آیت "وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا" نے واضح کر دیا کہ گناہ گاروں کو بخشنے کے لئے خداوند ستار و غفار نے تین شرطیں مقرر کی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ گناہ گار اپنے رسول کے دربار میں حاضر ہو جائے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ گناہ گار خدا کے دربار میں توبہ و استغفار کرے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ رسول بھی اس کے لئے دعائے مغفرت فرمادیں۔ جب تک یہ تینوں شرطیں نہیں پائی جائیں گی۔ ہر گز ہر گز خداوند قدوس کسی مجرم و خطار کار کو نہیں بخشے گا اور کسی گناہ گار کے گناہوں کو نہیں معاف فرمائے گا۔

میرے دوستو اور بزرگو! یہ تو بہت ہی مشہور مسئلہ ہے کہ "اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ" یعنی جب شرط نہیں پائی جائے گی تو مشروط بھی نہیں پایا جائے گا۔ کون نہیں جانتا کہ نماز کے لئے وضو شرط ہے۔ تو جب تک وضو نہیں ہو گا، نماز نہیں ہو سکتی اسی طرح جب مغفرت کے لئے تین شرطیں ہیں تو جب تک یہ تینوں شرطیں نہیں پائیں جائیں گی مغفرت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا نماز پڑھنی ہے تو وضو کرنا ہی پڑے گا اور مغفرت کرانی ہے تو یہ شرطیں پوری کرنی ہی پڑیں گی۔

اب اگر کوئی "بے دال کا بودم" بلا وضو ہی کے نماز پڑھ لے اور کہے کہ میری نماز ہو گئی تو اس شخص کے بارے میں ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ غالباً اس کے دماغ کی مشینری کا کوئی اسکرو ڈھیلا ہو گیا ہے یا یہ شخص جہالت کا ایک چلتا پھرتا مجسمہ ہے۔

لطیفہ:۔ غالباً آپ لوگوں نے ایک لطیفہ سنا ہو گا کہ ایک مولانا صاحب اپنے وعظ میں فرمار ہے تھے کہ مسلمانو! یاد رکھو کہ نماز کے لئے وضو شرط ہے جب تک وضو نہیں ہو گا، نماز نہیں ہو سکتی۔ یہ سن کر مجمع میں سے ایک جاہل کھڑا ہو گیا اور چلا چلا کر کہنے لگا کہ مولانا صاحب! آپ کی یہ بات بالکل غلط ہے۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ بلا وضو کے بھی نماز ہو جاتی ہے۔ بلا وضو کے قیام و قعود اور رکوع و سجود وغیرہ سب کچھ ہو جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ وضو نہ ہو تو پیٹھ اکڑ جائے اور رکوع و سجدہ ہی نہ ہو سکے۔ بلا وضو کے بھی نماز کے سب افعال ادا ہو جاتے ہیں۔ جاہل گنوار کی یہ بے تکی بات سن کر سارا مجمع ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا اور مولانا صاحب بھی مسکرا کر یہ کہنے

لگا کہ سبحان اللہ۔

احمقوں کی کمی نہیں غالب
ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں

بہرکیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ خداوند کریم باوجود یہ کہ بڑا ستار و غفار ہے اور اس کی رحمت اور شان کریمی کا یہ عالم ہے کہ بڑے سے بڑا مجرم و گناہ گار بھی اس سے اپنی مغفرت کا امیدوار ہے مگر پھر بھی اس ارحم الرحمین نے اپنے قرآن مبین میں صاف صاف اعلان فرمادیا ہے کہ میں ہر مجرم اور خطاکار کو اسی وقت بخشوں گا اور ہر گناہ گار کو میرے شامیانہ رحمت اور دامن کرم میں اسی وقت پناہ مل سکتی ہے جب مغفرت کی تینوں شرطیں پوری ہو جائیں۔

برادران ملت! اب میں چاہتا ہوں کہ ان تینوں شرطوں کو ذرا تفصیل کے ساتھ عرض کروں۔ لہٰذا غور سے سنیئے:

دربار رسول کی حاضری:۔ دیکھئے سب سے پہلی شرط یہ ہے "جَآءُوْكَ" یعنی دنیا میں کوئی مجرم جرم و گناہ کر کے جب تک دربار مصطفیٰ ﷺ میں حاضری نہیں دے گا۔ ہرگز ہرگز کبھی اس کی مغفرت نہیں ہوگی اور وہ کبھی بھی رحمت الٰہی کی نظر عنایت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

حضرات گرامی! خوب سمجھ لیجئے کہ یہ میرے شاعرانہ تخیل کی پرواز یا عقلی گھوڑے کی سرپٹ دوڑ نہیں ہے بلکہ یہ قرآن مجید کے لفظ "جَآءُوْكَ" کی تفسیر ہے۔ میرا دعوٰی ہے کہ دنیا کا کوئی مفسر یا قرآن فہمی کا ذوق رکھنے والا کوئی بھی عالم دین اس آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ اس آیت میں لفظ "جَآءُوْكَ" کا یہی اور صرف یہی مطلب ہے کہ ہر مجرم و گناہ گار اگر اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہے تو اس کی پہلی شرط یہی ہے کہ وہ دربار رسول میں حاضری دے۔

برادران اسلام! آج کل کے مولویوں کو چھوڑ دیجئے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں آپ مجھے بتایئے کہ قرآن کریم کو سب سے زیادہ کن لوگوں نے سمجھا؟ آپ اس کے سوا اور کیا کہیں گے؟ کہ ساری امت میں سب سے زیادہ جن لوگوں نے قرآن مجید کو سمجھا ہے وہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت ہے کیونکہ قرآن ان لوگوں کی زبان میں نازل ہوا۔ ان لوگوں نے قرآن کو خود صاحب قرآن کی زبان سے سنا اور قرآن کو درس گاہ نبوت میں پڑھ کر اس کے ایک ایک لفظ

بلکہ ایک ایک حرف کی تفسیر و تشریح کو ان کی تعلیم سے جانا اور پہچانا جس کا سینہ شرح "اَلَمْ نَشْرَحْ" کا خزینہ ہے اور جن کے لئے "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" کی سند مستند عرش اعظم سے نازل ہوئی۔ خدا کی قسم نزول قرآن کا حال و ماحول اور موقع و محل جس قدر صحابہ کرام کے پیش نظر تھا، کسی دوسرے کو قیامت تک نصیب ہی نہیں ہو سکتا اور معلم کتاب و حکمت کے مشکوٰۃ نبوت سے جتنی علمی و عملی روشنی صحابہ کرام کو ملی وہ کسی دوسرے کو مل ہی نہیں سکتی۔ اس لئے یہ تو تمام دنیا کو تسلیم ہی کرنا پڑے گا کہ قرآن مجید کو سب سے زیادہ صحابہ کرام نے ہی سمجھا۔ اس لئے آیئے اور تاریخ صحابہ کی روشنی میں دیکھئے کہ ان ملت کے ستونوں اور آسمان امت کے ان درخشاں ستاروں نے اس آیت میں "جَآءُوْكَ" کا کیا مطلب سمجھا؟ اور اس پر کس طرح عمل کیا؟ اور صاحب قرآن نے ان پاک نفسوں کے عمل بالقرآن پر کس طرح اپنی مہر تصدیق ثبت فرما کر ان کی عملی زندگی کو تمام نسل انسانی کے لئے ایک ایسا دائمی نظام زندگی اور مکمل دستور حیات بنا دیا کہ قیامت تک اس میں کسی ترمیم و تنسیخ کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی۔

مسجد نبوی کے چند ستون:۔ حضرات گرامی! مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں جنت کی کیاری کے اندر چند ستونوں پر آج بھی کتبے لکھے ہوئے ہیں۔ ان میں کا ہر ستون اپنے دامن میں بڑے بڑے عبرت آموز اور ایمان افروز تاریخی واقعات کا دفتر لئے ہوئے ہے۔ ایک ستون کا نام "اُسْطُوَانَةُ الْوُفُوْد" ہے یہ وہ ستون ہے کہ حضور شہنشاہ مدینہ ﷺ اس ستون سے ٹیک لگا کر دور دور سے آنے والے قبائل کے نمائندوں کو اپنی زیارت کا شرف عطا فرمایا کرتے تھے۔ ایک ستون پر "اسطوانة الحنانة" تحریر کیا ہوا ہے۔ یہ وہی ستون ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جدائی میں پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا۔ جس کے بارے میں مولانا رومی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ:

استن حنانہ از ہجر رسول
نالہ می زد ہچوں ارباب عقول

یعنی ستون حنانہ رسول کی جدائی میں اس طرح نالہ و فریاد کر کے روتا تھا جیسے عقل والے اپنے محبوبوں کی جدائی پر نالہ و فریاد کے ساتھ رویا کرتے ہیں۔

الغرض اسی طرح کے بہت سے تاریخی ستون ہیں۔ انہی ستونوں میں سے ایک ستون کا

نام "اسطوانة التوبه" بھی ہے۔ جس کو ستون ابولبابہ بھی کہتے ہیں۔ اور مجھے اس وقت اسی ستون کا ایک دل ہلا دینے والا تاریخی واقعہ آپ کو سنانا ہے۔

حضرت ابولبابہ کی توبہ:۔ حضرات محترم! ایک صحابی ہیں ابولبابہ بن عبدالمنذر۔ یہ حضور شہنشاہ مدینہ کے دربار میں بڑے باوقار بلکہ دربار نبوت کے ایک خاص رازدار تھے۔ جنگ خندق کے بعد جب حضور اکرم ﷺ نے بدترین دشمن اسلام قبیلہ بنو قریظہ کا محاصرہ فرمایا۔ تو ان یہودیوں نے تنگ آکر بارگاہ رسالت میں یہ پیغام بھیجا کہ آپ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیجئے تاکہ ہم لوگ ان سے اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ مشورہ کریں۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے سے پہلے ان یہودیوں سے بڑا گہرا نہ دوستانہ تعلق تھا بلکہ حضرت ابولبابہ کے کچھ اہل و عیال اور جائیداد و مال بھی اسی قلعہ میں تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابولبابہ کو بھیج دیا۔ قلعہ کے یہودی ان کو دیکھ کر رونے لگے۔ اور ان سے مشورہ کیا کہ کیا ہم لوگ پیغمبر اسلام کے فیصلہ کو قبول کرتے ہوئے قلعہ کا پھاٹک کھول دیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابولبابہ کو اپنا رازدار سمجھ کر پہلے ہی ان یہودیوں کے بارے میں اپنے فیصلہ سے مطلع فرمادیا تھا کہ یہ یہودی اللہ و رسول کے بدترین دشمن ہیں۔ لہٰذا ان کی سزا قتل کے سوا کچھ بھی نہیں ہو سکتی۔

جب یہودیوں نے حضرت ابولبابہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے اپنی پرانی دوستی اور اپنے اہل و عیال اور جائیداد و مال کا خیال کر کے سرکار مدینہ کا راز فاش کر دیا اور اپنے گلے پر ہاتھ پھیر کر اشارے سے یہودیوں کو بتا دیا کہ سرکاری مدینہ نے تمہارے بارے میں قتل کا فیصلہ فرمالیا ہے۔

حضرات محترم! حضرت ابولبانہ نے دربار نبوت کے ایک مخفی راز کو فاش کیا۔ ادھر فوراً ہی حضرت جبریل امین رب العالمین کا عتاب سے بھرا ہوا فرمان لے کر زمین پر اتر پڑے اور رحمۃ للعالمین پر یہ آیت نازل ہو گئی کہ:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝" (انفال:28)

یعنی اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول سے دغا مت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں دانستہ

طور پر خیانت کرو اور یہ جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد یہ سب فتنہ ہیں اور یہ یقین رکھو کہ اللہ کے پاس بہت بڑا ثواب ہے۔

حضرات! خود حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابھی میرے قدم اپنی جگہ سے ہٹنے بھی نہیں پائے تھے کہ میرے ضمیر نے مجھے جھنجھوڑا کہ بلاشبہ اس وقت میں نے اللہ و رسول کی امانت میں خیانت کی ہے اور اللہ و رسول کے ساتھ دغا کر کے میں نے بہت بڑا گناہ کر لیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابولبابہ اپنے اس عظیم گناہ کے تصور سے لرزہ براندام ہو گئے اور اپنے جرم پر نادم پشیماں ہو کر مدینہ منورہ بھاگے اور اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون میں رسی سے جکڑ کر بندھوالیا اور قسم کھالی کہ جب تک خداوند کریم میری توبہ قبول نہیں فرمائے گا اور رحمت عالم ﷺ اپنے دست مبارک سے مجھے نہیں کھولیں گے۔ خدا کی قسم نہ میں کچھ کھاؤں گا نہ پیؤں گا۔ چنانچہ چھ دن چھ رات تک یہ مسجد کے ستون سے بندھے رہے۔ نمازوں اور انسانی حاجتوں کے وقت ان کی بیوی صاحبہ ان کو کھول دیا کرتی تھیں۔ پھر وہی ان کو باندھ دیا کرتی تھیں۔ بھوک پیاس کی شدت سے ان کی قوت سماعت جاتی رہی اور آنکھوں کی روشنی میں بھی کمی آ گئی۔ اسی حالت میں ایک رات جب سرکاری مدینہ حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف فرما تھے............

صبح صادق کے وقت حضور ﷺ کو ناگہاں ہنسی آ گئی۔ بی بی ام سلمہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! خداوند کریم آپ کے دانتوں کو ہمیشہ ہنستا رکھے۔ بھلا اس وقت آپ کو ہنسی کیوں آ رہی ہے؟ یہ سن کر رحمت عالم نے ارشاد فرمایا کہ اے ام سلمہ! میں اس خوشی میں ہنس رہا ہوں کہ ابولبابہ کی توبہ بارگاہ خداوندی میں مقبول ہو گئی اور ابھی ابھی مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّیُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۔" (انفال: 29)

اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمہیں وہ چیز عطا فرما دے گا جس سے تم حق کو باطل سے جدا کر لو گے اور تمہاری برائیوں کو تم سے اتار دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

یہ سن کر کہ حضرت ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی۔ حضرت بی بی سلمہ کو بے حد خوشی ہوئی۔

چنانچہ فرط مسرت میں بے تاب ہو کر انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اگر اجازت ہو تو میں ابھی ابھی ابولبابہ کو بشارت سنادوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو سنادو۔ چنانچہ فوراً ہی حضرت بی بی ام سلمہ نے اپنے حجرے کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر بآواز بلند فرمایا کہ اے ابولبابہ! تمہیں یہ بشارت ہو کہ تمہاری "توبہ قبول ہو گئی۔"

بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آواز کا سننا تھا کہ لوگ اپنے گھروں سے نکل نکل کر مسجد نبوی کی طرف دوڑ پڑے اور حضرت ابولبابہ کو ستون سے کھولنے لگے۔ مگر حضرت ابولبابہ نے بھرائی ہوئی آواز میں آب دیدہ ہو کر فرمایا۔ خبردار! ہرگز ہرگز کوئی مجھے نہ کھولے۔ خدا کی قسم جب تک خود حضور رحمت عالم ﷺ مجھے اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے میرے مجرم و گناہ گار دل کو تسلی نہیں ہو سکتی کہ میرے رب کریم نے میری خطا کو معاف فرمادیا ہے۔ چنانچہ لوگ ہٹ گئے اور ابولبابہ نماز فجر کے وقت تک بدستور بندھے رہے اور لوگ ان کے اردگرد کھڑے رحمت عالم ﷺ کی آمد کا انتظار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضور اقدس ﷺ جب مسجد نبوی میں نماز فجر کے لئے تشریف لائے تو ابولبابہ کو پیار و محبت کی نگاہوں سے دیکھ کر پیغمبرانہ انداز مسرت کے ساتھ تبسم فرماکر مسکرانے لگے۔ سبحان اللہ! پیارے رسول کی مسکراہٹ کا کیا کہنا:

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا

پھر حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ابولبابہ کی رسیوں کو کھول دیا۔ (صاوی ج 1 ص 122)

برادران ملت! آپ نے دیکھا؟ کہ صحابی رسول حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر سے ایک گناہ سرزد ہو گیا تو وہ اپنے اس گناہ کو بخشوانے کے لئے خدا کے گھر کعبہ مکرمہ نہیں گئے اور کعبہ معظمہ کے ستون میں اپنے آپ کو نہیں باندھا بلکہ گناہ سرزد ہوتے ہی وہ سیدھے مدینہ منورہ دربار رسول میں حاضر ہو گئے اور اپنے آپ کو مسجد نبوی میں باندھا۔ کیوں؟ اس لئے وہ قرآن مجید کی آیت "جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ" کا پورا پورا علم رکھتے تھے اور انہیں اس بات کا عین الیقین بلکہ حق الیقین حاصل تھا کہ گناہ معاف ہونے کی پہلی شرط دربار رسول کی حاضری ہے۔

اس لئے وہ سیدھے مسجد نبوی میں آئے اور اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستون میں بندھوالیا تاکہ پانچوں وقت حضور سید عالم ﷺ مجھے دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ پیارے مصطفیٰ کی مصطفائی کو مجھ پر رحم آجائے تو پھر خدا کی قسم یقیناً خدا کی کبریائی کو مجھ پر پیار آجائے گا اور میں بخش دیا جاؤں گا کیونکہ ان کا یہ ایمان تھا ۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

چنانچہ آپ نے دیکھ لیا کہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت ابولبابہ کی بے قراری و گریہ زاری سے رحمۃ للعالمین کا رحمت بھرا دل پسیج گیا۔ تو ارحم الراحمین کی رحمت نے بھی کتنے پیار سے ابولبابہ کے گناہ کو اپنے غفران ورضوان سے مٹا کر اپنے فضل و کرم سے بخش دیا۔

اور مسلمانو! ذرا ارحم الراحمین کی ستاری و غفاری کا جلوہ تو دیکھو کہ آج تک اس ستون ابولبابہ کی یہ کرامت ہے کہ کتنا ہی بڑا مجرم اور گناہ گار کیوں نہ ہو۔ اگر اس ستون کے پاس دو رکعت نماز نفل پڑھ کر صدق دل سے توبہ کرے۔ تو خداوند کریم حضرت ابولبابہ کے طفیل میں انشاء اللہ تعالیٰ ضرور اس کے گناہ کو معاف فرمادے گا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس تاریخی ستون کو "ستون توبہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور میں نے خود بارہ دن تک مدینہ منورہ میں حاضر رہ کر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ہزاروں مسلمان ہر وقت اس ستون کے پاس نماز نفل پڑھ پڑھ کر توبہ واستغفار کرتے رہتے ہیں۔

برادران ملت! ایک حضرت ابولبابہ پر ہی منحصر نہیں بلکہ آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ گواہ ہیں کہ جس صحابی سے بھی کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ سرزد ہوا۔ تو وہ گھبرا کر دوڑتا ہوا بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور رحمت عالم کے دامن رحمت میں پناہ لے کر توبہ واستغفار کر لیا اور رحمت عالم نے اس کے لئے دعاء مغفرت فرمادی تو ارحم الراحمین نے اس کے گناہ کو بخش دیا۔ کوئی صحابی گناہ کر کے خدا کے گھر کعبہ مکرمہ میں توبہ کے لئے نہیں گیا۔ بلکہ ہر ایک رسول ہی کے در پر حاضر ہوا۔ کیونکہ ان تمام صحابہ کا یہی ایمان واعتقاد تھا کہ :

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

بہر کیف یہ ثابت ہو گیا کہ مغفرت کی پہلی شرط دربار رسول کی حاضری ہے۔

قبر انور کے حضور حاضری:۔ لیکن برادران ملت! یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس کا جواب بھی سن لیجئے۔ سوال یہ ہے کہ گناہ گاروں کے لئے دربار رسول کی حاضری اس وقت تک تو بآسانی میسر ہو سکتی تھی جب کہ رحمت عالم اپنی ظاہری حیات کے ساتھ دنیا میں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ حضرات صحابہ کرام گناہ کرتے ہی رحمت عالم کی خدمت میں حاضر ہو جایا کرتے تھے لیکن اب جب کہ سرکار مدینہ اپنی قبر انوار کے اندر جلوہ گر ہیں تو اب گناہ گاروں کے لئے بارگاہ نبوت میں حاضری کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اور اب گناہگار مغفرت کے لئے جَآءُوْكَ یعنی دربار رسول کی حاضری کی شرط کیسے پوری کر سکتا ہے؟

تو مسلمانو! اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر انور کے پاس حاضر ہو جانا بھی بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ دربار رسالت میں حاضر ہونا اس لئے جو شخص بھی قبر منور کے پاس حاضر ہو گیا۔ یقیناً اس نے "جَآءُوْكَ" کی شرط پر عمل کر لیا۔

چنانچہ علماء ملت اور اولیاء امت کی تواریخ شاہد ہیں کہ دور تابعین اور ان کے بعد کے بہت سے سلف صالحین نے روضہ انور کے پاس حاضر ہو کر یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم خدا کے فرمان "جَآءُوْكَ" پر عمل کرتے ہوئے آپ کے دربار میں حاضر ہوئے ہیں۔

قبر منور سے اعلان مغفرت:۔ غالباً آپ لوگوں نے یہ واقعہ سنا ہو گا جو بہت مشہور ہے کہ ایک اعرابی مسلمان جس کا سینہ توحید الٰہی کا خزینہ اور جس کا دل محبت رسول کا مدینہ تھا۔ یہ روضہ اقدس کے پاس جب حاضر ہوا تو پہلے انتہائی والہانہ عقیدت اور جوش محبت کے ساتھ روضہ انور کے اردگرد کی خاک پاک کو اپنے سر پر ڈالنے لگا۔ پھر انتہائی سوز و گداز میں رو رو کر عرض کرنے لگا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کچھ خدا کا پیغام لائے۔ ہم نے اس کو پڑھا اور اس پر ایمان لائے۔ یارسول اللہ ﷺ! آپ پر خداوند قدوس نے جو کتاب نازل فرمائی ہے اس میں یہ آیت بھی ہے: "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ" تو یارسول اللہ ﷺ میں نے گناہ کر کے بے شک اپنی جان پہ ظلم کیا ہے۔ لہٰذا میں اللہ کے فرمان "جَآءُوْكَ" پر عمل کرتے ہوئے آپ کے دربار میں اپنے گناہوں کی مغفرت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اس لئے یارسول اللہ ﷺ! آپ میرے رب سے میرے گناہوں کی بخشش کرا دیجئے۔ پھر اس کامل الایمان

اعرابی مسلمان نے انتہائی والہانہ انداز میں ان دو شعروں کو پڑھا کہ

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهُ
فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ

یعنی اے وہ مقدس ذات! کہ جب زمین میں آپ کا جسم اطہر دفن کیا گیا تو اس کی پاکیزگی سے زمین اور ٹیلے بھی طیب وطاہر ہوگئے۔

نَفْسِيْ الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهُ
فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

یارسول اللہ ﷺ! میری جان اس قبر پر قربان جس میں آپ سکونت فرمارہے ہیں۔ اس قبر میں پاک دامنی ہے، سخاوت ہے، کرم ہے۔

برادران ملت! منقول ہے کہ یہ اعرابی جب اپنی عرضی دربار نبوت میں پیش کر چکا تو قبر انور سے یہ ندا آئی کہ اے اعرابی تو بخش دیا گیا۔ (خزائن العرفان ص105 وغیرہ)

سبحان اللہ، سبحان اللہ، برادران اسلام! دیکھ لیجئے۔ یہ ہے قبر انور کا تصرف۔ جس طرح اپنی ظاہری حیات میں سرکار مدینہ اپنے دربار میں آنے والے گناہ گاروں کو مغفرت کی خوشخبری سنا دیا کرتے تھے۔ اپنی قبر منور کے پاس حاضر ہونے والے گناہ گار اعرابی کو بھی مغفرت کا مژدہ سنا دیا۔ یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ قبر رسول کے پاس حاضر یقیناً دربار رسول ہی کی حاضری ہے اور یہی میں عرض کر رہا تھا۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قبلہ بریلوی قدس سرہ العزیز بھی جب روضہ منورہ کی زیارت کے شرف سے سرفراز ہوئے تو اپنے اس طویل قصیدہ نعت میں جس کو دربار رسالت میں آپ نے بطور نذرانہ عقیدت کے پیش کیا تھا، ایک شعر میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ

مجرم بلائے آئے میں جَآءُ وْكَ ہے گواہ
پھر رد ہوں، کب یہ شان کریموں کے در کی ہے؟

وسیلہ کے ذریعے حاضری:۔ ہاں! اب ایک سوال اور رہ جاتا ہے کہ صحابہ جَآءُ وْكَ کی شرط پر اس طرح عمل کرتے تھے کہ صحبت رسول میں حاضر ہو کر حضور اقدس ﷺ کی شفاعت

طلب کرتے تھے اور حضور اقدس ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد دربار مصطفیٰ میں حاضری کی ایک یہ بھی صورت ہے کہ قبر انور کے حضور حاضری دی جائے۔

مگر سوال یہ ہے کہ وہ گناہ گار مسلمان جو مفلس و قلاش ہیں اور مدینہ منورہ سے ہزاروں میل دور ہیں اور وہ قبر انور تک رسائی کی کوئی سبیل ہی نہیں رکھتے تو پھر بھلا وہ لوگ کیسے جَآءُوْكَ کی شرط پوری کرتے ہوئے دربار رسول میں حاضری دے سکیں گے؟ اور ان غریبوں کی مغفرت کی شرط اول کس طرح پوری ہو سکتی ہے؟

تو برادران ملت! اس سوال کا جواب بھی سن لیجئے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دربار رسول میں حاضری کی ان دو صورتوں کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ تیسری صورت اس قدر آسان ہے کہ جو ہمیشہ، ہر دم، ہر جگہ، ہر مسلمان کے لئے میسر ہے۔ خواہ وہ بوریا نشین فقیر ہو یا تخت نشین بادشاہ۔ مغرب کا باشندہ ہو یا مشرق کا رہنے والا۔ سمندروں میں کشتیوں پر سوار ہو یا ہوا کے دوش پر فضاؤں میں سفر کر رہا ہو۔ کوئی بھی ہو۔ کہیں بھی ہو۔ کسی حال میں بھی ہو۔ وہ دم زدن میں اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا دربار رسول میں حاضری دے سکتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ گناہ گار توبہ کرتے وقت حضور اکرم ﷺ کو وسیلہ بنا لے اور یہ عرض کر دے کہ الٰہ العالمین میں تیرے محبوب کو تیرے دربار میں اپنا وسیلہ بنا کر اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔ بس جہاں مسلمان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وسیلہ پکڑا تو گویا وہ دربار رسول میں حاضر ہو گیا اور جَآءُوْكَ کی شرط پوری ہو گئی اور مسلمانو! اس طرح دربار رسول میں حاضری کا طریقہ۔ وہی طریقہ ہے جس کو حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی توبہ کے وقت اختیار فرمایا تھا کہ آپ نے نام پاک مصطفیٰ ﷺ کا وسیلہ پکڑا تھا۔ چنانچہ آپ نے بار بار سنا ہو گا کہ۔

اگر نام محمد را نیاورد شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ، نہ نوح از غرق نجّینا

یعنی اگر حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام حضور اکرم ﷺ کے نام پاک کا وسیلہ نہ پکڑتے۔ تو نہ آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوتی۔ نہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کی موجوں سے پار ہوتی۔

حضرات! یہ فقط شعر و شاعری کا شاعرانہ تخیل نہ سمجھئے بلکہ میں نے جو کچھ عرض کیا وہ بہت سی حدیثوں کا عطر ہے۔ چنانچہ اس بارے میں ایک حدیث بھی سن لیجئے جس کو امام بیہقی جیسے جلیل القدر محدث نے اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں ذکر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے دربار خداوندی میں یوں عرض کیا کہ یارب اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ۔ یعنی اے میرے پروردگار حضرت محمد ﷺ کے طفیل میں تو مجھے معاف فرمادے .... تو اللہ عزوجل نے فرمایا کہ اے آدم تم نے حضرت محمد ﷺ کو کیوں کر پہنچانا؟ حالانکہ ابھی تو میں نے ان کو پیدا بھی نہیں فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ الٰہ العالمین میں نے انہیں اس طرح پہنچانا کہ جب تو نے مجھے پیدا فرمایا اور مجھ میں اپنی طرف سے روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر جو دیکھا تو عرش پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ تو میں نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس کے نام کو عرش مجید پر جلوہ گر فرمایا ہے۔ وہ یقیناً تمام مخلوق سے زیادہ تجھ کو پیارا ہوگا۔ اس وقت حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! تم نے بالکل سچ کہا بے شک وہ تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ مجھے محبوب ہے اور میرا پیارا ہے۔ اس لئے میں نے تمہاری خطا کو بخش دیا ہے اور اگر حضرت محمد ﷺ نہ ہوتے تو اے آدم! نہ میں تم کو پیدا کرتا نہ سارے عالم کو! (روح البیان ص230 احزاب)

بہر کیف برادران ملت! مجھے امید ہے کہ آپ نے اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا ہو گا کہ گناہوں کی مغفرت کے لئے سب سے پہلی شرط جَآءُوْكَ یعنی دربار رسول کی حاضری ہے اور اس حاضری کی تین صورتیں ہیں۔ اول صحبت رسول میں حاضری۔ دوم قبر انور کے حضور حاضری۔ سوم پیارے مصطفیٰ ﷺ کا وسیلہ پکڑ کر حاضری۔

اور ہم گناہ گاروں کے لئے جو مدینہ طیبہ سے دور ہیں اور قبر انور کے حضور حاضری سے مجبور ہیں۔ یہی تیسری صورت ہر دم اور ہر وقت قابل عمل ہے کہ جب بھی ہم سے کوئی گناہ ہو تو ہم نام پاک رسول اللہ ﷺ کو دربار الٰہی میں وسیلہ بنا کر اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ بڑی امید ہے کہ ارحم الراحمین ضرور ہمارے گناہوں کو بخش دے گا۔

کیوں؟ اس لئے کہ ہم مدینہ سے دور ہیں لیکن مدینے والا ہم سے دور نہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

اگرچہ مدینہ ہے کافی مسافت نہیں دور لیکن یہ بعد مکانی
خلوص و محبت کو قاصد بنا لو وہیں سے سنیں گے وہ ساری کہانی

توبہ و استغفار:۔ برادران ملت! اب مغفرت کی دوسری شرط بھی سن لیجئے اور ایک مرتبہ باآواز بلند درود شریف پڑھ لیجئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ.

برادران اسلام! مغفرت کی دوسری شرط کے بارے میں خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ یعنی دربار رسول میں حاضر ہو کر مجرم اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کرے۔ یعنی صدق دل سے اپنے جرموں کا خدا کے دربار میں اقرار اور اس پر ندامت کا اظہار کرے اور جناب باری میں گریہ وزاری کے ساتھ اپنی مغفرت کی دعاء اور بخشش کی خواستگاری کرے۔ جب مجرم نے توبہ و استغفار کر لیا تو پھر مغفرت کی دوسری شرط بھی پوری ہو گئی اور سمجھ لو کہ رحمت الٰہی کی نظر عنایت اس طرح متوجہ ہو گئی۔

مسلمان بھائیو! سبحان اللہ! سبحان اللہ توبہ و استغفار کا کیا کہنا۔ سچ کہا ہے کسی اہل معرفت نے۔

توبہ کے آنسوؤں نے جہنم بجھا دیا
توبہ بڑی سپر ہے گنہگار کے لئے

حضرات! عام طور سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ توبہ کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مگر میرے بزرگو اور بھائیو! خداوند رحیم و رحمٰن کا قرآن میں تو یہ اعلان ہے کہ "فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ" یعنی پروردگار عالم توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو صرف مٹاتا اور معاف ہی نہیں کرتا بلکہ ان کے گناہوں کو مٹا کر ان کے بدلے میں نیکیاں عطا فرما دیتا ہے۔ یعنی اگر ایک لاکھ گناہ کر کے صدق دل سے تائب ہو جائے تو پروردگار عالم کے حکم سے فرشتے اس بندے کے نامہ اعمال میں سے ایک لاکھ گناہوں کو مٹا کر ان کی جگہ ایک لاکھ نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔ مولانائے روم نے اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ۔

سیئات را مبدل کرد حق
تا ہمہ طاعت شود آں ماسبق!

یعنی خدا نے تیرے گناہوں کو توبہ کے بعد نیکیوں سے بدل دیا تاکہ تیرے پہلے کے سارے گناہ بھی نیکی بن جائیں۔

قطب المدار کا مناظرہ:۔ عزیزو اور دوستو! گناہ مٹا دینے کا ذکر آ گیا۔ تو مجھے اس موقع پر حضرت خواجہ بدیع الدین قطب المدار صاحب علیہ الرحمۃ کی ایک حکایت یاد آ گئی۔ میں نے اس حکایت کو کسی کتاب میں تو نہیں پڑھا لیکن بعض بزرگوں سے سنا ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت قطب المدار صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ دوہا پڑھا کرتے تھے۔

نیائے ناہیں کیہن کیہن ٹھکرائی
بن کینی لکھدے ہن برائی

جب آپ جونپور تشریف لے گئے تو وہاں کے دنیا دار مولویوں کو آپ کی مقبولیت و شہرت پر حسد ہونے لگا۔ چنانچہ چند مولوی آپ سے سوال و جواب اور مناظرہ کرنے کے لئے آ گئے ان مولویوں کا مقصد یہ تھا کہ حضرت قطب المدار پر شرعی اعتراض کر کے ان کو حکومت وقت کی نظر میں معتوب کر دیا جائے اور پھر ان کو ذلت کے ساتھ شہر بدر کر دیا جائے۔ حضرت قطب المدار ایک صاحب حال درویش تھے۔ کسی سے بحث و تکرار کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ نے ٹالنا چاہا اور بار بار فرمایا کہ ہمیں مناظرہ سے معاف رکھو۔ ہمارا تو یہ حال ہے۔

فرصت کہاں کہ چھیڑ کریں آسماں سے ہم
لپٹے ہوئے ہیں لذت دردنہاں سے ہم

مگر جب مولویوں نے آپ کو گھیر ہی لیا اور خواہ مخواہ الجھنے ہی لگے تو پھر آپ کو بھی درویشانہ جلال آ ہی گیا۔ اور آپ نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ پھر آ جایئے اور مناظرہ کر لیجئے۔ میں بھی تیار ہوں۔

کدھر سے برق چمکتی ہے؟ دیکھیں اے واعظ
میں اپنا جام اٹھاتا ہوں، تو کتاب اٹھا

مولویوں نے بڑے طنطنہ کے ساتھ کہا کہ جناب! آپ پر ہمارے تین شرعی اعتراض ہیں۔ آپ ان کا جواب دیجئے۔ سب سے پہلے تو یہ سوال ہے کہ آپ کا کپڑا کبھی میلا نہیں ہوتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ ہم لوگوں کو شبہ ہے کہ آپ کوئی جادوگر تو نہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ

آپ جمعہ کی نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ آپ جو ہندی کا دوہا گاتے رہتے اور کہتے ہیں کہ

نیائے ناہیں کیہن کیہن ٹھکرائی!
بن کینی لکھدے ہن برائی!

اس میں تو خدا کی ذات پر اعتراض لازم آتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے انصاف نہیں کیا اور ٹھکرائی کر کے من مانا فیصلہ کر دیا اور جو گناہ ہم نے نہیں کیا تھا وہ ہمارے نامہ اعمال میں لکھ دیا گیا۔

مولویوں نے ڈانٹ ڈپٹ کر بڑی گرج دار آوازوں میں کہا کہ آپ ان تینوں سوالوں کا جواب دیجئے۔ ورنہ قاضی شرع کی عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہونے کے لئے تیار ہو جائیے۔

حضرت قطب المدار صاحب مولویوں کی یہ لچھے دار تقریریں سن کر مسکرانے لگے اور فرمایا کہ بس یہی آپ لوگوں کے وہ سنگین الزامات اور شرعی اعتراضات ہیں جن کے بل بوتے پر آپ لوگوں نے اس قدر لام بندی کر کے میرے اوپر چڑھائی کر دی ہے؟ سبحان اللہ!

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

اچھا اب آپ لوگ میرا جواب سن لیجئے۔ آپ لوگوں کا پہلا سوال یہ ہے کہ میرے کپڑے میرے بدن پر کبھی میلے نہیں ہوتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بگلا ایک پرندہ ہے جو دن رات پانی، مٹی اور کیچڑ میں مچھلیاں اور کیڑے مکوڑے پکڑتا اور کھاتا رہتا ہے اور اس کے بدن پر آندھیوں میں گرد و غبار بھی پڑتا رہتا ہے مگر تمام عمر اس کے پر سفید ہی رہتے ہیں اور کبھی میلے نہیں ہوتے۔ تو کیا بگلے پر بھی آپ لوگوں کو ساحر و جادوگر ہونے کا شبہ لاحق ہوگا؟

ارے نادان مولویو! جب خداوند قادر و قیوم نے ایک پرندے کو یہ کمال عطا فرمایا ہے کہ عمر بھر اس کا لباس میلا نہیں ہوتا۔ تو اگر وہ مالک و مولیٰ ایک حقیقی مسلمان کو جس کا دل اس کے انوار و تجلی کا گنجینہ اور جس کا دل محبت رسول کا مدینہ ہو، یہ کرامت عطا فرما دے کہ عمر بھر اس کا لباس میلا نہ ہو اور اس کے باطن کی طرح اس کا ظاہر بھی ہمیشہ ہمیشہ صاف و شفاف ہی رہے تو اس میں تعجب یا شبہے کی کون سی بات ہے؟ تم اللہ والوں کی شان کیا سمجھتے ہو؟ ارے یہ وہ لوگ ہیں جو

ارباب صفا اور، محبوبان خدا کہلاتے ہیں اور انہی پاکبازوں کے بارے میں کہنے والوں نے یہ کہا ہے کہ ۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

بس تم لوگ سمجھ لو کہ یہ میرے مالک و مولیٰ کا مجھ پر ایک خاص فضل عظیم ہے کہ جس طرح میرا باطن کبھی گندا اور میلا نہیں ہوتا۔ اسی طرح میرا ظاہر، میرا بدن اور میرا لباس کبھی گندہ اور میلا نہیں ہوتا۔ نادان مولویو! کاش تمہیں یہ خبر ہوتی کہ ۔

خدا کے پاک بندوں کی تو یہ تاثیر ہوتی ہے
کہ ان کی ٹھوکروں کی خاک بھی اکسیر ہوتی ہے

کتاب کے کیڑو! میں تمہارے بارے میں اس کے سوا اور کیا دعا کروں کہ ۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ نے تم خشک ملاؤں کو بار بار جھنجھوڑا اور ہوشیار کیا کہ ۔

صدر کتاب و صد ورق در نار کن!
روئے دل راجانب دل دار کن!

یعنی اپنی ان منطق و فلسفہ کی کتابوں اور قال اقول اوراق کو آگ میں ڈال دو اور اپنے دل کے چہرے کو دل دار حقیقی اور معبود حقیقی کی طرف متوجہ کرو۔

لیکن افسوس! کہ تم کتابی ملاؤں نے کبھی اس طرف دھیان نہیں دیا اور بحث و تکرار کی دل دل سے کبھی باہر نہ نکل سکے! خیر!

اب رہا آپ لوگوں کا دوسرا سوال کہ میں جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز پڑھتا ہوں۔ آپ لوگ عالم اور مفتی ہیں۔ للہ آپ لوگ مجھے فتویٰ دیجئے کہ کیا مسافر پر جمعہ فرض ہے؟ یہ سن کر مولویوں نے کہا کہ جی نہیں! مسافر پر تو جمعہ فرض نہیں ہے۔ حضرت قطب المدار نے فرمایا کہ پھر آپ لوگ بتادیجئے کہ میں جب کسی مقام پر پندرہ روز ٹھہرتا ہی نہیں تو میں ہمیشہ مسافر ہی

رہتا ہوں یا نہیں؟ مولویوں نے تسلیم کر لیا کہ بے شک آپ ہمیشہ مسافر ہی رہتے ہیں۔ اس لئے آپ پر جمعہ فرض ہی نہیں ہوتا۔

پھر حضرت قطب المدار صاحب نے فرمایا کہ اچھا اب آپ لوگ اپنے تیسرے سوال کا جواب بھی سن لیجئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ لوگوں کو میرے اس دوہے کے سمجھنے میں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ میرا عقیدہ اور ایمان ہے کہ بیشک پروردگار عالم عادل ہے اور جو بد نصیب خدا کے عادل ہونے میں شک کرے۔ وہ میرے نزدیک کافر و مرتد اور واجب القتل ہے لیکن میں جو اپنے دوہے میں کہتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن خداوند کریم بندوں کی نیکی اور بدی کے معاملے میں اپنی شان عدل و انصاف کا اظہار نہیں فرمائے گا بلکہ اپنے رحم و کرم کی شان کا جلوہ دکھائے گا اور اپنے اختیار اعلیٰ و اقتدار بالا سے بندوں کا فیصلہ فرما کر بندوں کو بخش دے گا اور بندوں کے کئے ہوئے گناہوں کو بے کیا ہوا قرار دے کر ان کو مٹا دے گا اور معاف فرما دے گا۔ اب تم لوگ بتاؤ کہ اس میں میری کون سی غلطی ہے؟ کیا اعتراض ہے؟

ارے مولویو! تمہیں خدا کی قسم! ذرا بتاؤ تو سہی؟ کہ اگر خداوند تعالیٰ قیامت میں اس طرح انصاف فرمائے کہ اپنی نعمتوں کو ایک طرف رکھ دے اور بندوں کی نیکیوں کو ایک طرف رکھ کر ہر نعمت کے بدلے ایک نیکی طلب کرے اور اور جس کی نیکیاں اس کی نعمتوں سے کم ہوں۔ اسکو نہ بخشے تو پھر مجھے بتاؤ تو سہی کہ کون سا ایسا بندہ ہے جس کی نیکیاں لا محدود و لا تعداد ہوں گی کہ وہ انصاف کے معیار پر بخشا جائے گا؟ اس لئے میں یہ کہتا ہوں کہ خداوند عادل قیامت میں اس طرح کا انصاف نہیں فرمائے گا بلکہ اپنے اقتدار مطلق، اور شان کبریائی کا اظہار فرما کر اپنے اختیار اعلیٰ سے بندوں کو بخش دے گا۔

مسلمانو! یہی وہ مضمون ہے جس کو بعض بزرگوں نے یوں بھی کہا ہے کہ: "عدل کرے تو لٹیا، فضل کرے تو چھٹیا" یعنی خداوند کریم اگر قیامت میں اس طرح کا عدل فرمائے تو سب لٹ جائیں گے اور اگر اپنا فضل فرمائے تو سب چھوٹ جائیں گے۔ بہر حال یہ اپنا ایمان ہے کہ خداوند عادل جو کچھ بھی فیصلہ فرمائے گا وہ حقیقت میں اس کا عدل ہی عدل ہے۔ اس نے تو خود ہی قرآن میں فرما دیا ہے کہ:

فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؕ

یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جس کو چاہے گا بخشے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت والا ہے۔

برادران ملت! حضرت قطب المدار کی یہ تقریر سن کر مولویوں کے ہوش اڑ گئے اور سب دم بخود ہو کر لاجواب ہو گئے اور سب کے سب انتہائی نادم و شرمندہ ہو کر لجاجت کے ساتھ معذرت کرنے لگے کہ واقعی ہم لوگوں کو غلط فہمی ہو گئی۔ لہٰذا ہم لوگ اپنی غلطی کا اقرار کرتے ہوئے آپ سے معافی کے طلب گار ہیں۔ بلاشبہ آپ اللہ کے ولی ہیں اور ہم سب اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ ۔

رسائی اہل دل کی ہے جہاں تک
خرد والے نہ پہنچیں گے وہاں تک

بہر کیف برادران ملت! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مغفرت کی دوسری شرط توبہ و استغفار ہے اور خداوند کریم ایسا ارحم الراحمین ہے کہ وہ توبہ کرنے والے بندوں کے تمام گناہوں کو مٹا کر ان کے بدلے اتنی ہی نیکی عطا فرما دیتا ہے۔

مسلمانو! خداوند کریم کو اپنے بندوں کی توبہ کتنی پسند ہے؟ اللہ اکبر۔ اس کے بارے میں ایک حدیث سن لیجئے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْلَمْ تُذْنِبُوا لَذَهَبَ بِكُمْ وَلَجَآءَ بِقَوْمٍ یُذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ فَیَغْفِرَلَهُمْ (مشکوٰۃ باب الاستغفار)

یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو تم لوگوں کو دنیا سے اٹھا لیتا اور تمہاری جگہ ایسی قوم کو وجود میں لاتا جو گناہ کر کے فوراً ہی توبہ کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو بخشتا۔ کیوں نہ ہو کہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ

یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاکی حاصل کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

شفاعتِ رسول:۔ حضرات گرامی! اب میں مغفرت کی تیسری شرط بھی بیان کر کے بہت جلد آپ سے رخصت ہو جاؤں گا۔ تیسری شرط کیا ہے؟ سنئے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَاسْتَغْفَرَلَهُمُ الرَّسُوْلُ یعنی رسول بھی ان کی شفاعت اور ان کے لئے دعاء مغفرت فرما دیں تو

پھر مغفرت کی تینوں شرطیں پوری ہو جائیں گی اور اس کے بعد رب العزت جل جلالہ کا وعدہ ہے کہ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا یعنی یہ لوگ یقیناً اللہ کو بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا پائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان تینوں شرطوں کے پائے جانے کے بعد ارحم الراحمین اپنے گناہگار بندوں کی مغفرت بھی فرمادے گا اور ان کو اپنی رحمت کے شامیانے میں اپنی نوازشوں اور مہربانیوں سے بھی نواز دے گا۔

برادران ملت! اس آیت کریمہ نے ہمیں جھنجھوڑ کر بتا دیا کہ اے مسلمان! خبردار! تو اس نکتے سے غافل مت رہنا کہ بندہ لاکھ روئے، گڑگڑائے اور توبہ و استغفار کرے مگر خدا کی قسم جب تک خدا کے پیارے رسول ﷺ اس کی مغفرت پر راضی ہو کر اس کی شفاعت اور اس کے لئے دعاء مغفرت نہیں فرمائیں گے۔ خداوند قدوس ہرگز ہرگز کبھی بھی کسی مجرم کے گناہ کو معاف نہیں فرمائے گا۔ دنیا میں بھی کسی مجرم کی خطا کو اسی وقت رحمت الٰہی معاف کرنے پر راضی ہو گی۔ جب اس کی مغفرت سے پیارے مصطفیٰ ﷺ راضی ہو کر اس کی شفاعت فرمادیں گے اور آخرت میں بھی بغیر رحمت عالم کی شفاعت کے کوئی نہیں بخشا جائے گا۔

مسلمانو! دنیا کا کون مسلمان اس کو نہیں جانتا کہ میدان محشر میں نیکوکار ہوں، یا بدکار، سبھی یارسول اللہ ﷺ! یارسول اللہ ﷺ! کا نعرہ لگاتے ہوئے رحمت عالم سے شفاعت کی بھیک مانگتے نظر آئیں گے اور یہ صدا لگاتے پھریں گے کہ۔

خدائے قہار ہے غضب پر، کھلے ہیں بدکاریوں کے دفتر
بچا لو آ کر شفیع محشر! کہ سارا عالم عذاب میں ہے

لیکن مسلمانو! تم یقین و اطمینان رکھو کہ جو صاحب ایمان ہو گا۔ اس کے لئے تو خدا کی قسم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت اور دعاء مغفرت بالکل یقینی ہے کیونکہ خداوند قدوس جل مجدہ نے اپنے حبیب ﷺ کو بار بار یہ حکم عطا فرمایا ہے کہ وَاسْتَغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ یعنی اے محبوب آپ تمام مؤمنین و مؤمنات کے لئے دعاء مغفرت فرماتے رہیں۔ چنانچہ حضور رحمت عالم ﷺ اپنی مکی اور مدنی زندگی میں تمام عمر مؤمنین و مؤمنات کے لئے دعاء مغفرت فرماتے رہے اور آج بھی اپنی قبر انور میں کریمانہ عنایتوں اور رحمتوں سے اپنے غلاموں کو دعاء مغفرت کے ساتھ نوازتے ہی رہتے ہیں اور قیامت تک نوازتے ہی رہیں گے۔ چنانچہ حضور انور

ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

"حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ وَمَمَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ تُعْرِضُ عَلَیَّ اَعْمَالُکُمْ فِی الصَّبَاحِ وَالْمَسَاءِ فَاِنْ وَجَدْتُّ خَیْراً حَمِدْتُّ اللّٰہَ وَاِنْ وَّجَدْتُّ سُوْءً اِسْتَغْفَرْتُ لَکُمْ" (صاوی ج2 ص167)

یعنی اے مومنو! میری حیات اور میری وفات دونوں تمہارے لئے بہتر ہیں۔ تمہارے اعمال صبح و شام میری قبر انور میں میرے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اگر میں تمہارے اعمال کو اچھا پاؤں گا۔ تو میں خدا کی حمد کروں گا اور اگر تمہارے اعمال کو برا پاؤں گا۔ تو تمہارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا۔

برادران ملت! اس حدیث کو حضرت علامہ صاوی علیہ الرحمہ نقل کر کے فرماتے ہیں کہ "فَدُعَاءُ الرَّسُوْلِ حَاصِلٌ فِیْ حَیَاتِہٖ وَمَوْتِہٖ" یعنی حضور کی دعاء حیات و وفات دونوں حالتوں میں امت کے لئے حاصل ہے "وَلَا عِبْرَۃَ بِمَنْ اَضَلَّ وَزَاغَ عَنِ الْحَقِّ وَخَالَفَ فِیْ ذَالِکَ" اور ان لوگوں کے قول کا بالکل کوئی اعتبار نہیں جو گمراہ اور حق سے بھٹکے ہوئے ہیں اور اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ (صاوی ج2 ص167)

حضرات گرامی! حضرت علامہ صاوی اس عبارت میں ان نجدیوں اور وہابیوں کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں جو توبہ، نعوذ باللہ یہ خبیث عقیدہ رکھتے ہیں کہ معاذ اللہ! حضور مر کر مٹی میں مل گئے اور ان سے ہم کو اب کوئی فائدہ نہیں لیکن الحمد للہ! کہ ہم سنیوں کا تو یہ عقیدہ ہے جس کو ہم ڈنکے کی چوٹ پر علی الاعلان بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت فخر گجراتی نے عقیدۂ اہل سنت کی اشاعت کرتے ہوئے اپنے ایک قطعہ میں کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ

سنتا ہے؟ اے وہابی گستاخ و بے ادب
ایندھن بنا ہے کس لئے نار جحیم کا
منکر بنا ہوا ہے حیات النبی کا کیوں؟
لیتا ہے کیوں وبال گناہ عظیم کا
باطل کو چھوڑ چشم حقیقت سے کر نظر
زندہ ہے بال بال رسول کریم کا

اس لئے اے برادران ملت! یقین رکھئے کہ ہم بحمد اللہ تعالیٰ اہل ایمان ہیں اس لئے ہمارے لئے دونوں جہان میں رحمت عالم کی شفاعت اور دعاء مغفرت ہمارے سروں پر سایہ فگن ہے اور ہماری بخشش کا سب سے بڑا سہارا ہے۔ سبحان اللہ! اعلیٰ حضرت بریلوی قبلہ قدس سرہ العزیز نے کتنے والہانہ انداز میں اس مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ۔

مجرم بلائے آئے ہیں جآءُ وْكَ ہے گواہ — پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

بد ہیں مگر انہیں کے ہیں باغی نہیں ہیں ہم — "نجدی" نہ آئے اس کو یہ منزل خطر کی ہے

ذکر خدا جو ان سے جدا چا ہو "نجدیو" — واللہ ذکر حق نہیں، کنجی سقر کی ہے

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے — حاشاء غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

بزرگو اور بھائیو! گو مختصر اور بے ربط سہی۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں ایک حد تک اس آیت کریمہ کی توضیح و تفسیر عرض کر چکا اور میری اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند کریم نے بندوں کے گناہ معاف فرمانے کی تین شرطیں مقرر فرمائی ہیں۔ اول دربار رسول کی حاضری، دوم توبہ واستغفار، سوم رحمت عالم کی شفاعت، خداوند کریم توفیق بخشے کہ ہم گناہ گاران تینوں شرطوں کو پورا کر کے اپنے گناہوں کی بخشش اور اپنی مغفرت کا سامان کریں۔

وما علينا الا البلاغ المبين واخرد عوانا ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد واله وصحبه اجمعين

....

تیسرا وعظ

دربار نبوت کا ادب

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید ایں جا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذِی الْعِزَّةِ وَالْكِبْرِیَاءِ وَالْجَلَالِ ط وَالصَّلٰوةُ عَلَی النَّبِیِّ الْهَادِیْ مِنَ الضَّلَالِ ط وَعَلٰی اَصْحَابِهِ الْمُكَرَّمِیْنَ الْمُعَظَّمِیْنَ وَعَلَی الْاٰلِ ط صَلٰوةً نَّنْجُوْا بِهَا مِنْ جَمِیْعِ الْاٰفَاتِ وَالْاَهْوَالِ ط اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ كِتَابِهِ الْعَظِیْمِ ط

"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ"

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ"

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ط (حجرات: 2)

حضرات گرامی! خدا کے پیارے، دونوں عالم کے سہارے، ہمارے اور تمہارے تاجدار حضور احمد مختار ﷺ کے ذکر جمیل کا دربار ہے۔ اس لئے پہلے ان کی مقدس سرکار میں درود و سلام کے گوہر آبدار نثار کرلیجئے۔ پھر مجھ گناہ گار کی زبان سے ان کی مدح و ثنا کے کچھ کلمات پر انوار سنئے۔

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ"

نعت شریف

خوشا وہ باغ مہکتی ہو جس میں بو تیری
خوشا وہ دشت کہ ہو جس میں جستجو تیری

رہین صحن گلستان نہیں دل افزائی
شمیم لطف دل افزا ہے، کوبکو تیری

ہوائے دشتِ ختن نافہ زارِ عالم ہے
کبھی کھلی تھی ادھر زلفِ مشکبو تیری

فرشتہ اجل آئے پری کے قالب میں
بوقتِ مرگ جو صورت ہو روبرو تیری

خیال لطف سے حسرت ہے باغ رضواں میں
سنا ہے جب سے کہ لطف و کرم ہے خو تیری

برادران ملت! سورۂ حجرات کی اس آیت کریمہ کو خلاق عالم نے میرے آقا و مولیٰ حضور سرور کائنات ﷺ کے دربار نبوت کا ادب واحترام سکھانے کے لئے نازل فرمایا ہے اور حضرت حق جل مجدہٗ نے اس آیت میں اہل ایمان کو متنبہ فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اگر تم لوگ اپنے اعمال صالحہ کی خیر چاہتے ہو۔ تو تمہارے لئے لازم وضروری ہے کہ تم اپنی زندگی کی ہر سانس میں، ہر دم اور ہر قدم پر یہ دھیان رکھو کہ ایک بال کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی کبھی تم سے دربار نبوت کی بے ادبی یا ادب میں کمی نہ ہونے پائے۔ ورنہ یاد رکھو کہ قہر الٰہی کی بجلیاں تمہارے خرمن ایمان و عمل کو چلا کر راکھ کا ڈھیر کر ڈالیں گی اور تمہاری عمر بھر کی نیکیوں اور اعمال صالحہ کی قیمتی پونجی دم زدن میں غارت واکارت ہو جائے گی اور تم قہر و غضب جبار میں گرفتار ہو کر عذاب نار کے سزاوار ہو جاؤ گے کیونکہ رحمت عالم کو ایذاء دینے والے اور قلب نازک کو صدمہ دینے والے کا دونوں جہان میں ٹھکانہ نہیں ہے۔ مسلمانو! یاد رکھو! کہ دربار رسول کے گستاخ و بے ادب کو خداوند ذوالجلال کی قہاری و جباری کبھی معاف نہیں فرماتی اور خداوند قہار و جبار ایسے نانہجار کو یقیناً عذاب دارین میں گرفتار فرمادیتا ہے اور اس پر ایسی خالق کی مار اور خلق کی پھٹکار پڑتی ہے کہ وہ دونوں جہان میں ذلیل و خوار ہو کر ہلاک و برباد ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید گواہ ہے کہ جس طرح تمام انبیاء سابقین کی بے ادبی کرنے والوں کو قہر الٰہی کی بجلیوں نے سوخت کر کے ان کے وجود کی تمام نشانیوں کو نیست و نابود اور ان کی بستیوں کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ اسی طرح حضور خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ عظمت میں بے ادبی و گستاخی کرنے والوں کو ضرور ضرور قہر خداوندی اپنی رحمتوں سے دور اور اپنی لعنتوں کے جہنم میں ملعون و مقہور کر دے گا۔ مسلمانو! کیا تم نے رحمت عالم کا دل دکھانے والوں کے خلاف خداوند قہار و جبار کے غضب و جلال کا قاہرانہ تیور نہیں دیکھا۔ سن لو! خداوند جلال و جبروت اور مالک ملک و ملکوت کا یہ لرزہ خیز وزلزلہ انگیز فرمان ہے کہ "اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّلَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا "(احزاب:57)

یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و

آخرت میں ملعون کر دیا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

مسلمانو! اس آیت نے اعلان عام کر دیا۔ کہ بارگاہ رسول کے بے ادبوں کو خدا کا قہر و جلال دنیا و آخرت میں ملعون کر دے گا اور دونوں جہان میں خداوند قدوس کی رحمتوں سے دور اور قہر خداوندی کے عذابوں سے مردود و مقہور ہو کر شقاوت و بد نصیبی کی ایسی کالی بھنور میں ان کا سفینہ نجات غرقاب ہو جائے گا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو نہیں بچا سکے گی اور اس کا کہیں کوئی ٹھکانہ نہیں ہو گا۔

مسلمانو! یاد رکھو کہ جس سے پیارے مصطفیٰ کی مصطفائی روٹھ گئی خدا کی قسم اس سے خدا کی خدائی روٹھ گئی اور جس سے خدا کی خدائی روٹھ گئی اس کو دونوں جہان میں کہاں پناہ مل سکتی ہے؟

مسلمانو! گوش ہوش کے ساتھ سن لو کہ مصطفےٰ پیارے کے نگاہ کرم در حقیقت فضل رحمانی کا دریائے رحمت ہے اور مصطفےٰ پیارے کے غضب کا تیور غضب ربانی کی وہ خوفناک بھڑکتی ہوئی آگ ہے جس سے آتش جہنم بھی پناہ مانگتی ہے۔ اللہ اکبر۔ بخدا بالکل سچ فرمایا ہمارے دادا مرشد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہ۔

نہیں وہ میٹھی نگاہ والا، خدا کی رحمت ہے جلوہ فرما
غضب سے ان کے خدا بچائے جلال باری عتاب میں ہے

الغرض برادران اسلام! دربار رسول کی ادنیٰ سی گستاخی و بے ادبی تو بڑی بات ہے۔ یہ تو وہ نازک دربار ہے کہ یہاں ذرا سی ادب کی کمی بھی مسلمان کی دولت ایمان و عمل کو دونوں جہان میں برباد کر دیتی ہے۔

ادب گا ہے ست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید ایں جا

یعنی آسمان کے نیچے ایک ایسا بھی مقام ہے جو عرش سے بھی زیادہ نازک ہے۔ ہم اور تم کس شمار و قطار میں ہیں؟ حضرت جنید بغدادی اور حضرت بایزید بسطامی جیسے آسمان ولایت کے آفتاب و ماہتاب بھی جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو زور سے بولنا تو کجا سانس بھی روک لیتے ہیں کہ یہاں زور سے سانس لینا بھی سوء ادب ہے۔ حضرت آسی علیہ الرحمہ نے بھی دربار نبوت کا یہ ادب بتایا ہے کہ۔

اے پائے نظر! ہوش میں آ، کوئے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا یہاں بے ادبی ہے

اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز نے بھی اسی مضمون کو اپنے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے کہ ؎

حرم کی زمین اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

بہر کیف! دربار نبوت کا ادب ایمان کی جان اور اس دربار میں ادنیٰ سی ادب کی کمی آفت ایمان ہے۔ چنانچہ یہی وہ مضمون ہے جس کو سورۂ حجرات کی اس آیت کریمہ میں حضرت حق جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (آیت : 2)

یعنی اے ایمان والو تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو اور تم ان کے حضور میں اس طرح بلند آواز سے گفتگو نہ کرو۔ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے بہ آواز بلند بات چیت کرتے ہو۔ ورنہ تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمہیں اس کی خبر بھی نہیں ہو گی۔

اللہ اللہ! کیا ادب ہے دربار رسول کا؟ اور کیسا با عظمت و باوقار دربار ہے احمد مختار ﷺ کا؟ کہ صحابہ کرام جیسے پیکر ایمان و عمل مسلمان جن کے اعمال صالحہ سے بڑھ کر قیامت تک کسی مسلمان کے اعمال نہیں ہو سکتے ان کے لئے یہ خداوندی فرمان ہے کہ اے صحابہ! تم اگرچہ تمام امت میں سب سے افضل و اعلیٰ ہو۔ تمہارے لئے قرآن میں "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ" کی بشارت ہے۔ تمہیں "كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" کی سند مل چکی ہے اور جنت تمہارے قدموں کی مشتاق ہے مگر اس کے باوجود ہر دم ہر قدم پر تم ہوشیار و خبردار رہنا کہ اگر تم سے دربار نبوت میں اتنی بھی ادب کی کمی ہو گئی کہ تم ایک مرتبہ رسول کے سامنے بلند آواز سے کوئی ایک بات بول دو گے اگرچہ وہ اچھی ہی بات کیوں نہ ہو مگر صرف آواز بلند کر دینے کی وجہ سے تم

اس قدر قہر قہار و غضب جبار کے سزاوار ہو جاؤ گے کہ تمہاری عمر بھر کی نیکیاں غارت واکارت اور تمام زندگی کے اعمال صالحہ رائیگاں اور برباد ہو جائیں گے اور تمہیں اس کی خبر بھی نہ ہو گی۔

شان نزول:۔ حضرات گرامی! اس میں شک نہیں کہ یوں تو اس آیت کے مخاطب قیامت تک آنے والے سبھی مسلمان ہیں مگر سب سے پہلے جو لوگ اس خطاب الٰہی سے سرفراز ہوئے وہ صحابہ کرام ہی کا مقدس گروہ ہے۔ چنانچہ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس صحابی کے بارے میں نازل ہوئی۔ جن کو ثقل سماعت کا عارضہ تھا اور وہ کچھ اونچا سنتے تھے اور اونچا سننے والوں کے بارے میں یہ تجربہ ہے کہ وہ اپنے ہی جیسا سب کو سمجھتے ہیں اس لئے عموماً یہ لوگ بلند آواز سے گفتگو کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنی عادت کے مطابق حضور اکرم ﷺ سے بھی جب کچھ عرض کرتے تو نہایت بلند آواز سے چلا چلا کر بات کرتے تھے۔ رحمت عالم نے تو ان پر کبھی اظہار ناراضگی نہیں فرمایا۔ مگر خلاق دو عالم حضرت حق جل جلالہ نے ان پر اظہار غضب فرماتے ہوئے مومنین کو دربار نبوت کا ادب سکھانے کے لئے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔

حضرات! جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس اس عتاب خداوندی کو سن کر لرزہ براندام ہو گئے اور خوف و خشیت ربانی سے ان کا ہوش اڑ گیا۔ چنانچہ یہ ایک جگہ راستے میں بیٹھ کر انتہائی رنج و ملال میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اتفاقاً حضرت عاصم بن عدی صحابی کا وہاں گزر ہوا۔ تو انہوں نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ ثابت بن قیس! کیا بات ہے؟ کہ تم اس قدر رنج و ملال سے نڈھال ہو کر زار و قطار رو رہے ہو؟ حضرت ثابت نے روتے ہوئے جواب دیا کہ اے عاصم کیا تمہیں نہیں معلوم؟ کہ "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ" کی آیت نازل ہوئی ہے۔ اس آیت کے بارے میں میرا گمان یہی ہے کہ یقیناً یہ آیت میرے ہی بارے میں اتری ہے۔ کیونکہ دربار نبوت میں مجھ سے زیادہ بلند آواز سے گفتگو کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس لئے میں یہ سوچ سوچ کر رو رہا ہوں کہ میری تمام اعمال صالحہ کی دولت برباد ہو گئی اور میں جہنمی ہو گیا۔ یہ سن کر حضرت عاصم تو دربار نبوت میں حاضری دینے کے لئے چلے گئے اور حضرت ثابت بن قیس اپنی بیوی جمیلہ کے پاس آئے اور کہا کہ اے میری رفیقہ حیات! مجھ پر ایک بہت بڑی مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے کہ میرے بارے میں عتاب الٰہی کی

آیت نازل ہو گئی ہے لہٰذا تم مجھے ایک کوٹھڑی میں بند کر دو تاکہ میں تنہائی میں خوب رورو کر توبہ واستغفار کروں۔ شاید رحمتہ للعالمین کو میرے اس حال پر رحم آجائے تو مجھے امید ہے کہ ارحم الراحمین بھی مجھے بخش دے گا۔ چنانچہ آپ ایک بند کوٹھڑی میں انتہائی بے قراری کے ساتھ گریہ وزاری میں مشغول ہو گئے ادھر حضرت عاصم بن عدی نے رحمت عالم کے دربار میں پہنچ کر ثابت بن قیس کا حال زار عرض کر دیا۔ اللہ اکبر! رحمت عالم کا دل رحمت کا سمندر تھا۔ جب اپنے ایک مخلص وجاں نثار صحابی ثابت بن قیس کی گریہ وزاری کا حال سنا۔ تو قلب انور میں رحم وکرم کا دریا جوش مارنے لگا اور آپ نے حکم دیا کہ تم فوراً ثابت بن قیس کو بلا کر لاؤ۔ چنانچہ حضرت عاصم جلدی جلدی چل کر حضرت ثابت بن قیس کے مکان پر پہنچے تو کیا دیکھا کہ وہ ایک کوٹھڑی میں بند ہو کر رو رہے ہیں اور ان کا سارا گھر ماتم کدہ بنا ہوا ہے۔ آپ نے پکارا کہ اے ثابت بن قیس! جلدی چلو! رحمت عالم نے تمہیں یاد فرمایا ہے۔ یہ سن کر حضرت ثابت بن قیس انتہائی بے تابانہ انداز میں کوٹھڑی سے نکلے اور روتے ہوئے بارگاہِ مصطفٰے میں حاضر ہو گئے۔ اور عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! مجھ سے زیادہ حضور کے دربار میں بلند آواز سے گفتگو کرنے والا کوئی نہیں ہے اس لئے میرا گمان ہے کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یارسول اللہ! اس تصور سے میرے دل ودماغ کے گوشے گوشے میں رنج وغم کا ایک ایسا آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا ہے کہ میرے بدن کا ایک ایک بال خدا کے غضب سے کانپ رہا ہے۔ ثابت بن قیس کا یہ حال زار دیکھ کر رحمت عالم کو ان پر پیار آ گیا۔ چنانچہ آپ نے ان کو تسلی دی کہ تم اطمینان رکھو۔ تمہارا عمل غارت نہیں ہوا۔ پھر رحمت عالم نے ارشاد فرمایا کہ "اَمَا تَرْضیٰ اَنْ تَعِیْشَ حَمِیْداً وَّتُقْتَلَ شَهِیْداً وَّتَدْخُلَ الْجَنَّةَ"۔

تین بشارتیں:۔ یعنی اے ثابت بن قیس! میں تم کو تین بشارتیں دیتا ہوں ایک تو یہ کہ تمہارے زندگی نہایت قابل تعریف گزرے گی۔ دوسری یہ کہ تم کو شہادت نصیب ہو گی۔ تیسری یہ کہ تم جنتی ہو۔ حضرتؓ ثابت بن قیس حضور اکرم ﷺ کی یہ شاہانہ بشارتیں سن کر فرط مسرت سے وجد میں آ گئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اب آج سے میں یہ عہد کرتا ہوں کہ کبھی زندگی بھر آپ کے دربار میں باآواز بلند کوئی بات نہیں کروں گا۔ اس وقت فوراً یہ آیت نازل ہو گئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۔

(آیت3 الحجرات)

یعنی بے شک جو لوگ رسول اللہ کے حضور اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں اللہ نے ان کے دلوں کو پرہیز گاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔ ان کے لئے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔

(صاوی ج2 ص108)

برادران ملت! غور فرمایئے کہ حضرت ثابت بن قیس ایک جلیل القدر صحابی ہیں مگر ان سے صرف اتنی چوک ہوئی کہ وہ دربار نبوت میں زور سے بول پڑے تو عتاب خداوندی نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور جب تک پیارے مصطفٰے ﷺ کو ان پر پیار نہیں آیا رحمت خداوندی نے بھی ان پر رحم نہیں فرمایا اور جیسے ہی رحمت عالم نے ان سے خوش ہو کر انہیں اپنی کریمانہ بشارتوں سے نواز دیا رحمت الٰہی نے بھی انہیں اپنے رضوان و غفران کے شامیانہ کرامت میں پناہ دے کر اجر عظیم کی دولتوں سے مالا مال کر دیا۔

مسلمانو! سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ حضرت ثابت بن قیس کی خوش نصیبی پر ہزاروں نعمتیں قربان۔ دربار رسول سے انہیں کتنی بڑی بڑی تین بشارتیں مل گئیں۔ اللہ اکبر۔ قابل تعریف زندگی۔ پھر شہادت۔ پھر جنت۔ مسلمانو! بتاؤ؟ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی نعمت ہو گی۔ جو کسی مسلمان کو مل سکتی ہے؟ اللہ اکبر! محبوب خدا کے کرم سلطانی نے اپنے در کے ایک گداگر کو خوش نصیبی کا بادشاہ بلکہ شہنشاہ بنا دیا سچ ہے کہ

جس سے تم روٹھو وہ برگشتہ دنیا ہو جائے
جس کو تم چاہو وہ قطرہ ہو تو دریا ہو جائے

مختار دو عالم:۔ مسلمانو! اس حدیث سے دو باتیں اس قدر واضح طور پر ثابت ہوتی ہیں کہ جس طرح سورج کی روشنی کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ان دونوں باتوں کا انکار بھی ناممکن ہے۔ ایک رسول کا باذن اللہ مختار دو عالم ہونا۔ دوسرے رسول کا غیب داں ہونا۔ خداوند عالم نے آپ کو مختار دو عالم بنا کر یہ اختیار و اقتدار عطا فرمایا ہے کہ جس کو چاہیں اچھی زندگی، نعمت شہادت اور باغ جنت عطا فرما دیں۔

مسلمانو! کہاں ہیں وہ بد نصیب وہابی جو سرکار مدینہ کو معاذ اللہ! یوں کہا کرتے ہیں کہ:

"جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔"

(تقویۃ الایمان)

مسلمانو! ان ظالموں سے پوچھو کہ جو کسی چیز کا مختار نہیں ہو گا، وہ کسی کو جنت کس طرح بخش دے گا؟

بہر کیف! برادران ملت! ان گمراہوں سے مجھے اور تمہیں کیا مطلب! مجھے تو آپ صاحبان ایمان مسلمانوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ اس حدیث پر ایمان رکھتے ہوئے یہی عقیدہ رکھو کہ ؎

دربار رسول سے اے راز کیا نہیں ملتا

کوئی پلٹ کے نہ خالی گیا مدینے سے

اور اعلیٰ حضرت قبلہ بریلوی قدس سرہٗ العزیز کی طرح علی الاعلان سارے جہان کو یہ کلمہ حق سناتے رہو اور رسول اللہ کی عظمت کا ڈنکا بجاتے رہو کہ

"لا ورب العرش" جس کو جو ملا ان سے ملا

بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

اور محبت رسول کے کیف و مستی میں جھوم جھوم کر یہ صدا لگاتے رہو کہ ؎

ہم گدائے در محمد ہیں!

ہم کو سب کچھ یہیں سے ملتا ہے

علم غیب رسول:۔ حضرات دوسری بات اس حدیث سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلا شبہ یقیناً پروردگار عالم کی عطا سے عالم غیب حاصل تھا۔ ورنہ مسلمانو! تمہیں بتاؤ؟ کہ کس کی زندگی کیسی گزرے گی اور کس کی موت کیسی ہو گی؟ اور کون کون جنتی ہے؟ ان چیزوں کا علم اگر علم غیب نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ دیکھ لو کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس کی پوری زندگی کا حال بتادیا کہ وہ بہترین گزرے گی۔ پھر ان کی موت کے متعلق بھی یہ اعلان فرمادیا کہ وہ شہادت سے سرفراز ہوں گے۔ پھر یہ بھی بتادیا کہ وہ جنتی ہیں۔

چنانچہ عزیزان ملت! تاریخ کی روشنی میں سرکار دو جہاں ﷺ کی یہ تینوں بشارتیں خدا کی قسم حرف بحرف پوری ہوئیں۔ اور کیوں نہ ہو کہ پیارے مصطفےٰ ﷺ کا فرمان نہ ٹل سکتا ہے نہ

بدل سکتا ہے۔ اللہ اکبر! یہ محبوب خدا کی زبان کا فرمان ہے۔ کون زبان؟

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

سبحان اللہ! مسلمانو! میرے پیارے رسول ﷺ کے اختیار و اقتدار اور ان کے خداداد تصرفات کا کیا کہنا؟

جو شب کو کہہ دیا دن ہے، تو دن نکل آیا
جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی
خدا نے ان کو زباں کو وہ اقتدار دیا
جو بات نکلی زباں سے وہ بات ہو کے رہی

چنانچہ قیامت تک کے لئے میرے آقا حضور اکرم ﷺ نے جتنی غیب کی خبریں دی ہیں۔ ان میں سے ہزاروں، لاکھوں عالم ظہور میں آچکی ہیں اور جو باقی ہیں وہ بھی خدا کی قسم! ضرور ضرور ظاہر ہو کر رہیں گی۔ کیوں کہ

ہزار فلسفیوں کی چناں چنیں بدلی
نبی کی بات بدلنی نہ تھی نہیں بدلی

حضرت ثابت بن قیس کی زندگی:۔ اچھا اب یہ بھی سن لیجئے کہ یہ تینوں بشارتیں کس طرح ظاہر ہوئیں:

حضرت ثابت بن قیس کی قابل تعریف زندگی تو ایسی شاندار ہوئی کہ آخری دم تک ایمان کامل اور اعمال صالحہ کی دولت سے مالا مال رہے اور تندرستی و سلامتی اور امن و امان کی نعمتوں سے سرفراز رہے اور ان کے اعزاز و اکرام کا تو یہ عالم رہا کہ مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ جب حضرت ثابت بن قیس کو دیکھتے تو یہی کہا کرتے تھے کہ یہ ایک جنتی مسلمان ہے جو زمین پر چل پھر رہا ہے۔ اللہ اکبر۔ صحابہ جس کو جنتی کے لقب سے یاد کریں۔ اس کے اعزاز و اکرام کا کیا کہنا؟ اور اس کی حیات طیبہ، اور قابل تعریف زندگی کی نرالی شان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ مسلمانو! یہ ہے پہلی بشارت رسول کا جلوہ!

حضرت ثابت بن قیس کی شہادت:۔ اب آپ کی شہادت کا واقعہ بھی سن لیجئے:۔

جنگ یمامہ کے دن جب حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مقدس فوج کے مجاہدین اسلام "مسیلمۃ الکذاب" سے جہاد فرما رہے تھے تو حضرت ثابت بن قیس بھی اس نبوت کا دعویٰ کرنے والے کذاب خبیث سے لڑنے کے لئے مجاہدین اسلام کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ مسیلمۃ الکذاب کا شیطانی لشکر تعداد میں زیادہ تھا۔ جب اس خبیث کے شدید حملوں کے دباؤ سے اسلامی فوج کے نوجوان کچھ پیچھے ہٹنے لگے تو حضرت ثابت بن قیس اپنے اسلامی جوش اور ایمانی جذبات سے بے خود ہو گئے اور اپنی بلند آواز سے اسلامی لشکر کے مجاہدین کو للکارا کہ اے مسلم نوجوانو! ہم لوگ جب رسول خدا ﷺ کے جھنڈے کے نیچے کفار سے جہاد کرتے تھے۔ تو ہمارا کوئی قدم بھی کبھی پیچھے نہیں ہٹتا تھا۔ مگر مجھے تم مسلمان نوجوانوں پر حیرت اور افسوس ہے کہ تم لوگ جہاد میں اس طرح پسپا ہو رہے ہو؟ آخر تمہاری غیرت ایمان کے گرم گرم خون کی حرارت کہاں چلی گئی؟ یہ فرمایا اور خود سب سے آگے بڑھ کر دشمنان اسلام پر انتہائی جانبازی کے ساتھ حملہ کرنے لگے۔ چنانچہ اس بوڑھے جاں باز مجاہد کی پکار اور مجاہدانہ للکار سے اسلامی لشکر کے نوجوانوں میں جان پڑ گئی اور ایک دم اسلامی لشکر فاتحانہ انداز میں آگے بڑھنے لگا اور دم زدن میں مسیلمۃ الکذاب کے شیطانی گروہ کو کچل کر تہس نہس کر دیا اور اسی مجاہدانہ حملے میں کفار سے لڑتے ہوئے آپ نے جام شہادت نوش فرمایا اور رسول اکرم ﷺ کی یہ بشارت "وَتُقْتَلُ شَهِيدًا" پوری ہو گئی۔

ثابت بن قیس کی کرامت:۔ برادران ملت! بات آگئی ہے تو ایک بات اور بھی سن لیجئے:
روایت ہے کہ شہادت کے بعد حضرت ثابت بن قیس کی ایک ایسی بے مثال کرامت ظاہر ہوئی۔ جو بڑے بڑے منکروں کے لئے بھی ہدایت کا ایک چمکتا ہوا آفتاب ہے۔ شہادت کے بعد ایک صحابی سے خواب میں آپ نے یہ فرمایا کہ اے مجاہد اسلام تم امیر لشکر حضرت خالد بن ولید سے میرا پیغام کہہ دو کہ میں جس وقت شہید ہوا تو میرے بدن پر ایک لوہے کی زرہ تھی۔ جس کو ایک سپاہی نے میرے بدن سے اتار لیا ہے۔ اور اپنا گھوڑا باندھنے کی جگہ اس کو رکھ کر اس پر ایک ہانڈی اوندھی کر کے اس کو چھپا رکھا ہے۔ لہٰذا امیر لشکر اس زرہ کو برآمد کر کے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیں اور تم مدینہ منورہ پہنچ کر خلیفہ رسول حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق سے بھی میرا یہ پیغام عرض کر دینا کہ مجھ پر جو قرض ہے وہ ادا کر دیں اور میرا فلاں غلام

آزاد ہے۔ چنانچہ ان صحابی نے امیر لشکر حضرت خالد بن ولید کو اپنا خواب سنایا تو آپ نے فوراً تلاشی لی اور واقعی ٹھیک اسی جگہ سے زرہ برآمد ہوئی جس جگہ کا خواب میں آپ نے نشان بتایا تھا اور جب امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ خواب سنایا گیا تو آپ نے حضرت ثابت بن قیس کی وصیت کو نافذ کرتے ہوئے ان کے غلام کو آزاد قرار دیا اور ان کا سارا قرض ادا کر دیا۔

مسلمانو! مشہور صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حضرت ثابت بن قیس کی وہ خصوصیت ہے۔ جو کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی کیونکہ کوئی شخص بھی ایسا میرے علم میں نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اس کی وصیت کو نافذ کیا گیا ہو۔ (صاوی ج2 ص108)

برادران ملت! بہر کیف اب میں پھر آپ کی توجہ آیت کریمہ کی شان نزول کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ آپ غور فرمائیں کہ حضرت ثابت بن قیس ایک جلیل القدر صحابی نے دربار نبوت میں آواز بلند کر دی۔ تو ان پر عتاب خداوندی اتر پڑا اور قرآن کی یہ آیت نازل ہو گئی جس سے قیامت تک کے لئے ہر مسلمان پر حرام کر دیا گیا کہ وہ دربار رسالت میں آواز بلند کرے۔

چنانچہ مسلمانو! دربار رسالت کا یہ ادب سرکار مدینہ کی ظاہری حیات ہی تک محدود نہیں بلکہ آج بھی قیامت تک کے لئے یہی حکم ہے کہ مسجد نبوی کے اندر قبر انور کے پاس آواز بلند کرنا قطعاً ممنوع اور سخت حرام ہے۔ چنانچہ روضہ اطہر کی دیواروں پر جابجا آج بھی یہ آیت کریمہ تحریر کی ہوئی ہے تاکہ کوئی شخص اس مقام پر بلند آواز سے نہ بولے۔

امام مالک اور ہارون رشید:۔ چنانچہ مجھے اس وقت خلیفہ بغداد ہارون رشید کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ جو بڑا ہی عبرت آموز اور رقت انگیز ہے۔

ہارون رشید جب مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ تو امام مالک کو اپنے ساتھ لے کر روضہ انور کے حضور حاضر ہوا مگر اپنی بادشاہی کے گھمنڈ میں اپنی عادت کے مطابق مواجہہ اقدس میں بلند آواز سے گفتگو کرنے لگا۔ حضرت امام مالک اس کی اس حرکت سے انتہائی غضب ناک ہو گئے۔ اور بادشاہ کو ڈانٹ کر فرمایا کہ! امیر المؤمنین! یہ دربار رسول ہے یہاں بہت ہی آہستہ اور مؤدبانہ انداز میں گفتگو کیجئے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رب العزت جل جلالہ نے اپنے محبوب ﷺ کے دربار کا ادب سکھاتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی ہے۔

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ."(آیت2الحجرات)

یعنی اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو اور ان کے حضور بلند آواز سے گفتگو نہ کرو۔ جس طرح کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ بات چیت کرتے ہو ورنہ یہ خطرہ ہے کہ خداوند ذوالجلال تمہارے اعمال کو غارت واکارت فرمادے گا اور تمہیں خبر بھی نہیں ہوگی۔

مسلمانو! ہارون رشید بادشاہ حضرت امام مالک کا یہ حقانی کلام سن کر سہم گیا اور آپ کی عالمانہ جلالت سے لرزہ براندام ہو گیا اور تھوڑی دیر کے لئے بالکل خاموش ہو گیا۔ پھر نہایت ادب کے ساتھ انتہائی پست آواز سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ اے امام مالک! میں دربار مصطفٰے میں اپنا سلام عرض کر چکا۔ اب مجھ کو اپنے پروردگار سے دعا مانگنی ہے۔ تو آپ مجھے یہ بتائیے کہ میں کعبہ مکرمہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں؟ یا اپنا چہرہ حضور اقدس ہی کی طرف کئے ہوئے خدا سے دعا مانگوں؟

حضرات! ہارون رشید بادشاہ کو اس سوال کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ دربار رسول میں سلام عرض کرنے کا مقام ایسی جگہ پر ہے کہ اگر حضور اقدس ﷺ کی طرف رخ کیا جائے تو کعبہ مکرمہ کو پیٹھ ہو جاتی ہے۔ جب ہارون رشید نے یہ مسئلہ پوچھا تو حضرت امام مالک نے برجستہ جواب دیا کہ "كَيْفَ تُوَلِّيْ عَنْهُ وَهُوَ وَسِيْلَتُكَ وَوَسِيْلَةُ اَبِيْكَ اٰدَمَ" یعنی اے امیر المؤمنین بوقت دعا آپ کس طرح حضور انور ﷺ سے اپنا چہرہ پھیریں گے۔ جب کہ حضور صرف آپ ہی کا نہیں بلکہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔ اس لئے آپ حضور انور ﷺ ہی کی طرف اپنا منہ کر کے خدا سے دعا مانگئے اور ان کو خداوند ذوالجلال کی بارگاہ کبریائی میں اپنا شفیع بنائیے تو امید ہے کہ پروردگار عالم آپ کی دعاؤں کو قبول فرمالے گا۔

اے امیر المؤمنین! کیا آپ کو خداوند ذوالجلال کا یہ فرمان یاد نہیں؟

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۔ (نساء : 64)

یعنی اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں۔ تو (اے محبوب) وہ آپ کے حضور حاضر ہو جائیں پھر خدا سے توبہ واستغفار کریں اور رسول بھی ان کے لئے دعا مغفرت فرمادے تو یہ لوگ اللہ کو بہت زیادہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا پائیں گے۔

چنانچہ حضرت امام مالک کی ہدایت کے مطابق ہارون رشید بادشاہ روضہ انور کی طرف رخ کرکے دیر تک خدا سے دعائیں مانگتا رہا اور حضرت امام مالک اس کے پہلو میں کھڑے رہے۔

(وفاء الوفاء ج4، ص1376)

برادران اسلام! سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! حضرت امام مالک کے حسن ادب، اور ان کے ایمان وعرفان کے قدموں پر ہماری جان قربان۔ انہوں نے قیامت تک کے لئے یہ مسئلہ حل کردیا کہ روضہ انور کے سامنے پشت کرکے ہرگز کبھی دعا نہیں مانگنی چاہیے۔ بلکہ اس مقام پر خدا سے دعا مانگتے وقت بھی چہرہ کارخ رحمت عالم ہی کے روبرو رہنا چاہیے۔

چنانچہ حضرات گرامی! یہ میرا چشم دید مشاہدہ ہے کہ 1959ء میں جب رحمت عالم ﷺ نے مجھ گناہ گار کو اپنے رحمت والے دربار میں باریاب فرمایا تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مصری، یمنی، شامی، الجزائری، افغانی، ترکی بلکہ تمام دنیا کے اہل اسلام علماء اور عوام سب روضہ اقدس ہی کی طرف منہ کرکے سلام پڑھنے کے بعد دعائیں مانگا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتے رہتے تھے اور نجدیوں کی خباثت اور بے ادبی کا تو میں نے یہ شرمناک منظر دیکھا کہ وہ روضہ اطہر سے اپنی پشت لگائے کھڑے رہتے تھے توبہ توبہ۔ نعوذ باللہ منہ۔

اللہ اکبر! اہل ایمان تو اس مقام ادب پر پہنچ کر یہ اعلان کرتے ہیں کہ

اے پائے نظر ہوش میں آ کوئے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے

اور بارگاہ نبوت کے گستاخ و بے ادب نجدی کا یہ حال ہے کہ وہ روضہ اقدس سے اپنی پشت رگڑتا ہے۔ ہم ان ظالموں کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ کہ ان بارگاہ نبوت کے بے ادبوں کا خرمن ایمان قہر کی بجلیوں سے سوخت ہوکر بھسم ہوچکا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں سے کچھ کہنا بھی بالکل بے کار ہے۔

بہر حال میں دربار نبوت کا ذکر کررہا تھا کہ اس مقدس جناب میں ذرا سی ادب کی کمی کا

شائبہ بھی خداوند قدوس کو گوارا نہیں ہے۔ ماو شما تو کس شمار و قطار میں ہیں؟ صحابہ کرام کو بھی اگر ان کی کسی حرکت سے رحمت عالم کے قلب مبارک کو ذرا سی بھی ٹھیس لگ گئی۔ تو عتاب خداوندی نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور وہ جب تک رحمت عالم کو خوش کر کے اپنے جرم سے تائب نہیں ہوئے، رحمت خداوندی نے ان پر رحم نہیں فرمایا۔

آیت حجاب:۔ حضرات! مجھے اس وقت حضرت ام المؤمنین بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح کا واقعہ یاد آ گیا۔ جب سرکار مدینہ ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا تو دعوت ولیمہ فرمائی۔ سب صحابہ تو کھانا کھا کر چلے گئے۔ مگر ایک جماعت بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ رحمت عالم بار بار کبھی مکان سے باہر جاتے، کبھی مکان کے اندر تشریف لاتے۔ اخلاق نبوت کی وجہ سے آپ یہ فرما نہیں سکتے تھے کہ تم لوگ چلے جاؤ اور یہ حضرات باتوں میں اس قدر مشغول تھے کہ انہیں اس کا احساس نہیں ہوا کہ ہمارا اتنی دیر تک بیٹھنا سرکار مدینہ پر گراں گزر رہا ہے۔ صحابہ کی اس نادانستہ حرکت سے قلب مبارک کو کچھ ایذاء پہنچی تو ان لوگوں پر عتاب فرمانے کے لئے حضرت حق جل مجدہٗ نے سورۂ احزاب کی یہ آیتیں نازل فرمادیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ (الاحزاب : 53)

یعنی اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں اس وقت تک قدم نہ رکھو جب تک اذن نہ پاؤ۔ مثلاً کھانے کے لئے بلائے جاؤ۔ ایسا نہ کرو کہ اس کے پکنے کا انتظار کرتے رہو۔ "وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا" لیکن جب تم بلائے جاؤ تو حاضر ہو جاؤ "فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ" اور جب تم کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ۔ نہ یہ کہ بیٹھے باتوں ہمیں دل بہلاتے رہو۔ "اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ" بے شک اس میں نبی کو ایذاء ہوتی تھی اور وہ تم لوگوں سے حیا فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ حق بات کے فرمادینے میں نہیں شرماتا۔ "وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ" اور جب تم لوگ نبی کی بیویوں سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو۔ "ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ" اس میں تمہارے اور ان کے دلوں کی زیادہ ستھرائی ہے۔ "وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ

عَظِیماً ؁ "اور تم لوگوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ تم رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔ بے شک یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی سخت بات ہے۔ (احزاب : 53)

برادران اسلام! دیکھ لیجئے کہ کس طرح خداوند قدوس نے قاہرانہ عتاب کے ساتھ ڈانٹ دیا کہ خبردار تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تمہارے کسی فعل سے نبی کو ایذاء پہنچے۔ اور صاف صاف فرمادیا کہ وہ تمہارے تمام وہ افعال جن سے نبی کو ایذاء پہنچے خدا کے نزدیک بہت ہی بڑے گناہ کے کام ہیں۔ لہٰذا خبردار، خبردار تم سے کبھی کوئی ایسی حرکت نہ صادر ہو جائے جس سے نبی کے قلب نازک پر کوئی صدمہ گزرے۔ ورنہ تم سخت گناہ گار ہو کہ قہر قہار و غضب جبار میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

بنی تمیم کے اعراب:۔ اسی طرح قبیلہ بنو تمیم کے کچھ لوگ دربار نبوت میں حاضر ہوئے۔ اتفاق سے اس وقت سرور کائنات ﷺ ازواج مطہرات کے کسی حجرہ میں قیلولہ فرمارہے تھے۔ یہ دیہاتی لوگ جو آداب نبوت سے قطعاً ناآشنا تھے۔ ایک دم مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر پکارنے لگے کہ:

"اُخْرُجْ اِلَیْنا فَاِنَّ مَدْحَنا زَیْنٌ وَّ ذَمَّنَا شَیْنٌ"

یعنی یارسول اللہ ﷺ! آپ گھر میں سے نکل کر ہم لوگوں کے پاس تشریف لائیے۔ کیونکہ ہم وہ لوگ ہیں کہ جس کی مدح کر دیں وہ مزین ہو جاتا ہے اور ہم لوگ جس کی مذمت کر دیں وہ عیب سے داغ دار ہو جاتا ہے۔

ان اعرابیوں کی یہ حرکت اور انداز گفتگو رحمت عالم کے قلب نازک پر گراں گزرا تو فوراً ہی سورۂ حجرات کی یہ آیت نازل ہو گئی:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۔ وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْراً لَّھُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ؁" (آیت 4 تا 5)

یعنی اے محبوب! بے شک وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں اور اگر یہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ

ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

برادران ملت! اللہ! قرآن کی ان چمکتی ہوئی آیتوں کے نور سے ہدایت حاصل کیجئے کہ سرور کائنات کے دربار میں جب ادنیٰ سی ادب کی کمی مومن کے اعمال صالحہ کو غارت و برباد کر دیتی ہے۔ تو بھلا اس مقدس جناب میں گستاخیاں کرنے والے بدنصیب وہابیوں کا کیا حال ہوگا؟ جو اپنی زبان و قلم سے شان رسالت میں قسم قسم کی بے ادبیاں کرتے رہتے ہیں۔ توبہ نعوذ باللہ!

مسلمانو! خدا کی قسم! میں خدا کو گواہ کر کے علی الاعلان کہتا ہوں کہ بارگاہ رسول میں گستاخی و بے ادبی کرنے والا پانچ وقت تو کیا؟ اگر پچاس وقت کی بھی نماز پڑھے اور زندگی بھر صائم الدھر اور قائم اللیل رہے۔ مگر ہرگز ہرگز وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یقیناً وہ قہر قہار و غضب جبار کا سزاوار ہو کر مستحق عذاب نار ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی وہ ذلیل و خوار اور ہر جگہ خدا کی لعنتوں کی مار اور مخلوق کی پھٹکار میں گرفتار ہوگا۔

مسلمانو! کاش تم جانتے کہ بارگاہ رسالت کے گستاخوں کو خدا کی قہاری نے کیسی کیسی عبرت ناک سزا دی ہے؟ واللہ میں ان سزاؤں کا تصور کرتا ہوں تو میرے جسم کا ایک ایک رونگٹا خوف سے لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔

قبر نے ٹھکرا دیا:۔ حضرات! مجھے اس وقت بارگاہ نبوت کے ایک گستاخ کا واقعہ یاد آ گیا۔ جس کو امام بخاری نے باب علامات النبوۃ میں نقل فرمایا ہے کہ ایک نصرانی مشرف بہ اسلام ہوا اور سورہ بقرہ وسورۂ آل عمران کا حافظ بھی ہو گیا اور بارگاہ نبوت میں اس قدر مقرب ہو گیا کہ وحی بھی لکھنے لگا۔ مگر ناگہاں اس کے سر پر بدنصیبی کا ایسا بھوت سوار ہو گیا کہ وہ رحمت عالم کی بے ادبی کرنے لگا کہ محمد کو تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا میں لکھ کر دیتا ہوں۔ غرض یہ مردود مرتد ہو کر بارگاہ نبوت سے بھاگ نکلا۔ لیکن جب یہ مرا تو اس پر یہ قہر خداوندی نازل ہوا کہ نصرانیوں نے جب اس کو دفن کیا تو قبر نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔ نصرانیوں نے جب اس کی لاش کو قبر کے باہر دیکھا تو انہیں یہ شبہ ہوا کہ شاید صحابہ نے اس کی لاش کو قبر سے نکال دیا ہوگا۔ چنانچہ نصرانیوں نے دوبارہ نہایت گہری قبر کھود کر اس کو دفن کیا۔ مگر پھر بھی اس کی لاش خود بخود نکل کر زمین کے اوپر آ گئی۔ اس وقت نصرانیوں کو بھی یقین ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں ہے۔ بلکہ یقیناً یہ خدا کا قہر و غضب ہی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے پھر دوبارہ اس کو دفن کرنا گوارا نہیں

کیااور اس کی لاش کو پھینک دیا۔ (بخاری ج1 ص511)

منہ ٹیڑھا ہو گیا:۔ برادران ملت! ایک اور واقعہ بھی سن لیجئے:۔

مکہ مکرمہ میں ایک بہت بڑا دشمن رسول تھا۔ جس کا نام تھا "ابوالعاص" یہ مردود اپنا منہ ٹیڑھا کر کے حضور اکرم ﷺ کو منہ چڑایا کرتا تھا۔ ایک دن سرور کائنات کے قلب مبارک پر انتہائی صدمہ گزر گیا۔ آپ نے جلال نبوت میں اس کی یہ حرکت دیکھ کر فرمادیا "کُنْ کَذَالِكَ" یعنی تو ایسا ہی ہو جا۔ اللہ اکبر۔ محبوب خدا کی زبان تو کن کی کنجی تھی۔ زبان مبارک سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ ابوالعاص کا منہ ہمیشہ کے لئے ٹیڑھا ہو گیا۔ جو ہر وقت ہلتا رہتا تھا۔

(خصائص کبریٰ ج2 ص79)

مسلمانو! یہ وہی واقعہ ہے جس کو مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ نے اپنی مثنوی شریف میں انتہائی پر کشش اور عبرت خیز انداز میں بیان فرمایا ہے کہ ؂

آں دہن کژ کرد و از تسخر بخواند

نام احمد راد ہانش کژ بماند

یعنی وہ شخص چڑانے کے لئے حضور کے نام احمد کو منہ ٹیڑھا کر کے ادا کرتا تھا تو اس کا منہ ہمیشہ کے لئے ٹیڑھا ہی ہو گیا۔

باز آمد کائے محمد عفو کن

اے ترا الطاف علم من لدن

جب خبیث کا منہ ٹیڑھا ہو گیا تو آکر گڑگڑاتے ہوئے عرض کرنے لگا کہ اے محمد ﷺ آپ معاف کر دیجئے۔ آپ کے پاس تو علم لدنی کے اُلطاف کریمانہ ہیں۔

من ترا افسوس مے کردم زجہل

من بدم افسوس را منسوب و اہل

میں اپنی جہالت سے آپ کو قابل افسوس بتاتا تھا۔ حالانکہ میں خود بہت برا اور افسوس کے لائق ہوں۔

بہر کیف زبان نبوت کا تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ لاکھ رویا، گڑگڑایا مگر ابوالعاص کافر کا منہ ٹیڑھا ہی رہ گیا۔

مسلمان بھائیو! اس روایت کو نقل کر کے مولانا روم نے ایک ایسا نصیحت آموز شعر لکھا جو یقیناً ہزاروں تاریخی واقعات کا نچوڑ۔ بلکہ عطر ہے اور آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ سنئے! ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکان زند

یعنی خداوند تعالیٰ جب کسی بدنصیب کے عیوب کا پردہ فاش کرنے والا ہوتا ہے تو اس کی نشانی یہی ہے کہ وہ شخص اللہ کے پاک بندوں کی شان میں طعنہ زنی اور بدگوئی کرنے لگتا ہے۔

حضرات! مولانائے روم علیہ الرحمہ کا مطلب یہ ہے کہ تم جس شخص کو یہ دیکھو کہ وہ خدا کے مقدس بندوں، انبیاء، اولیاء اور صدیقین و شہداء یا علماء و فقہاء کی شان میں گستاخی و بے ادبی اور طعنہ زنی اور بدگوئی کرتا ہے تو پھر سمجھ لو کہ قہر خداوندی عذاب کا بادل بن کر اس کے سر پر منڈلا رہا ہے اور یقین کر لو کہ یہ شخص طرح طرح کے عیوب اور بداعمالیوں میں مبتلا ہو کر دونوں جہان میں خائب و خاسر اور ذلیل و رسوا ہونے والا ہی ہے۔

چنانچہ تاریخی تجربہ ہے کہ خدا کے پاک بندوں کی بے ادبی اور ان پر طعنہ زنی کرنے والا ضرور ضرور خدا کے قہر و غضب کا شکار ہوا ہے اور پھر وہ عمر بھر روتا گڑگڑاتا رہا مگر خدا کی رحمت نے اس سے اس طرح منہ پھیر لیا کہ پروردگار کے افضال و الطاف کی موسلادھار برسنے والی بدلیوں کے باران کرم سے اسے ایک قطرہ بھی نصیب نہیں ہوا۔

عبرت آموز لطیفہ:۔ میرے بزرگو اور بھائیو! اس موقع پر مجھے ایک قصہ یاد آگیا۔ کسی گاؤں میں ایک مغرب زدہ قسم کے مسٹر صاحب رہتے تھے۔ جن کا محبوب ترین مشغلہ یہی تھا کہ دن رات سیدھے سادے مولویوں سے الجھتے رہتے تھے اور علماء کرام کی بے ادبی کر کے ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ایک دن کسی مولانا سے یہ مسئلہ پوچھا کہ مکان کے اندر ایک برتن میں دہی رکھا ہوا تھا۔ ایک کتا اس مکان میں داخل ہوا۔ جب مالک مکان آیا تو کتا بھاگ نکلا اور مالک مکان نے دیکھا کے منہ ڈالنے کا کوئی نشان تھا نہ دہی کے اوپر بالائی پھٹی ہوئی تھی۔ تو ایسی صورت میں اس دہی کو کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

مولانا نے فتویٰ دیا کہ جب کتے کو برتن میں منہ ڈالتے نہیں دیکھا اور اس کا کوئی نشان بھی نہیں ملا تو فقہ کے قاعدے سے کہ "الیقین لا یزول بالشك" یعنی یقین شک سے زائل نہیں

ہوتا۔ وہی دہی یقیناً حلال ہے۔ لہٰذا بلا شبہ اس کو کھا سکتے ہیں۔

مسٹر نے تڑپ کر کہا کہ :۔

جناب! کتے کے منہ میں دہی لگا ہوا تھا۔ لہٰذا اس نے برتن میں سے ضرور دہی کھایا ہوگا۔

مولانا نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ کتا کسی اور جگہ سے دہی کھا کر یہاں آیا ہو۔ یہ سن کر مسٹر کی رگ شرارت پھڑک اٹھی اور نہایت ہی بے باکی کے ساتھ اس نے بحث شروع کر دی اور کہنے لگا کہ جناب غور تو کیجئے کہ کتے کی ذات، مکان خالی، برتن میں دہی رکھا ہوا، پھر اس کے منہ میں دہی لگا ہوا دیکھا گیا۔ یہ تمام باتیں زبردست قرائن اور دلائل ہیں کہ ضرور کتے نے برتن میں سے دہی کھایا ہوگا۔

مولانا نے ہر چند سمجھایا کہ عزیز من! فقہائے کرام نے یہ اصول بتایا ہے کہ جب تک کسی چیز کے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک اس چیز کو ناپاک نہیں کہا جا سکتا اور اس قسم کے محض بے بنیاد شبہات کی وجہ سے کسی چیز کے ناپاک ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا ورنہ پھر زندگی دوبھر ہو جائے گی کیونکہ اس قسم کے شبہات تو ہر جگہ پیدا ہوتے رہیں گے۔

مولانا کی یہ تقریر سن کر مسٹر ایک دم غصہ میں آگ بگولا ہو گیا اور علماء کرام کی شان میں ناشائستہ الفاظ بکتے بکتے فقہائے کرام پر بھی لعن طعن کرنے لگا۔ یہ رنگ دیکھ کر بے چارے مولانا صاحب خاموش ہو گئے اور آخر میں یہ فرمایا کہ مسٹر اب تم چلے جاؤ۔ اب میں کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا۔ لیکن یہ کہے دیتا ہوں کہ تم نے فقہائے کرام کی بے ادبی کی ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور تم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

چنانچہ مسلمانو! اس کا انجام کیا ہوا؟ یہ سننے کے قابل ہے۔ کسی بزرگ نے بالکل سچ فرمایا ہے کہ ؎

جو جذب کے عالم میں نکلے لب مومن سے
وہ بات حقیقت میں تقدیر الٰہی ہے

جیسے ہی مسٹر گھر پہنچے۔ ان کی میم صاحبہ نے کہا کہ مسٹر! تم مرغ ذبح کر کے گوشت تیار کر لو۔ میرا چندن ہار ذرا گندہ ہو گیا ہے۔ میں اس کو دھو کر کھانا پکاؤں گی۔

میم صاحبہ نے جیسے ہی چندن ہار گلے سے اتار کر زمین پر رکھا۔ ایک چیل اڑتی ہوئی جھپٹی

اور ہار لے کر اڑ گئی۔ بیگم چلانے لگیں۔ مسٹر دوڑو۔ دیکھو۔ وہ چیل میرا چندن ہار لئے اڑی چلی جا رہی ہے۔ مسٹر مرغ ذبح کر رہا تھا۔ گھبرا کر جو کھڑا ہو گیا تو اس کے کپڑوں پر خون کی چھینٹیں پڑ گئیں۔ مسٹر خون آلود چھری ہاتھ میں لئے چیل کے پیچھے پیچھے میلوں دور تک دوڑتا چلا گیا۔ چیل ایک جھاڑی کے اوپر ایک اونچے درخت پر جا کر بیٹھ گئی۔ مسٹر نے جب پتھر مارا تو چیل نے جھاڑی میں چندن ہار گرا دیا اور مسٹر نے خاردار جھاڑی میں بڑی مشکل سے گھس کر ہار اٹھا لیا لیکن جیسے ہی چند قدم چلا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک ذبح کی ہوئی عورت کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ گھبرا کر دوڑتا ہوا جب جھاڑی سے باہر نکلا تو پولیس کی پارٹی نظر آئی جیسے ہی پولیس نے مسٹر کو دیکھا۔ فوراً گرفتار کر لیا اور دو ہنٹر لگا کر کہا کہ کیوں بے؟ بدمعاش! تو جنٹلمین بنا پھرتا ہے! اور تیرا دھندا یہ ہے؟ کہ عورت کا گلا کاٹ کر اس کا چندن ہار لئے بھاگ رہا ہے؟

مسٹر چلایا کہ داروغہ جی! خدا کی قسم میں اس عورت کا قاتل نہیں ہوں۔ اور یہ ہار تو میری میم صاحبہ کا ہے۔

مسٹر ابھی اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ داروغہ جی نے دو ہنٹر اور مارے اور کہا کہ جھوٹا۔ بے ایمان۔ جھوٹی قسمیں بھی کھاتا ہے! پھر موٹی موٹی گالیاں دے کر درواغہ کہنے لگا کہ تیرے ہاتھ میں خون آلود چھری، تیرے کپڑوں پر خون کے دھبے، تیرے ہاتھ میں چندن ہار۔ ذبح کی ہوئی عورت کی لاش کے پاس سے بھاگ رہا ہے۔ اتنے قرائن اور دلائل کے ہوتے ہوئے تیرے سوا اور کون قاتل ہو سکتا ہے؟

دراوغہ کی باتیں سن کر مسٹر کا ماتھا ٹھنکا۔ کہ یار! مولانا سے بھی تو میں نے یہی کہا تھا کہ کتے کی ذات، مکان خالی، پھر کتے کے منہ میں دہی لگا ہوا۔ اتنے قرائن اور دلائل کے ہوتے ہوئے کتے نے ضرور دہی کھایا ہو گا۔

مسٹر دل ہی دل میں اپنی حماقتوں پر افسوس کرنے لگا اور اس کو یقین ہو گیا کہ واقعی مولانا نے سچ کہا تھا کہ تجھ کو علماء اور فقہاء کی بے ادبیوں کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ حوالات میں ساری رات روتا اور توبہ کرتا رہتا تھا۔ پولیس نے قتل کا مقدمہ چلایا اور قریب تھا کہ مسٹر کو پھانسی ہو جائے کہ بالکل ناگہاں کچہری میں عورت کا اصلی قاتل حاضر ہو گیا اور اس نے اپنا اقبالی بیان دیتے ہوئے جج سے کہا کہ یہ مسٹر بالکل بے قصور ہے۔ اس عورت کا قاتل میں ہوں۔ یہ عورت

چوتھا وعظ

رسول ﷺ کا علم غیب

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

میں پیام زندگی سمجھوں اگر یوں موت آئے
آپ کا در ہو، میرا سر رحمۃ للعالمین
ہم سیہ کاروں کی بخشش کی کوئی صورت نہیں
ناز ہے تیرے کرم پر رحمۃ للعالمین
تیرا جلوہ تھا شب اسریٰ کہ فرش و عرش پر
نور حق تھا جلوہ گستر رحمۃ للعالمین
پس خدا ان کو نہ کہنا اور جو چاہو کہو
سب سے بالا سب سے بہتر رحمۃ للعالمین

حضرات محترم! میری آج کی تقریر کا عنوان ''رسول کا علم غیب'' ہے اور میں بغیر کسی تمہید کے نہایت سادگی کے ساتھ صرف اسی ایک موضوع پر تھوڑی دیر آپ سے خطاب کروں گا۔ لہٰذا پوری توجہ اور حضور قلب کے ساتھ میرے ان کلمات کو سنئے تاکہ حق و باطل کا امتیاز چمکتے ہوئے سورج کی طرح آپ کی نگاہوں کے سامنے آجائے۔

حضرات گرامی! ہم مسلمانان اہلسنت و جماعت کا یہ ایمان اور عقیدہ ہے کہ حضور سرور انبیاء محبوب کبریا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ جس طرح تمام کائنات عالم میں سب سے زیادہ ارفع و اعلیٰ اور افضل الخلق ہیں۔ اسی طرح آپ تمام مخلوقات الٰہیہ میں سب سے زیادہ ''اعلم الخلائق'' ہیں یعنی آپ کا علم تمام جن و بشر اور ملائکہ غرض تمام خلق کے علوم سے زیادہ اور وسیع تر سب سے اعلیٰ سب سے افضل سب سے بہتر سب سے بڑھ کر رہے۔ ماضی کا علم ہو یا حال و مستقبل کا۔ دنیا کا علم ہو یا آخرت کا۔ عالم شہادت کا علم ہو یا عالم غیب کا۔ غرض خداوند قدوس نے رفتہ رفتہ آپ کو ازل سے ابد تک تمام ماکان و مایکون کا علم شہادت و علم غیب سب کچھ عطا فرمادیا۔ یعنی جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہوگا سب کچھ آپ کے قلب رسالت میں جلوہ گر اور آپ کی نگاہ نبوت کے پیش نظر کر دیا۔ یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے جانے کے وقت آپ کا علم اس قدر کامل و مکمل بلکہ اکمل ہو گیا کہ ملک و ملکوت کے ذرات وجود میں کوئی ایسا ذرہ نہیں کہ جس کی آپ کو خبر نہ ہو اور شجرات کائنات میں کوئی پتہ ایسا نہیں جو آپ کی چشم رسالت سے پوشیدہ ہو۔ ہمارے تمہارے اور سارے عالم کے اقوال و افعال اور

اعمال واحوال سب کچھ حضور کے پیش نظر ہیں اور آپ ان سب کو اس طرح ملاحظہ فرمارہے ہیں جس طرح اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہے ہوں۔

مسلمانو! یہی وہ مضمون ہے جس کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ العزیز نے اپنے ایک شعر کے قالب میں ڈھال دیا ہے کہ ؎

سر عرش پر ہے تری گزر دل فرش پر ہے تری نظر!
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پر عیاں نہیں

برادران ملت! اہل سنت وجماعت کا یہ عقیدہ کسی جذبہ عقیدت کا والہانہ جوش تکلم، یا کسی شاعرانہ تخیل کی طائرانہ پرواز نہیں بلکہ یہ قرآن شریف کی چمکتی ہوئی آیتوں کا نور منور اور تعلیم نبوت کے مہکتے ہوئے پھولوں کا عطر معطر ہے۔

ساری دنیا پیش نظر:۔ سنئے! خود حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نبوت ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ قَدْرَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهَا وَاِلٰی مَاهُوَ کَائِنٌ فِیْهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ هٰذِهٖ

(زرقانی علی المواہب ج 7 ص 234)

یعنی اللہ عزوجل نے میرے لئے دنیا کو اٹھا کر اس طرح میرے سامنے پیش کر دیا کہ میں تمام دنیا کو اور اس میں قیامت تک جو کچھ بھی ہونے والا ہے، ان سب کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح میں اپنے اس ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! خدا کے فضل و کرم اور پیارے مصطفیٰ ﷺ کی نگاہ نبوت کا کیا کہنا؟ اللہ اکبر! بخدا۔ سچ فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے کہ ؎

شش جہت، سمت مقابل، شب و روز ایک ہی حال
دھوم و النجم میں ہے آپ کی بینائی کی

اسی طرح رحمت عالم دوسری حدیث میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

فَرَاَیْتُهٗ وَضَعَ کَفَّهٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَاَنَا مِلِهٖ بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ وَّعَرَفْتُ (مشکوٰۃ باب المساجد)

یعنی میں نے حضرت حق جل مجدہٗ کا دیدار اس طرح کیا کہ اس نے اپنا دست قدرت

میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا تو میں نے اس کی انگلیوں کے پوروں کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان محسوس کی۔ اس کے بعد مجھ پر ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے سب کو پہچان لیا۔

اسی طرح امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ:

قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذَالِكَ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ۔ (مشکوٰۃ باب بدء الخلق)

یعنی رسول اللہ ﷺ ایک مقام پر کھڑے ہوئے تو ہم کو ابتداء آفرینش کے بارے میں خبر دی اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب کچھ بیان فرما دیا۔ یہاں تک کہ اہل جنت اپنی منزلوں میں اور اہل جہنم اپنی منزلوں میں داخل ہو گئے۔ جس نے اس کو یاد رکھا اس کو یاد رہا اور جس نے اس کو بھلا دیا۔ وہ بھول گیا۔

مسلمانو! یہی حدیث دوسری روایت میں اس طرح وارد ہوئی ہے کہ:۔

مَاتَرَكَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِهٖ ذٰلِكَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ (مشکوٰۃ باب الفتن)

یعنی قیامت تک ہونے والے تمام واقعات اور حالات کو بیان فرما دیا۔ اور کسی چیز کو بھی نہیں چھوڑا۔

اسی طرح حضرت ثوبان صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا

یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا۔ تو میں نے زمین کے تمام مشرق و مغرب کو دیکھ لیا۔ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

برادران ملت! معتبر کتابوں میں یہ چمکتی ہوئی حدیثیں اعلان کر رہی ہیں کہ حضور رحمت عالم ﷺ کو خدا نے تمام کائنات دنیا کا علم غیب اور علم شہادت، سب کچھ اس طرح عطا فرما دیا ہے کہ ابتدائے عالم سے جنت و جہنم میں داخل ہونے کے وقت تک کے تمام واقعات و حالات حضور سرور عالم کے پیش نظر ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو بھی ان حالات و واقعات سے مطلع فرما دیا۔ برادران اسلام! اب آپ انصاف فرمائیں کہ ہم مسلمانان اہلسنت کا

عقیدہ ان مقدس حدیثوں کے مطابق ہے یا نہیں؟ آپ یاد نیا کا کوئی انسان جوہٹ دھرم نہ ہو اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہے کہ یقیناً اہلسنت وجماعت کا عقیدہ انہی حدیثوں کا عطر ہے۔

برادران اسلام! یہی وہ مضمون ہے جس کو خلاق عالم نے ارشاد فرمایا کہ:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً ط

یعنی اے محبوب! آپ جو کچھ نہیں جانتے ان تمام چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرما دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر بہت ہی بڑا ہے۔

برادرانِ اسلام! اب آپ بتا دیجئے! کہ علوم و معارف کی وہ کون سی ایسی دولت ہے جو رحمۃ للعالمین کی کالی کالی رحمت والی کملی میں نہیں ہے اور عالم شہادت اور عالم غیب کا وہ کون سا ایسا منظر ہے جو پیارے مصطفیٰ ﷺ کی نگاہ نبوت کے پیش نظر نہیں ہے۔ خدا کی قسم جن آنکھوں سے خدا نہیں چھپا بھلا ان آنکھوں سے خدا کی ساری خدائی کیونکر اور کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے؟

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

برادران اسلام! بڑی مشکل یہ ہے کہ عام طور پر لوگ نبی کے مقام نبوت کی اعلیٰ ترین منزل سے ناواقف ہیں اس لئے ان لوگوں کے لئے نبی کے علوم کی وسعت و کثرت کو سمجھانا اور سمجھنا انتہائی مشکل ہے۔ بہت بڑی مصیبت کبریٰ بلکہ قیامت صغریٰ یہ ہے کہ لوگ انبیاء علیہم السلام کی ذات و صفات کو اپنی ذات و صفات پر قیاس کرنے لگ جاتے ہیں۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ نے بھی لوگوں کی اس ہمالیہ سے بھی بڑی غلطی پر ماتم کیا ہے اور صاف صاف لکھ دیا ہے کہ ؎

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد
کم کسے زابدال حق آگاہ شد

یعنی ساری دنیا اسی وجہ سے گمراہی کی خطرناک بھنور میں پڑ کر گمراہ ہو گئی کہ لوگ خدا کے مقدس اور برگزیدہ بندوں کے بلند مراتب سے آگاہ نہیں ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ؎

اولیاء راہم چو خود پنداشتند
ہم سری باانبیاء برداشتند

یعنی لوگوں نے اولیاء کو اپنے جیسا گمان کر لیا اور خدا کے نبیوں کے ساتھ ہم سری اور برابری کا دعویٰ کر بیٹھے۔ بس یہی وہ گندہ چشمہ ہے جہاں سے گمراہیوں کا نجس اور پلید دریا نکل کر بہتا ہے ؎

این نہ دانستند ایشاں از عمیٰ
ہست فرقے درمیاں بے انتہا

ان دنیا داروں نے اپنے اندھے پن سے اتنا نہیں جانا کہ انبیاء علیہم السلام اور عوام کے درمیان بے انتہا فرق ہے۔ اللہ اکبر! زمین و آسمان میں بھی بڑا فرق ہے مگر اس فرق کی بھی انتہا ہے۔ مگر مولانائے روم فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور عوام میں اتنا بڑا فرق ہے کہ اس کی کوئی نہایت اور انتہا ہی نہیں۔ یعنی اتنا عظیم فرق ہے کہ ہم لوگ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے:

برادران ملت! جب خدا کے نبیوں اور عام لوگوں کی ذات و صفات میں اس قدر بے انتہا عظیم الشان فرق ہے تو پھر خدا کے انبیاء ورسل کے علوم و معارف کو ہم اپنے علوم پر قیاس کریں۔ خدا کی قسم یہ اتنی بڑی غلطی ہے کہ روئے زمین کی وسعت بھی اس کی گنجائش نہیں رکھتی۔

مسلمانو! واللہ اگر صرف ایک نکتہ آپ یاد کر لیں تو آپ کا سفینہ ہدایت کبھی بھی گمراہیوں کے بھنور میں نہیں پھنسے گا۔

وہ نکتہ یہ ہے کہ ہمارے علوم و معارف کا ذریعہ ہماری عقل اور ہمارے حواس ہیں جن کے ذریعے ہم دوسرے انسانوں سے علوم سیکھ سکتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کا ذریعہ علم وحی الٰہی ہے اور وہ براہ راست خداوند عالم الغیب والشہادۃ سے علوم و معارف کے خزانے حاصل کرتے ہیں اور منٹوں بلکہ سیکنڈوں میں وحی الہامی یا وحی منامی کے ذریعے انبیاء علیہم السلام کے سینوں میں علوم و معارف کے اتنے بڑے بڑے خزانے جمع ہو جاتے ہیں کہ زمین و آسمان کی وسعتیں بھی ان خزانوں کے سمیٹنے سے عاجز و قاصر ہیں۔

علوم آدم کی فہرست:۔ حضرات گرامی! بات آگئی ہے تو ذرا خدا کے سب سے پہلے نبی حضرت آدم خلیفۃ اللہ علیہ السلام کے علوم کی فہرست سن لیجئے جس کو عالم الغیب والشہادہ نے ایک لمحہ میں ان کے سینہ اقدس کے اندر الہام کے ذریعہ پہنچا دیا اور حضرت آدم علیہ السلام علوم و معارف کی اتنی بلند ترین منزل پر فائز ہو گئے کہ فرشتوں کی قدسی جماعت آپ کے علمی

وقار اور عرفانی عظمت کے آگے سربسجود ہو گئی۔

قطب زمانہ حضرت شیخ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر یعنی روح البیان میں آیت کریمہ "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام ناموں کا علم سکھایا۔ان "علم الاسماء" کی اجمالی فہرست یہ ہے۔

فَعَلَّمَهُ جَمِيعَ اَسْمَاءِ الْمُسَمَّيَاتِ بِكُلِّ اللُّغَاتِ

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا نام تمام زبانوں میں سکھادیا۔

وَعَلَّمَهُ اَسْمَاءَ الْمَلٰئِكَةِ وَاَسْمَاءَ ذُرِيَّتِهٖ كُلِّهِمْ وَاَسْمَاءَ الْحَيْوَانَاتِ وَالْجَمَادَاتِ وَصَنْعَةِ كُلِّ شَيْءٍ.

اور ان کو تمام ملائکہ کے نام اور تمام اولاد کے نام اور تمام حیوانات و جمادات کے نام اور ہر چیز کی صنعتوں کے نام وَاَسْمَاءُ الْمُدُنِ وَالْقُرىٰ واسماء الطيروا لشجر وما يكون اور تمام شہروں اور تمام گاؤں اور تمام پرندوں اور درختوں کے نام اور جو آئندہ کبھی وجود میں آنے والے ہیں ان سب کے نام "وكل نسمة يخلقها الىٰ يوم القيامة" اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام جان داروں کے نام "واسماء المطعومات والمشروبات وكل نعيم في الجنة واسماء كل شيء حتى القصعة والقصيعة وفي الخبر علمه سبع مأة الف لغة" (روح البیان ج1 ص100)

اور تمام کھانے پینے کی چیزوں کے اور جنت کی تمام نعمتوں کے نام، اور ہر ہر چیز کے نام یہاں تک کہ پیالہ اور پیالی کے نام اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات لاکھ زبانیں سکھائی ہیں۔

برادران ملت! اب کہیے: سن لی آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کے خزائن علوم کی فہرست؟ اب سوچئے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے علوم و عرفان کی یہ منزل ہے تو پھر حضور سید آدم و سردار اولاد آدم خلیفہ اللہ الاعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے علوم عالیہ کی کثرت و وسعت اور ان کی رفعت و عظمت کا کیا عالم ہو گا؟ میں کہتا ہوں کہ واللہ! حضرت آدم علیہ السلام کے علوم کو سرکار دو عالم کے علوم سے اتنی بھی نسبت نہیں ہو سکتی۔ جتنی ایک قطرہ کو دریا سے اور ایک ذرہ کو صحرا سے نسبت ہے۔ اللہ اکبر! کہاں علوم آدم؟ اور کہاں علوم سید عالم؟

فرش تا عرش سب آئینہ، ضمائر حاضر
بس قسم کھائیے امی! تری دانائی کی

پڑھیے! درود شریف بآواز بلند اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ.

شاہد:۔ حضرات گرامی! ذرا غور تو فرمایئے کہ خداوند عالم جل جلالہ نے اپنے حبیب و محبوب، دانائے غیوب ﷺ کی مدح و ثنا کا خطبہ پڑھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا" یعنی اے محبوب! بے شک ہم نے آپ کو گواہ اور بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت میں حضرت حق جل مجدہ نے اپنے حبیب ﷺ کو تمام انبیاء اور ان کی امتوں پر قیامت کے دن "شاہد" یعنی گواہی دینے والا بتایا ہے۔ اب مسلمانو! تم بتاؤ؟ کہ کون نہیں جانتا کہ گواہ کے لیے جس چیز کی وہ گواہی دے، اس کا مشاہدہ ضروری ہے۔ یہ مسئلہ سب کو معلوم ہے کہ کسی نامعلوم اور بلا دیکھی ہوئی چیز کی گواہی قطعاً غیر معتبر بلکہ شرعاً حرام و ناجائز ہے۔ تو پھر ذرا غور کیجئے کہ اگر حضور اقدس ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر دنیا کے آخری انسان تک کے اقوال و افعال اور ان کے کوائف و احوال کا علم نہ ہوگا تو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کس طرح قیامت میں ان تمام انسانوں کے بارے میں گواہی دے سکیں گے؟ کیا معاذ اللہ حضور ﷺ نامعلوم اور بغیر دیکھی ہوئی چیزوں کی گواہی دیں گے؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو یقیناً ان سب انسانوں کے تمام اقوال و افعال اور اعمال و احوال کا علم ہے۔ تو اب اس صورت میں جو مسلمان قرآن کی اس آیت پر ایمان رکھتا ہے کہ خدا کے محبوب "شاہد" ہیں تو وہ یقیناً یہی عقیدہ رکھے گا کہ بلاشبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام انسانوں کے اعمال و احوال اور ان کے اقوال و افعال کو جانتے ہیں اور جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس وسیع علم کا منکر ہے وہ خدا کی قسم قرآن کی اس آیت کا منکر ہے۔ بھلا سوچئے تو سہی کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یہ تو مانتا ہوں کہ آفتاب نکلا ہے مگر میں یہ نہیں مان سکتا کہ آفتاب روشن ہے۔ یا یوں کہیے کہ میں یہ تو تسلیم کرتا ہوں کہ یہ آگ ہے مگر میں یہ نہیں مانوں گا کہ یہ گرم ہے۔ تو اس شخص کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ کہ غالباً اس کے دماغ کی مشینری فیل ہو گئی ہے اور یہ پاگل خانے کا مہمان بننے والا ہے۔ اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ میں رسول کو شاہد تو مانتا ہوں اور

میں یہ ایمان رکھتا ہوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام انبیاء اور تمام امتوں کے بارے میں قیامت کے دن گواہی دیں گے۔ مگر میں یہ تسلیم نہیں کرتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انبیاء اور امتوں کے احوال و کوائف کا علم بھی ہے۔ تو اس شخص کے بارے میں بھی بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس کی عقل ایمانی کو قہر آسمانی کی بجلیوں نے جلا کر بھسم کر ڈالا ہے اور بد دینی کے طوفان اور بد دینی کے شیطان نے اس کی متاع ایمان کو بالکل غارت و برباد کر دیا ہے۔

مسلمانو! ذرا سوچو تو سہی کہ کیا بھلا یہ ممکن ہے کہ سورج کو سورج مان کر اس کی روشنی کا انکار کیا جائے؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آگ کو آگ کہتے ہوئے اس کی گرمی سے انکار کیا جائے؟ کیا یہ عقل کا تقاضا ہے کہ برف کو برف کہتے جائیں اور اس کی ٹھنڈک کا چلا چلا کر انکار کرتے رہیں؟ واللہ! جس طرح یہ باتیں ممکن نہیں ہیں۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شاہد مانتے ہوئے ان کے علوم اولین و آخرین کا انکار کیا جائے یہ بھی ناممکن اور محال ہے۔ چنانچہ طبری کی روایت ہے کہ جب "اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا" کی آیت نازل ہوئی تو حضور رحمت عالم نے بارگاہ خداوندی میں یہ عرض کیا کہ اے میرے رب کریم! تو نے میری شریعت میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ بن دیکھی اور نامعلوم باتوں کی شہادت جائز ہی نہیں ہے تو پھر میں بغیر مشاہدہ اور علم کے کس طرح اور کیسے گواہی دوں گا؟ "فَاَوْحَی اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَیْهِ اَیُّهَا السَّیِّدُ نَحْنُ نُسْرِیْ بِكَ اِلَیْنَا لِنُشَاهِدَ مَلَكُوْتَ الْاَعْلٰی" یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر وحی بھیجی کہ اے سردار! ہم آپ کو اپنے دربار کی سیر کرائیں گے تاکہ ملکوت اعلیٰ کا آپ کو مشاہدہ کرا دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ایک حدیث میں خود سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج عرش عظیم سے میری حلق میں ایک قطرہ ٹپکا "فَعَلِمْتُ بِهَا مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ" یعنی اس قطرے کے ٹپکتے ہی جو کچھ ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے سب کچھ میں نے جان لیا (تفسیر حسینی)

سبحان اللہ!

حضرت کا علم علم لدنی تھا اے امیر
حضرت وہیں سے آئے تھے لکھے پڑھے ہوئے

آیت کی چند تفسیریں:۔ بزرگان ملت! بہر حال اب میں اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں بھی آپ کو سنائے دیتا ہوں۔ ذرا غور سے سنئے گا وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ

عَلَيْكَ عَظِيْماً ٥

یعنی اے محبوب آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھادیا اور اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر بہت ہی بڑا ہے۔

حضرات تفسیر جلالین شریف جو دنیائے اسلام کے تمام مدارس عربیہ میں داخل ہے۔ اس کتاب میں اس آیت کی یہ تفسیر لکھی ہوئی ہے۔ "اَیْ مِنَ الْاَحْکَامِ وَالْغَیْبِ" یعنی اللہ عزوجل نے تمام احکام اور علم غیب آپ کو سکھادیا۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ "مِنْ خَفِیَّاتِ الْاُمُوْرِ وَضَمَا ئِرِ الصُّدُوْرِ اَوْمِنْ اَخْبَارِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ" (روح المعانی ج5 ص144)

یعنی تمام پوشیدہ چیزیں، اور سینوں میں چھپی ہوئی باتیں خدا نے آپ کو بتادی ہیں۔ یا تمام اگلوں اور پچھلوں کی ساری خبریں آپ کو تعلیم فرمادی ہیں۔ اسی طرح تفسیر روح البیان جلد پنجم صفحہ 282 پر تحریر ہے کہ من الغیب و خفیات الامور۔ یعنی خدا نے غیب اور تمام پوشیدہ چیزوں کا علم آپ کو عطا فرمادیا ہے۔ اور تفسیر خازن میں یہ لکھا ہے:۔ مِنْ اَحْکَامِ الشَّرْعِ وَاُمُوْرِ الدِّیْنَ وَقِیْلَ مِنْ عِلْمِ الْغَیْبِ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ

یعنی شریعت کے تمام احکام اور دین کی تمام باتیں اور کہا گیا کہ علم غیب غرض جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم فرمادیا ہے۔

برادران ملت! یہ چند تفسیروں کے نمونے ہیں جو میں نے آپ کے سامنے عرض کر دیئے ہیں، اور کیوں نہ ہو؟ کہ آیت میں "مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ" آیا ہے اور مدارس عربیہ کا مبتدی طالب علم بھی اصول فقہ کا یہ مسئلہ جانتا ہے کہ "مَنْ وَمَاء اَصْلُهُمَا الْعُمُوْم" یعنی من اور ما کی اصل وضع عموم کے لئے ہے لہٰذا اس آیت مبارکہ کا یہی مطلب ہوا کہ وہ تمام چیزیں جو حضور کو نہیں معلوم تھیں۔ ان تمام چیزوں کا علم خداوند عالم نے آپ کو عطا فرمادیا۔ لہٰذا علوم کی تمام قسمیں بلاشبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہوگئیں۔ خواہ وہ علم غیب ہو یا شہادت۔ پھر آیت کا آخری جملہ "وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ٥" اس پر بہت ہی زبردست اور قوی قرینہ ہے کہ "ما" یہاں عموم ہی کے لئے ہے۔ کیونکہ اگر اس سے تمام علوم نہ مراد ہوں بلکہ صرف چند خاص ہی چیزوں کا علم مراد ہو۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا

ہے، کیا معنی رکھتا ہے؟ چند خاص چیزوں کا علم تو خدا نے دوسرے انسانوں کو بھی عطا فرمایا ہے۔ درحقیقت "وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا" کا جملہ تو جبھی چسپاں ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تمام علوم کا حاصل ہونا مانا جائے۔ تب یہ فرمانا مناسب ہوگا کہ چونکہ آپ کا علم تمام مخلوقات کے علم سے زیادہ ہے۔ اس لئے اللہ کا فضل آپ پر تمام مخلوقات سے بڑھ کر ہے۔

بہر کیف برادران ملت! اب آپ غور فرمائیے کہ علم تفسیر کے ان عظیم المرتبت بزرگوں اور مسلم الثبوت عالموں نے قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ یقیناً ایک طالب حق کے لئے درخشاں ستاروں کی طرح ہدایت کا سامان ہے مگر واللہ! کتنی حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ فضلاء دیوبند عمر بھر ان کتابوں کو پڑھتے اور پڑھاتے رہتے ہیں۔ لیکن مفسرین کی تصریحات کے یہ اونچے اونچے پہاڑ ان لوگوں کو نظر نہیں آتے اور ہمیشہ یہی کہتے اور لکھتے رہتے ہیں کہ "علم غیب کا اطلاق غیر خدا پر کسی تاویل سے بھی درست نہیں۔"
بھلا مسلمانو! ذرا غور تو کرو! کہ دنیا میں کون ایسا عاقل ہوگا؟ جو یہ کہہ سکے کہ اتنے بڑے بڑے جلیل القدر مفسرین نے اتنی عظیم غلطی کی ہے جو شرعاً کسی طرح جائز نہیں۔ افسوس صد ہزار افسوس!

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّا
کار طفلاں تمام خواہد شد!

برادران اسلام! حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت میں پیارے مصطفیٰ ﷺ کی مدح و ثنا اور ان کے فضائل و کمالات کے سینکڑوں آفتاب و ماہتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ ہدایت کا نور بکھیر رہے ہیں۔ اور مفسرین کرام کی تفسیروں میں بے شمار تصریحات و تشریحات کے ایسے ایسے تابناک ستارے جگمگا رہے ہیں جن سے صراط مستقیم کی شاہراہ پر چلنے والوں کے لئے رشد و ہدایت کی نورانی روشنی مل رہی ہے مگر اس کا کیا علاج؟ کہ وہ بدنصیب لوگ جن کے دلوں کی دنیا میں نور ہدایت کا چراغ بجھ چکا ہے وہ آنکھ کھول کر آیات اور تفاسیر میں چمکتی ہوئی خدا کی آیات بینات کو اپنی چشم بصیرت اور نگاہ عبرت سے نہیں دیکھتے بلکہ حق سے منہ موڑے ہوئے سرکش اونٹوں کی طرح ضلالت و طغیان کی اندھیری وادیوں میں ہاتھ پاؤں

مارتے ہوئے بھٹکتے پھرتے ہیں۔ واللہ! یہی بدبخت لوگ ہیں جن کے بارے میں خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا:

لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور ط

یعنی منکروں کے سروں کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں۔ لیکن وہ آنکھیں جو سینوں کے اندر ہوتی ہیں وہ نابینا ہو جاتی ہیں۔ یعنی ان لوگوں کی بصارت تو رہتی ہے لیکن دلوں کی بصیرت تباہ و برباد ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے ان لوگوں کو ہدایت کا نور نظر ہی نہیں آتا۔

بہر کیف فضائل و کمالات محمدیہ کا آفتاب تو اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے اور قیامت تک درخشاں ہی رہے گا۔ اب اگر کسی کور بخت کی آنکھ اس کو نہیں دیکھ سکتی تو اس میں اسی کا قصور ہے۔ آفتاب کا کوئی قصور نہیں۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اسی مضمون کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا ہے کہ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب راچہ گناہ

یعنی چمگادڑ کی آنکھ اگر روز روشن کو نہیں دیکھ سکتی تو یہ اس کی آنکھ ہی کا قصور ہے آفتاب کا اس میں کوئی گناہ نہیں۔

برادران ملت! بات آگئی ہے تو آیئے قرآن مجید کی ایسی چند آیات سنائے دیتا ہوں جن میں علم غیب مصطفیٰ ﷺ کے ثبوت پر ایسے ایسے بلند اور روشن منارے سر اٹھا اٹھا کر روشنی دکھا رہے ہیں کہ ان کی نورانیت میں انشاء اللہ تعالیٰ ہر طالب حق اس حقانی حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہو جائے گا کہ یقیناً خداوند ذوالجلال نے اپنے نبی جمال ﷺ کو جس طرح ہر فضل و کمال میں بے مثل و بے مثال بنایا ہے۔ اسی طرح علیم و خبیر نے اپنے پیارے بشیر و نذیر ﷺ کے سینہ پر نور کو علم غیب و علم شہادت کے عرفانی خزانوں سے اس قدر معمور فرمادیا ہے کہ کائنات عالم میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ ماوشما تو کس شمار و قطار میں ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام جن کے سر پر خداوند عالم نے "وعلم ادم الاسماء کلھا" کا تاج فضیلت رکھ کر ان کی علمی عظمت کے آگے فرشتوں کے فضل و کمال کو سر بسجود کر دیا اور تمام انبیاء و مرسلین جن کے علم و عرفان کی وسعتوں کے میدان میں زمین و آسمان کی وسعتیں گم ہیں۔ ان سب خزائن علوم کے

بادشاہوں اور شہنشاہوں کا یہ حال ہے کہ یہ حضرات علم مصطفیٰ ﷺ کے کمالات کی رفعتوں کے حضور اپنی جبین عقیدت خم کر کے زبان حال سے بقول علامہ بوصیری علیہ الرحمۃ یہ وظیفہ پڑھا کرتے ہیں کہ ؎

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

یعنی یارسول اللہ ﷺ! آپ کی سخاوت کا یہ عالم ہے کہ دنیا اور آخرت کی ساری نعمتیں آپ کے جودوکرم کے چند نمونے ہیں اور لوح و قلم کے تمام علوم آپ کے علوم کے دریائے ناپیدا کنار کے چند قطرے ہیں۔ جی۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اس شعر کے دونوں مصرعوں میں "من" تبعیض کے لئے ہے۔ جس کا ماحصل یہی ہے کہ لوح و قلم کے وہ علوم جن کے بارے میں قرآن کا یہ فرمان ہے کہ ہر چیز لوح محفوظ میں درج ہے۔ وہ سارے علوم علم محمدی کا بعض ہی حصہ ہیں اور لوح و قلم کے علوم کو علم محمدی سے وہی نسبت ہے جو ایک قطرے کو دریا سے اور ایک ذرے کو صحرا سے نسبت ہے۔ کیوں نہ ہو؟ کہ خداوند عالم نے آپ کے لئے یہ فرمایا کہ "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ" یعنی اے محبوب آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم فرمادیا ہے۔ پھر اس کے آگے یہ بھی فرما دیا ہے کہ "وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً" اور آپ پر اللہ کا بہت ہی بڑا فضل ہے کہ یہ فضل عظیم نہ لوح و قلم پر ہے نہ کائنات عالم کی کسی مخلوق پر۔ اس لئے آپ جس طرح خدا کے فضل عظیم کے اعتبار سے "افضل الخلق" ہیں۔ اسی طرح آپ تعلیم ربانی کے لحاظ سے اعلم الخلق بھی ہیں۔

آیات علم غیب:۔ بہر کیف بزرگان ملت! اب آپ چند آیات کو بھی سن لیجئے۔ جن میں علم غیب رسول ﷺ کے جلوے اپنی پوری چمک دمک کے ساتھ اس طرح جلوہ فگن ہیں کہ جن کو دیکھ کر مومنین کی دنیائے ایمان مطلع انوار بن جاتی ہے۔ سنئے۔ حضرت حق جل مجدہٗ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ" (آل عمران)

یعنی اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ تم عام لوگوں کو غیب کا علم دیدے اللہ جس کو چاہتا ہے

یعنی اپنے رسولوں کو اپنا مجتبیٰ بنالیتا ہے۔ یعنی غیب کا علم دینے کے لئے ان کو چن لیتا ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد ربانی ہے کہ:

"عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ط" (جن)

یعنی اللہ تعالیٰ تمام غیبوں کا جاننے والا ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں فرماتا۔ سوائے اپنے رسولوں کے جو "مرتضٰی" یعنی پسندیدہ ہیں۔

برادران ملت! غور فرمایئے۔ پہلی آیت اعلان کر رہی ہے کہ رسولوں کی جماعت جو مجتبیٰ ہیں۔ یعنی تمام انسانوں میں منتخب ہیں۔ ان کو خداوند عالم اپنے غیب کا علم عطا فرمادیتا ہے۔ اور دوسری آیت بتا رہی ہے کہ اللہ کے رسولوں کا مقدس گروہ جو مرتضٰی یعنی خدا کے پسندیدہ ہیں ان کو عالم الغیب اپنے علم غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

اب آپ ہی بتایئے! کہ حضور خاتم النبیین ﷺ خدا کے مجتبیٰ (چنے ہوئے) اور مرتضٰی (پسندیدہ) رسول ہیں یا نہیں؟ کون کہہ سکتا ہے کہ رحمت عالم مجتبیٰ و مرتضٰی نہیں ہیں؟ ارے خدا کی قسم! مجتبیٰ اور مرتضٰی تو میرے رسول ہی کے دو نام ہیں۔ پھر بھلا ان کے مجتبیٰ اور مرتضٰی ہونے میں کون شک کر سکتا ہے؟ اور جب ساری دنیا کو یہ تسلیم ہے کہ میرے پیارے رسول خدا کے مجتبیٰ و مرتضٰی ہیں۔ تو پھر ساری دنیا کو یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ خداوند عالم نے ان کو اپنے غیب کے علم پر مطلع فرمایا ہے اور یقیناً رحمت عالم غیب دان اور علم غیب کے جاننے والے ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کو دربار رسالت میں انتہائی جوش عقیدت کے ساتھ یہ کہنا چاہئے کہ یا رسول اللہ ﷺ۔

سر عرش پر ہے تری گزر دل فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پر عیاں نہیں

برادران گرامی! قرآن مجید کی ایک آیت اور بھی سن لیجئے۔ پروردگار عالم کا فرمان ہے کہ:

وَمَا هُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ط

یعنی یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں ہیں۔

سبحان اللہ! مسلمانو! ذرا غور کرو۔ خدا نے فرمایا کہ میرا نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں ہے۔ خدا کا یہ فرمان تو جبھی صحیح ہو گا کہ حضور اکرم ﷺ کو غیب کا علم عطا ہوا اور وہ دوسروں کو بتاتے

بھی ہوں۔ کیونکہ بخیل تو اسی کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس مال ہو اور وہ کسی کو نہ دیتا ہو۔ دیکھئے! دیوار کسی کو کچھ نہیں دیتی مگر کوئی دیوار کو بخیل نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اس کے پاس کوئی مال ہی نہیں ہے۔ اسی طرح ایک فاقہ مست مفلس و قلاش فقیر کو کون بخیل کہہ سکتا ہے؟ کیونکہ بخیل تو اسی کو کہا جا سکتا ہے کہ جس کے پاس مال ہو اور وہ کسی کو کچھ نہ دے۔ اسی طرح کسی کو یہ کہا جائے کہ وہ بخیل نہیں ہے۔ تو اس کا صاف مطلب اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہو سکتا کہ اس کے پاس مال ہے۔ اور وہ دوسروں کو دیتا بھی ہے تو جب عالم الغیب نے اپنے نبی کی مدح و ثنا میں یہ فرمایا کہ میرا نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں تو یقیناً اس کا یہی اور صرف یہی مطلب ہے کہ نبی غیب کا علم جانتے بھی ہیں اور دوسروں کو بتاتے بھی ہیں۔

چنانچہ یہ صرف میری ہی تقریر نہیں ہے بلکہ باکمال مفسرین میں سے صاحب تفسیر خازن نے بھی انتہائی وضاحت اور صفائی کے ساتھ اس آیت کی تفسیر میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

"یَاتِیْهِ عِلْمُ الْغَیْبِ فَلَا یَبْخَلُ بِهٖ بَلْ یُعَلِّمُكُمْ"

یعنی حضور اقدس ﷺ کے پاس خدا کی طرف سے علم غیب آتا ہے تو وہ اس کے بتانے میں بخیلی نہیں فرماتے بلکہ تمام امتیوں کو بھی بتاتے ہیں۔

برادران اسلام! اللہ انصاف فرمائیے کہ قرآن مجید کی ان چمکتی ہوئی آیات میں اور مفسرین کرام کی ان تفسیرات و تصریحات میں علم غیب رسول ﷺ کے کیسے کیسے روشن اور تابناک جلوے نظر آ رہے ہیں! مگر افسوس کہ اس کا کیا علاج؟ کہ کچھ لوگ یا تو ان کی ایمانی بصیرت سلب ہو گئی ہے کہ انہیں یہ آیتیں نظر نہیں آتیں۔ یا وہ اس دور میں یہودیوں کے احبار و رہبان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں کہ دیدہ و دانستہ جس طرح یہودیوں کے پوپ اور پادری توراۃ و انجیل میں نبی آخر الزماں کی بشارتوں اور ان کی نشانیوں کو چھپایا کرتے تھے اسی طرح یہ لوگ نبی رحمت کے فضائل و کمالات کی آیات بینات پر پردہ ڈال کر پیارے مصطفیٰ ﷺ کی شان و عظمت کو گھٹا رہے ہیں۔ پیارے مسلمانو! اب ہم ان بدبختوں کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ کہ بدنصیبی کے عفریت نے ان کی متاع عقل پر ایسا ڈاکہ ڈالا ہے کہ ان کی ایمانی بصارت و بصیرت کو غارت و برباد کر کے ان کو بالکل ہی ایمانی عقل سے تہی دست و مفلس بنا ڈالا ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ بریلوی الرحمہ نے ان عقل کے یتیموں کے بارے میں بالکل سچ فرمایا ہے کہ۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں، اسے منظور بڑھانا تیرا

وہابی دلائل کارد:۔ خیر۔ برادران ملت! اب اس موقع پر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ منکرین علم غیب رسول کی بھی چند دلیلوں کا ذکر کر دوں تاکہ تصویر کے دونوں رخ آپ کی نظروں کے سامنے آجائیں۔ سنئے!

پہلی آیت تو یہ ہے کہ:

قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ (انعام)

یعنی اے پیغمبر! آپ فرما دیجئے کہ میں تم لوگوں سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب جانتا ہوں۔

دوسری آیت یہ ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِیْحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ط (انعام)

یعنی اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں ان کو وہی جانتا ہے۔

تیسری آیت یہ ہے کہ:

"اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ج وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ط وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ط وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ع" (لقمان)

یعنی بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل فرماتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ بچہ دانیوں میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا۔ بیشک اللہ بہت زیادہ علم والا ہے۔

برادران ملت! یہی وہ چند آیتیں ہیں جن کو علم غیب رسول کے منکرین بڑے طنطنہ اور طمطراق کے ساتھ پیش کر کے رسول کے علم غیب کا انکار کرتے پھرتے ہیں۔ لیکن ہم اس کے جواب میں علی الاعلان یہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! بلاشبہ یقیناً ان سب آیتوں پر ہمارا ایمان ہے۔ مگر افسوس۔ صد ہزار افسوس کہ دیوبندی علماء ان آیتوں کے معانی اور مطالب کے بیان کرنے میں پہاڑوں سے بھی بڑی بڑی خیانتیں اور غلطیاں کرتے ہیں۔

مسلمانو! بیشک ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان آیتوں کا مضمون یہی ہے کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ مگر اسی قرآن میں یہ آیت بھی تو ہے کہ:

"عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ" (جن)

یعنی خدا عالم الغیب ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو اپنا علم غیب عطا فرماتا ہے اور اسی قرآن میں یہ آیت بھی تو ہے کہ:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ص" (آل عمران)

یعنی اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ تم عام لوگوں کو غیب پر مطلع فرمائے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو علم غیب بتانے کے لئے چن لیتا ہے۔

اب برادران ملت! ذرا انتہائی توجہ کے ساتھ غور فرمایئے کہ کچھ آیتوں کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی بھی علم غیب نہیں جانتا اور کچھ آیتوں کا یہ مطلب ہے کہ خدا کے رسولوں کو علم غیب حاصل ہوتا ہے۔ اب ان دونوں آیتوں کے مفہوم میں بظاہر کھلا ہوا تعارض اور ٹکراؤ نظر آتا ہے اور یہ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ قرآن کی کسی آیت کا انکار بھی کفر ہے۔ لہٰذا ہم ان آیتوں میں سے کسی ایک آیت کا بھی انکار نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہر ہر آیت پر ایمان لانا فرض ہے۔

لہٰذا مسلمان بھائیو! اب میں صاف صاف کہتا ہوں کہ اگر رسول کے علم غیب کا انکار کرنے والوں میں دیانت داری کا جوہر ہوتا تو وہ لوگ ان سب آیتوں کو نظر میں رکھ کر ان آیتوں کا ایسا مطلب بیان کرتے کہ قرآن کی آیتوں کا یہ ظاہری تعارض اور ٹکراؤ رفع ہو جاتا اور چمکتے ہوئے سورج کی طرف ان آیات قرآنیہ کا مطلب ہر خاص و عام پر ہدایت کا نور بکھیر دیتا۔ مگر برا ہو خیانت اور بددیانتی کا کہ دیوبندی ان آیتوں کو پڑھ پڑھ کر رسول کے علم غیب کا انکار کرتے ہیں۔ جن آیتوں میں بظاہر علم غیب رسول کی نفی ہے۔ مگر جن آیتوں میں علم غیب نبوت کے آفتاب و ماہتاب چمک رہے ہیں۔ ان پر یہ لوگ اس طرح پردہ ڈالے ہوئے ہیں کہ گویا ان آیتوں کا قرآن میں وجود ہی نہیں۔ کبھی بھول کر بھی ان آیتوں کو مجمع عام میں نہیں پڑھتے بلکہ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

تطبیق آیات:۔ مگر بحمدہ تعالیٰ ہم اہل سنت و جماعت ہر گز ہر گز اہل خیانت اور ملت فروش

نہیں ہیں اور ہم یہودیوں کے احبار و رہبان کے ملعون طریقے پر لعنت بھیجتے ہیں اور ہم ہرگز ہرگز کبھی بھی خدا کی چمکتی ہوئی آیتوں کو نہیں چھپاتے اور ہم علی الاعلان کہتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ بیشک خدا کا یہ فرمان صحیح ہے۔ برحق ہے برحق ہے۔ کہ:

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط

یعنی اللہ کے سوا آسمان اور زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا۔ اور اسی طرح ہم یہ بھی ایمان رکھتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ خدا کا فرمان "اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ" بھی صحیح ہے۔ حق ہے۔ برحق ہے کہ خدا کے پسندیدہ رسول علم غیب جانتے ہیں اور خدا کی قسم! ہمارا ایمان ہے کہ یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ اور اپنے محل وقوع کے لحاظ سے سوفیصدی درست و صحیح اور حق ہیں کیونکہ قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ خدا کے سوا کوئی علم غیب نہیں جانتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی خود بخود خدا کے بتائے کے بغیر اپنی ذاتی قدرت سے تمام علوم غیبیہ کو نہیں جانتا اور جہاں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ پسندیدہ رسولوں کو علم غیب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے عطا فرمانے سے بعض علوم غیبیہ مثلاً ماکان ومایکون کا علم رسولوں کو حاصل ہے۔ یعنی جہاں جہاں غیر خدا سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے وہاں علم غیب سے مراد "علم غیب ذاتی" ہے۔ اور تمام مغیبات کا علم غیب مراد ہے اور جہاں جہاں غیر خدا مثلاً رسولوں کے لئے علم غیب کا ثبوت آیا ہے۔ اس سے مراد "علم غیب عطائی" ہے اور بعض مغیبات کا علم غیب مراد ہے۔ مگر یاد رکھئے کہ بعض مغیبات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ علم ماکان ومایکون۔ یعنی جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہوگا اور لوح و قلم کا علم سب سے اس بعض میں داخل ہیں اور یہ تمام علوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ کی عطا سے حاصل ہیں۔

برادران ملت! غور فرمائیے کہ اس تقریر اور تطبیق کے بعد اب ان تمام آیات واحادیث میں نہ کوئی تعارض رہ جاتا ہے، نہ کوئی ٹکراؤ اور اہل سنت کا یہ عقیدہ آفتاب عالم تاب کی طرح چمک اٹھتا ہے کہ خدا کو علم غیب ہے۔ اور خدا کی عطا سے اس کے رسولوں کو بھی علم غیب ہے مگر خدا کے علم غیب، اور رسولوں کے علم غیب میں بہت بڑا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کا علم غیب ذاتی اور غیر متناہی ولا محدود ہے اور رسولوں کا علم غیب عطائی اور متناہی ومحدود ہے۔ خدا کا علم غیب قدیم اور غیر فانی ہے اور رسولوں کا علم غیب حادث اور فانی ہے۔

برادران ملت! اب ایمان سے بتایئے! کہ علم غیب ذاتی اور علم غیب عطائی ہیں اور علم غیب غیر محدود اور علم غیب محدود میں۔ علم غیب قدیم اور علم غیب حادث میں۔ علم غیب غیر فانی اور علم غیب فانی میں کتنا بڑا اور کس قدر عظیم فرق ہے؟ مگر اس کے باوجود ہم سنیوں پر یہ تہمت لگا کر ہم خدا اور رسول کے علم کو برابر ٹھہراتے ہیں۔ ہم لوگوں کے سر شرک کا الزام تھوپنا یہ علماء دیو بند کا کتنا بڑا ظلم عظیم ہے؟ اور خود ان کا یہ ظلم ہے کہ "قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ" (نمل) کی آیت پڑھ پڑھ کر رسول کے علم غیب کا انکار کرتے ہیں۔ اس طرح "اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ" وغیرہ سینکڑوں آیتوں اور حدیثوں کا انکار کر کے یہ لوگ جہنم کے کون سے طبقے میں پہنچ چکے ہیں؟ انہیں ذرہ بھر اس کا احساس نہیں۔ کبھی خدا کی آیات بینات کو چھپاتے ہیں اور کبھی تحریف کرتے ہیں۔ کبھی قرآن مجید کے ایمانی مضامین کے انوار کو اپنی غلط تاویلوں سے ظلمتوں کے عمیق غار میں دفن کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ ہائے افسوس۔ بالکل سچ کہا ڈاکٹر اقبال نے کہ ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

برادران ملت! میں نے جو خدا کے علم غیب اور رسول کے علم غیب میں یہ فرق بیان کیا۔ تو آپ یہ نہ سمجھئے کہ یہ میرے دماغ کی اپج یا میری خیالی تک بندی ہے بلکہ علم تفسیر کے بڑے بڑے پہاڑوں نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں آیت "قُلْ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ" کی تفسیر میں صاف صاف لکھا ہے کہ "فِیْہِ دَلَالَۃٌ عَلٰی اَنَّ الْغَیْبَ بِالْاِسْتِقْلَالِ لَا یَعْلَمُہٗ اِلَّا اللّٰہُ" یعنی یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی علم غیب ذاتی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ فرمایئے اس عبارت کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہے؟ کہ علم غیب عطائی رسولوں کو حاصل ہے۔

بہر کیف! اب یہ مسئلہ ایک حد تک نور علیٰ نور ہو گیا کہ علم غیب ذاتی تو خدا کا خاصہ ہے۔ یہ علم غیب خدا کے سوا کسی دوسرے کے لئے ثابت کرنا یقیناً شرک ہے۔ لیکن علم غیب عطائی یقیناً رسولوں کے لئے خدا کی عطا سے حاصل ہے اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب والشہادہ نے سب رسولوں سے زیادہ علم غیب عطا فرمایا ہے۔ کیونکہ آپ کی شان میں اس رب کریم کا

ارشاد ہے کہ:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً۔

یعنی اے محبوب! آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے ان سب چیزوں کا اللہ نے آپ کو علم عطا فرما دیا ہے اور آپ پر اللہ کا فضل بہت ہی بڑا ہے۔

پانچ چیزوں کا علم:۔ حضرات! اب میری اس تقریر سے سورۂ لقمان کی آیت کریمہ کا مضمون بھی حل ہو گیا کہ خداوند عالم نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ قیامت کب آئے گی؟ بارش کب ہو گی؟ بچہ دانی میں کیا ہے؟ کون کل کیا کام کرے گا؟ کون کہاں مرے گا؟ ان پانچ چیزوں کا علم بھی پیغمبر خدا ﷺ کو حاصل ہے۔ چنانچہ عارف باللہ حضرت شیخ احمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

"قَالَ الْعُلَمَاءُ اَلْحَقُّ اَنَّهٗ لَمْ يَخْرُجْ نَبِيُّنَا مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اِطَّلَعَهُ اللّٰهُ عَلٰى تِلْكَ الْخَمْسِ وَلٰكِنَّهٗ اُمِرَ بِكَتْمِهَا" (صاوی ج3 ص260)

یعنی علماء نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرما دیا۔ لیکن خدا نے اپنے حبیب کو ان علوم کے چھپانے کا حکم فرما دیا۔

اور حضرت قطب الوقت سیدی عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ:

"كَيْفَ يَخْفٰى اَمْرُ الْخَمْسِ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْوَاحِدُ مِنْ اَهْلِ التَّصَرُّفِ مِنْ اُمَّتِهِ الشَّرِيْفَةِ لَا يُمْكِنُهُ التَّصَرُّفُ اِلَّا بِمَعْرِفَةِ هٰذِهِ الْخَمْسِ" (کتاب ابریز ص 158)

یعنی ان پانچ چیزوں کا علم حضور پر کیسے مخفی رہ سکتا ہے؟ جب آپ کے ایک صاحب تصرف امتی کو بغیر ان پانچوں علوم کے تصرف ممکن نہیں!

مسلمانو! حضرت قطب الوقت سیدی عبد العزیز دباغ علیہ الرحمہ کے اس قول نے واضح کر دیا کہ حضور تو حضور ہیں۔ ان کی ارفع و اعلیٰ شان کا تو کیا کہنا حضور کے خدام اور غلاموں کو بھی ان پانچ چیزوں کا علم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے اقطاب کو ان چیزوں کا علم خداوند تعالیٰ کے عطا فرمانے سے ہوا کرتا ہے اور وہ لوگ اپنے اسی علم کی بناء پر باذن

اللہ عالم میں تصرفات فرماتے ہیں اور جب اقطاب کو ان چیزوں کا علم ہوتا ہے۔ تو پھر بھلا غوث العالم کے علوم کا کیا حال ہوگا؟ اور پھر اولین و آخرین کے سردار حضور احمد مختار ﷺ کے عالم کی وسعتوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے؟ کہ وہ ہر چیز کے عالم وجود میں آنے کا سبب ہیں اور ساری کائنات انہیں کے طفیل میں پیدا ہوئی ہے اور وہ باذن اللہ تمام عالم کائنات پر تصرف فرما رہے ہیں۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔

وہی نور حق وہی ظل رب، ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں، کہ زماں نہیں

علم قیامت:۔ برادران ملت! ان پانچ علوم میں پہلا علم، قیامت کا علم ہے۔ یعنی قیامت کب ہو گی؟ اس کے بارے میں عارف باللہ شیخ احمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ احزاب کی آیت:
وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ کی تفسیر میں فرمایا کہ:
"وَهٰذَا اِنَّمَا هُوَ وَقْتَ السُّوَالَ وَاِلَّا فَلَمْ يَخْرُجْ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَطْلَعَهُ اللّٰهُ عَلٰى جَمِيْعِ الْمُغِيْبَاتِ وَمِنْ جُمْلَتِهَا السَّاعَةُ لٰكِنْ اُمِرَ بِكَتْمِ ذَالِكَ" (صاوی ج3 ص289)

یعنی جس وقت کفار نے آپ سے قیامت کا سوال کیا تھا۔ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قیامت کا علم نہیں تھا ورنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا سے اس وقت تک تشریف نہیں لے گئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام غیوب کے علوم پر مطلع فرما دیا اور انہیں میں سے قیامت کا علم بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دے دیا تھا کہ قیامت کب آئے گی۔ اس علم کو آپ امت سے چھپائیں!

برادران ملت! غور فرمائیے! یہ ان مفسرین کرام کے اقوال و عقائد ہیں، جن کو اگر ملت اسلامیہ کا ستون محکم کہا جائے۔ تو یہ بھی اظہار حقیقت سے کچھ کم ہی ہوگا اور اگر ان مقدس بزرگوں کو آسمان امت کے درخشاں ستاروں سے تعبیر کیا جائے تو یہ بھی کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ ان مقدس اولیاء امت کے عقائد ہمارے لئے نجات کا ذریعہ بنیں گے۔ یا ان بارگاہ نبوت کے گستاخوں کی بکواسیں، جنہوں نے علم نبوت کو اس قدر گھٹایا کہ معاذ اللہ! سرور کائنات کے بارے میں یہاں تک لکھ دیا کہ ان کو دیوار کے پیچھے کا بھی

علم نہیں۔اور معاذ اللہ! ان کا علم جانوروں اور پاگلوں کے مثل ہے۔ توبہ توبہ۔(نعوذ باللہ منہ)
مسلمانو! ذرا غور تو کرو کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتانے ہی سے تو آج مسلمانوں کا بچہ بچہ یہ جانتا ہے کہ قیامت جمعہ کے دن ہو گی اور محرم کی دس تاریخ ہو گی اور قیامت سے پہلے بہت سی نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ مثلاً یاجوج ماجوج کا نکلنا، دجال کا خروج، حضرت مہدی کا ظہور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، نفخ صور، حساب و کتاب وغیرہ۔ یہ ساری باتیں سرور کائنات نے اپنی امت کو بتادی ہیں۔

تو برادران اسلام! اللہ انصاف فرمایئے کہ جو ذات اقدس قیامت کا دن، قیامت کی تاریخ، قیامت کا مہینہ، قیامت کی سب نشانیاں اپنی امت کو بتا دے۔ اس کے بارے میں یہ کہنا کس طرح جائز ہو گا؟ کہ ان کو قیامت کا علم ہی نہیں تھا۔ ہاں صرف ایک چیز یعنی قیامت کا سنہ حضور ﷺ نے اپنی امت کو نہیں بتایا تو اس کا سبب یہی تھا کہ خداوند عالم نے آپ کو اس کے چھپانے کا حکم دے دیا تھا۔ اور اس میں اللہ و رسول کی بڑی بڑی حکمتیں تھیں۔ چنانچہ ایک بڑی مصلحت اور حکمت یہ بھی تھی کہ اگر حضور قیامت کا سنہ بھی امت کو بتا دیتے تو قرآن خدا کا کلام جھوٹا ہو جاتا۔ کیونکہ حضرت حق جل مجدہٗ کا ارشاد ہے کہ ”لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً“ یعنی قیامت تو بالکل اچانک ہی آئے گی۔

اب آپ ہی بتایئے کہ اگر دن، تاریخ مہینہ کے ساتھ ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت کا سنہ بھی امت کو بتا دیتے تو پھر قیامت کا آنا اچانک کیسے ہوتا۔ لوگ ہمیشہ گنتے رہتے کہ اب قیامت کو اتنے برس اتنے مہینے، اتنے دن باقی رہ گئے ہیں۔ پھر خدا کا فرمان ”لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً“ بالکل غلط اور جھوٹ ہو جاتا۔ پھر کسی چیز کے نہ بتانے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ حضور کو اس کا علم نہیں تھا۔ آخر حروف مقطعات اور آیات متشابہات کے معانی کو بھی تو حضور علیہ السلام نے امت کو نہیں بتایا۔ تو کون کہہ سکتا ہے؟ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حروف مقطعات اور آیات متشابہات کا علم نہیں تھا۔ اگر کوئی بدنصیب یہ کہہ دے کہ حضور کو قرآن کے حروف مقطعات مثلاً ”الٓمٓ“ وغیرہ کا علم نہیں تھا۔ تو پھر غضب ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ پر ایک لغو فعل کا الزام آئے گا کہ اس نے اپنے حبیب سے ایسی لغت میں کلام فرمایا جس کو اس کے حبیب نے سمجھا ہی نہیں۔ تو یہ بالکل ایسا ہی ہوا کہ جو شخص انگریزی نہیں جانتا اس سے کوئی

انگریزی زبان میں گفتگو کرے تو آپ ہی بتائیے کہ اس کو لغویت کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے؟

بہر کیف۔ مسلمانو! ہم مسلمانان اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ عالم الغیب والشہادہ نے یقیناً اپنے محبوب کو قیامت کا علم عطا فرمایا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خوب جانتے تھے کہ قیامت کب آئے گی۔

بچہ دانی میں کیا ہے:۔ بہر حال حضرات! قیامت کے بارے میں تو آپ سن چکے۔ اسی طرح ماں کی بچہ دانی میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ اس بات کا علم بھی خالق کائنات نے سرور کائنات کو عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ مشہور محدث ابو نعیم نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب دلائل النبوۃ میں ایک حدیث تحریر فرمائی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چچی ام الفضل حضور اقدس کے پاس سے گزریں۔ تو آپ نے فرمایا کہ چچی جان! تمہارے حمل میں لڑکا ہے جب یہ پیدا ہو تو اس کو میرے پاس لانا۔ چنانچہ ام الفضل کا بیان ہے کہ میرے فرزند تولد ہوا اور جب میں اس کو خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوئی۔ تو حضور نے اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھی اور اپنا لعاب دہن اس کو چٹایا اور اس کا نام عبداللہ رکھا اور پھر مجھ سے فرمایا کہ "اِذْهَبِیْ بِاَبِی الْخُلَفَاءِ" یعنی خلفاء کے باپ کو لے جاؤ۔

حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے یہ سن کر بڑا تعجب ہوا اور میں نے اپنے شوہر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا۔ تو انہوں نے خود دربار نبوی میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے میرے بچے کے بارے میں ایسا ایسا ارشاد فرمایا ہے؟ تو سرکار دو عالم نے جواب دیا کہ ہاں۔ ہاں۔ میں نے ایسا ہی کہا ہے۔

"هُوَ اَبُ الْخُلَفَاءِ حَتّٰی یَکُوْنُ مِنْهُمُ السَّفَّاحُ حَتّٰی یَکُوْنُ مِنْهُمُ الْمَهْدِیُّ حَتّٰی یَکُوْنُ مِنْهُمْ مَنْ یُّصَلِّیْ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ"

یعنی یہ تمہارا بچہ واقعی خلفاء کا باپ ہے۔ اسی کی نسل سے "سفاح" بھی ہو گا۔ اسی کی اولاد میں "مہدی" بھی ہو گا۔ یہاں تک کہ اسی کی اولاد میں سے کچھ لوگ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ (تاریخ الخلفاء ص 15)

برادران ملت! غور فرمائیے! کہ اس حدیث میں رحمت عالم نے صرف اتنا ہی نہیں فرمایا کہ ام الفضل کے شکم میں فرزند ہے بلکہ اس بچے کے مستقبل کے بارے میں یہ سب غیب کی

خبریں بھی دے رہے ہیں کہ یہ بچہ خلفاء بنو العباس کا مورث اعلیٰ ہوگا اور اس کی نسل سے خلفاء پیدا ہوں گے اور اس کی نسل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک باقی رہے گی۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ۔ بزرگو اور دوستو! یہ تو حضور خاتم النبیین ﷺ کے علم غیب کی تجلیاں ہیں۔ اجی۔ ان کے علوم و معارف کی وسعتوں کا تو کیا ہی کہنا ہے؟ یہ تو اعلم الخلق ہیں ؎

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا

جب نہ خدا ہی چھپا، تم پہ کروڑوں درود

حضرت نوح علیہ السلام جو یقیناً پیارے مصطفےٰ ﷺ کے خوشہ چیں ہیں۔ ان کے علوم کی گہرائیوں کا مقام اتنا ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ خداوند عالم سے اس طرح دعا مانگتے ہیں کہ:

"رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ط"

یعنی اے میرے رب! زمین پر کسی کافر کو آباد مت چھوڑ۔

"اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ط"

یعنی اگر تو نے ان لوگوں کو چھوڑ دیا۔ تو یہ لوگ بڑے بڑے بدکار و کفار جنیں گے۔

دیکھ لیجئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی چشم بصیرت کی غیب دانی کا جلوہ کہ کفار مردوں کی پشت میں جو نطفے تھے اور کافرات عورتوں کے رحم میں جو حمل تھے۔ وہ لڑکے ہیں یا لڑکیاں انہیں صرف اتنا ہی علم نہیں۔ بلکہ آپ تو ان کے بارے میں یہاں تک علم رکھتے تھے کہ ان کے دلوں میں کفر ہوگا یا ایمان اور وہ بدکار ہوں گے یا نیکوکار۔

برادران ملت! اللہ بتایئے کیا یہ دلائل و شواہد کے اونچے اونچے منارے ہم کو اس بات کی ہدایت نہیں کرتے؟ کہ خاصان خدا، انبیاء و اولیاء کو خدا کی عطا سے "مَا فِي الْاَرْحَامِ" ماؤں کی بچہ دانیوں میں کیا ہے؟ اس کا علم ہوا کرتا ہے۔ مسلمانو! میں بالکل سچ عرض کرتا ہوں کہ واللہ! ان آیات بینات، اور دلائل و شواہد کے حق نما میناروں پر رشد و ہدایت کے سینکڑوں چراغ جگمگا رہے ہیں۔ جن کے طالبان حق کو نور ہدایت کی روشنی ملتی رہتی ہے مگر اس کا کیا علاج؟ کہ کچھ ایسے بدنصیب ہر دور میں رہے ہیں جن کے کانوں، آنکھوں اور دلوں پر شقاوت کی ایسی مہر لگ چکی ہے کہ وہ نہ حق سنتے ہیں نہ حق کو دیکھتے ہیں نہ حق کو قبول کرتے ہیں۔ افسوس ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

کل کیا کرے گا؟:۔ حضرات اسی طرح پانچ علوم میں سے یہ علم کہ "کون کل کیا کرے گا؟" اس کا علم بھی حضرت حق جل مجدہ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ کون نہیں جانتا کہ جنگ خیبر کے دن سرکار دو جہاں نے یہ اعلان فرمایا کہ:

"لَاُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَداً رَجُلاً يَّفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ"

(مشکوٰۃ باب مناقب علی)

یعنی کل میں یہ جھنڈا اس مرد کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح فرمائے گا اور وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

چنانچہ رحمت عالم نے دوسرے دن جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست میں دیا اور انہوں نے خیبر کو فتح کر لیا۔

حضرات! فرمایئے۔ کیا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا؟ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دن قبل ہی یہ بتا دیا کہ کل حضرت علی خیبر کو فتح کر لیں گے۔ یقیناً اس حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ اور دنیا میں کوئی ایسا عقل والا نہیں ہو سکتا جو اس کا انکار کر سکے۔ اب آپ سوچئے اور بتایئے کہ یہ "مَاذَا تَكْسِبُ غَداً" یعنی کل کون کیا کرے گا؟ کا علم نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے؟

کون کہاں مرے گا؟:۔ اچھا اب پانچ علوم میں سے اس علم کے بارے میں بھی سن لیجئے کہ "کون کہاں مرے گا؟"

برادران ملت! اس حدیث کو غالباً آپ صاحبان بار بار سن چکے ہوں گے کہ جنگ بدر کے موقع پر حضور سرور کائنات نے ایک دن قبل ہی ایک چھڑی سے میدان جنگ میں لکیر کھینچ کر یہ فرما دیا تھا کہ یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے اور یہ فلاں کافر کے مقتول ہونے کا مقام ہے۔ اس حدیث کے راوی کا بیان ہے کہ:

"فَلَمَّا فَاتَ اَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

(مسلم ج2 باب غزوۂ بدر)

یعنی مقتولین کفار میں سے کوئی بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے ایک ذرہ بھی نہیں ہٹا۔ جس جگہ جس شخص کے قتل ہونے کی جگہ آپ نے معین فرمادی تھی۔ اسی جگہ اس کی لاش ملی۔

الغرض میں کہاں تک آپ کو دلائل سناؤں۔ خلاصہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے اپنے حبیب کو ہر اس چیز کا علم عطا فرمادیا جس کو حبیب خدا نہیں جانتے تھے۔ یہی اہل سنت و جماعت کا وہ مقدس عقیدہ ہے جو قرآن و حدیث اور تعلیمات صحابہ کا عطر معطر اور نور مقطر ہے۔ پڑھئے درود شریف باآواز بلند۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَاماً عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

علم غیب رسول اور صحابہ کرام:۔ برادران اسلام! اب آخر میں ایک بات اور عرض کرکے میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں اور یہ ایسی چبھتی ہوئی بات ہے کہ منکرین کے لئے ایک بہت بڑی دعوت غور و فکر ہے کہ وہ لوگ اس پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرکے یہ فیصلہ کریں کہ رسول کے علم غیب کا مسئلہ عقائد اسلام کی کس منزل میں ہے؟

اور وہ بات یہ ہے کہ ہر شخص اس کو تو جانتا اور مانتا ہے کہ قرآن مجید کو سب سے زیادہ جن بزرگوں نے سمجھا وہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت ہے۔ آج علماء دیوبند جن جن آیتوں کو پڑھ پڑھ کر رسول کے علم غیب کا انکار کرتے ہیں کیا صحابہ کرام کے علم میں یہ آیتیں نہیں تھیں؟ دنیا بھر میں کون ہے؟ جو یہ کہہ سکتا ہے کہ صحابہ کرام قرآن کی ان آیتوں سے بے خبر تھے۔ نہیں۔ نہیں! ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم! یقیناً صحابہ کرام کو ان سب آیتوں کا علم تھا اور اتنا زیادہ علم تھا کہ قیامت تک کسی امتی کو بھی اتنا زیادہ قرآن کا علم نہیں ہوگا۔ کیونکہ آسمان امت کے ان درخشاں ستاروں نے خود صاحب قرآن کے مشکوٰۃ نبوت سے علم قرآن کا نور حاصل کیا تھا۔ اس لئے علم نبوت کا فیضان جس قدر صحابہ کے سینوں میں موجزن ہوا۔ ظاہر ہے کہ دوسروں کو یہ شرف نہ ملا، نہ قیامت تک ملے گا۔

مگر کیا غور کرنے اور سوچنے کی بات ہے کہ ان آیتوں کا مکمل اور پورا پورا علم رکھنے کے باوجود صحابہ کرام بار بار حضور اقدس ﷺ سے غیب کی خبریں دریافت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ

حدیثوں کی مشہور و مستند کتابوں میں "کتاب الفتن" و "کتاب الرقاق" کی سینکڑوں حدیثیں ایسی ہیں جن میں حضور علیہ السلام نے صحابہ کو غیب کی خبریں دیں۔ تو کیا دنیا کا کوئی عالم یہ بتا سکتا ہے؟ کہ صحابہ نے کبھی بھی یہ کہا ہو کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ غیب کی خبریں کس طرح دے رہے ہیں؟ قرآن میں تو یہ ہے "خدا کے سوا کوئی غیب جانتا ہی نہیں۔"

مسلمانو! میں چیلنج دے کر کہتا ہوں کہ قیامت تک کوئی عالم یہ نہیں بتا سکتا کہ کبھی بھی کسی صحابی نے رسول سے غیب کی خبر سن کر یہ کہا ہو بلکہ ہر مکتب خیال کے علماء جانتے ہیں کہ صحابہ کا خود یہ عمل اور دستور رہا کہ وہ ہر بار رسول کروگار ﷺ سے غیب کی خبریں دریافت کیا کرتے تھے اور حضور کی بتائی ہوئی غیب کی خبروں پر ایسا مضبوط و مستحکم ایمان رکھتے تھے کہ جس طرح انہیں سورج کے روشن ہونے کا یقین تھا اس سے زیادہ کہیں زیادہ بڑھ کر انہیں رسول کی بتائی ہوئی غیب کی خبروں پر یقین واطمینان، بلکہ حق الیقین اور محکم ایمان تھا۔

میں پوچھتا ہوں کہ علماء دیوبند میں وہ کون سا عالم ہے جو اس حدیث کو نہیں جانتا۔ جس کو امام بخاری نے "باب ما یکرہ من کثرۃ السوال" کے تحت نقل فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک دن ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد منبر پر رونق افروز ہوئے اور قیامت کے دن اور قیامت سے پہلے کی بڑی بڑی ہونے والی باتوں کا ذکر فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جو شخص جس چیز کے بارے میں مجھ سے سوال کرنا چاہے وہ سوال کرلے۔ کیونکہ خدا کی قسم! میں جب تک اس جگہ میں ہوں۔ تم لوگ جس چیز کے بارے میں بھی مجھ سے سوال کرو گے میں تمہیں اس کی خبر دوں گا۔ یہ سن کر لوگ بہت زیادہ رونے لگے اور حضور بار بار فرمانے لگے کہ مجھ سے پوچھو۔ مجھ سے پوچھو۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ "فَقَالَ اَیْنَ مَدْخَلِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ النَّارُ" اس شخص نے کہا یارسول اللہ میں کہاں داخل ہوں گا؟ جنت میں یا جہنم میں؟ تو سرکار نے فرمایا کہ تیرا ٹھکانا جہنم ہے۔ پھر عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میرا باپ کون ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ تیرا باپ حذافہ ہے۔ (بخاری ج2۔ ص1083)

مسلمانو! غور کرو کہ مجمع عام میں حضور اکرم ﷺ لوگوں کو بار بار للکار رہے ہیں کہ تم لوگ جو چاہو مجھ سے پوچھ لو۔ کیوں جناب! یہ بات کہ جو چاہو مجھ سے پوچھ لو یہ کون کہہ سکتا ہے؟ خدا

کی قسم! یہ بات تو وہی کہہ سکتا ہے جس کے سینے میں تمام علوم کا خزانہ جمع ہو اور جو علم غیب اور علم شہادت سب کچھ جانتا ہو۔ پھر دو شخصوں نے دو غیب کی خبروں کا سوال کیا۔ ایک کا سوال ہے کہ میں جنتی ہوں یا دوزخی؟ اور دوسرا یہ دریافت کرتا ہے کہ میں کس کے نطفے سے پیدا ہوا ہوں؟ اور سرکار رسالت نے بلا تامل ان غیب کی دونوں خبروں کا جواب بھی دے دیا۔

مسلمانو! کیا بخاری کی اس حدیث نے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر یہ نہیں بتادیا؟ کہ صحابہ کرام کا یہی عقیدہ تھا کہ سرکار دو جہاں کو خدا کی عطا سے علم غیب حاصل ہے۔ یقیناً اس حدیث نے اور اس جیسی سینکڑوں حدیثوں نے یہ اعلان کردیا کہ حضور اقدس ﷺ خود بھی بہت سی غیب کی خبریں دیتے رہے اور صحابہ کا بھی یہی ایمان تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یقیناً علم غیب حاصل ہے۔ ورنہ صحابہ کرام کبھی ہرگز حضور سے غیب کی باتیں نہ دریافت کرتے اور حضور اگر غیب کی خبریں دیتے تو صحابہ ضرور یہ سوال کرتے کہ قرآن میں جب خدا نے یہ فرمادیا کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ تو پھر یا رسول اللہ ﷺ آپ کو کس طرح غیب کا علم ہو گیا؟ مگر خدا گواہ ہے کہ کبھی بھی صحابہ نے حضور کی بتائی ہوئی غیب کی خبروں پر نہ اعتراض کیا۔ نہ کسی کو اس میں کبھی ذرہ برابر شک ہوا۔ بلکہ تاریخ صحابہ سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام کھلم کھلا اپنے اس عقیدہ کا اعلان واظہار فرمایا کرتے تھے کہ نبی ﷺ "غیب داں" ہیں اور علم غیب جانتے ہیں۔ چنانچہ مجھے اس وقت ایک حدیث یاد آ گئی۔ جس کو محمد بن اسحاق محدث نے اپنے "مغازی" میں نقل کیا ہے۔

مالک بن عوف کے دو شعر:۔ حضرات! روایت ہے کہ قبیلہ "ہوازن" کے رئیس مالک بن عوف جنگ حنین میں شکست کے بعد طائف بھاگ گئے۔ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ اعلان فرمادیا کہ اگر وہ مسلمان ہو کر پلٹ آئے تو میں اس کے اہل و مال کو واپس لوٹا دوں گا۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے۔ تو رحمت عالم نے ان کے اہل و مال کو واپس کردیا۔ رحمت عالم کی اس کریمانہ عنایت کو دیکھ کر مالک بن عوف کے سینے میں جذبہ تشکر سے ان کا دل اس قدر متاثر ہوا کہ انہوں نے جوش عقیدت میں فوراً ہی حضور کی نعت میں ایک قصیدہ مدحیہ پڑھا۔ جس کے دو شعر آپ بھی سنئے اور جذبہ تاثر سے سر دھنئے۔ حضرت مالک بن عوف رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں کہ

مَا اِنْ رَأَیْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِوَاجِدٍ
فِی النَّاسِ کُلِّهِمْ کَمِثْلِ مُحَمَّدٍ
اَوْفٰی فَاَعْطٰی لِلْجَزِیْلِ لِمُجْتَدٍ
وَمَتٰی تَشَاءُ یُخْبِرْكَ عَمَّا فِیْ غَدٍ

یعنی تمام انسانوں میں حضرت محمد ﷺ کا مثل نہ میں نے دیکھا نہ سنا۔ جو سب سے زیادہ وعدہ کو پورا کرنے والے، اور سب سے زیادہ مال کثیر عطا کرنے والے ہیں اور تم جب چاہو ان سے پوچھ لو۔ وہ کل آئندہ کی خبر تم کو بتا دیں گے۔

حضرات! روایت ہے کہ نعت کے یہ اشعار سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے خوش ہو گئے اور ان کے لئے کلمات خیر فرماتے ہوئے انہیں بطور انعام ایک حصہ بھی عنایت فرمایا۔
(حاشیہ الدولۃ المکیہ ص 167)

حضرت حسان کی ایک نعت:۔ اسی طرح مشہور مداح نبی حضرت حسان بن ثابت صحابی رضی اللہ عنہ کے دو نعتیہ اشعار بھی قابل سماعت اور بڑے ہی ایمان افروز ہیں جو زرقانی علی المواہب جلد (1) صفحہ 327 پر درج ہیں۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ حضرت حسان کیا فرماتے ہیں؟ سنئے۔

نَبِیٌّ یَرٰی مَا لَا یَرَ النَّاسُ حَوْلَهٗ
وَیَتْلُوْا کِتَابَ اللّٰهِ فِیْ کُلِّ مَشْهَدٖ
فَاِنْ قَالَ فِیْ یَوْمٍ مَقَالَةَ غَائِبٍ
فَتَصْدِیْقُهَا فِیْ ضَحْوَةِ الْیَوْمِ اَوْغِدًا

یعنی نبی اپنے گردو پیش میں وہ سب کچھ دیکھتے ہیں۔ جن کو دوسرے تمام انسان نہیں دیکھ پاتے ہیں اور نبی ہر جگہ خدا کی کتاب کی تلاوت فرماتے ہیں۔
اور اگر نبی کوئی غیب کی بات کسی دن فرمادیں تو آج یا کل کے روز روشن میں اس کی تصدیق ہو جاتی ہے:

حضرات گرامی! حضرت مالک بن عوف اور حضرت حسان بن ثابت دونوں صحابیوں نے حضور کے دربار میں ان اشعار کو پڑھا۔ جن کا مضمون یہ ہے کہ حضور غیب جانتے اور غیب کی خبر

دیتے ہیں مگر شہنشاہ رسالت نے ان اشعار کو سن کر نہ منع فرمایا۔ نہ ان دونوں سے توبہ کا مطالبہ فرمایا۔ بلکہ ان دونوں کے حسن عقیدت کے جذبات کی عزت افزائی فرماتے ہوئے خوشی کا اظہار فرمایا اور انعام عطا فرمایا۔ اگر واقعی ان شعروں کا مضمون شرک یا کم از کم غلط ہی ہوتا۔ تو خدا کی قسم ضرور ہمارے حضور ان دونوں سے توبہ کراتے اور ہرگز ہرگز کبھی بھی ان شعروں کو سننا گوارا نہ فرماتے۔

انصاری بچیوں کے گیت:۔ حضرات! حضرت مالک بن عوف اور حضرت حسان بن ثابت وغیرہ کا تو خیر بڑے بڑے صحابہ کبار میں شمار ہے۔ اجی۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور کے علم غیب کا مسئلہ دور صحابہ میں اتنا مشہور اور اس قدر شہرۂ آفاق تھا کہ ننھی ننھی بچیاں بھی اپنے اشعار اور گیتوں میں حضور کے علم غیب کے نغمے گایا کرتی تھیں۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میری شادی کے دن میرے گھر تشریف لائے تو بچیاں دف بجا بجا کر میرے ان باپ داداؤں کا مرثیہ پڑھنے لگیں۔ جو جنگ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ اسی درمیان میں اچانک ایک لڑکی نے نعت شریف کا یہ مصرعہ پڑھنا شروع کر دیا:۔

وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَّعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ

یعنی ہمارے درمیان وہ نبی ہیں جو کل آئندہ میں ہونے والی باتوں کو جانتے ہیں۔

فَقَالَ دَعِيْ هٰذِهٖ وَقُوْلِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ

(مشکوٰۃ باب اعلان النکاح)

یعنی حضور نے بچی کی زبان سے یہ مصرعہ سن کر فرمایا کہ اس مصرع کو رہنے دو اور وہی کہو جو کہہ رہی تھیں۔

برادران ملت! غور فرمایئے کہ یہ انصار کی بچیاں ہیں جو نہایت بے تکلفی کے ساتھ یہ مصرع گاتی ہیں کہ:۔

وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَّعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ

یعنی نبی غیب داں ہیں جو کل آئندہ کی بات جانتے ہیں۔

مسلمانو! یہ تجربہ ہے کہ بچوں بچیوں کی زبان پر وہی اشعار اور گانے چڑھ جاتے ہیں۔ جن

کا بڑوں میں بہت زیادہ چرچا رہا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مصرعہ ان بچیوں کا بنایا ہوا نہیں تھا بلکہ یقیناً کسی بڑے صحابی کا کہا ہوا مصرعہ تھا۔ جو اس قدر زبان زد خلائق اور مشہور آفاق ہو چکا تھا کہ چھوٹی چھوٹی بچیوں کو بھی یاد ہو گیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے بچی کی زبان سے یہ مصرعہ سنا لیکن نہ منع فرمایا۔ نہ یہ فرمایا کہ یہ مصرعہ شرک ہے یا گناہ ہے بلکہ صرف اتنا فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اور وہی شہدائے بدر کا مرثیہ پڑھو۔ جو تم پڑھ رہی تھیں۔ اگر اس شعر میں کوئی شرک یا گناہ کی بات ہوتی تو حضور پر بحیثیت نبی ہونے کے فرض تھا کہ اس سے منع فرماتے۔ لیکن آپ نے اس مصرعہ کو گناہ نہیں بتایا بلکہ چونکہ شہدائے بدر کے مرثیے سے آپ کو کیف آ رہا تھا۔ اس لئے آپ نے یہ فرمایا کہ یہ نہ پڑھو، بلکہ وہی پڑھو جو پہلے پڑھا جا رہا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اے دنیا بھر کے انصاف پسندو۔ للہ! انصاف کرو اور بتاؤ کہ اس حدیث میں کون سا ایسا لفظ ہے؟ جس سے یہ سمجھا جائے کہ حضور کے لئے کل آئندہ کا علم ماننا شرک ہے۔ بارہا ہماری آپ کی مجلسوں میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک قاری کوئی رکوع پڑھتا ہے۔ یا ایک نعت خواں کوئی نعت پڑھتا ہے۔ اور اہلِ محفل کو کیف حاصل ہوتا ہے۔ پھر ناگہاں وہی قاری یا نعت خواں کوئی دوسرا رکوع یا دوسری نعت شروع کر دیتا ہے۔ تو سب اہل مجلس پکار اٹھتے ہیں کہ آپ اس کو رہنے دیجئے اور جو پڑھ رہے تھے اسی کو پڑھتے رہیے۔ تو آپ ہی بتائیے؟ کہ اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ کہ قاری یا نعت خواں نے جو دوسرا رکوع یا دوسری نعت پڑھی وہ شرک یا گناہ یا غلط ہے۔ معاذ اللہ۔ پھر حضور کے ارشاد "دَعِیْ ھٰذِہٖ" کا یہ مطلب کس طرح ہو سکتا ہے؟ کہ "وَفِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ" شرک یا گناہ ہے۔

خلاصہ کلام:۔ بہر کیف برادران ملت! میری اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ رب العزت جل جلالہ نے جس طرح اپنے حبیب مکرم ﷺ کو بے شمار معجزات اور فضائل و کمالات سے سرفراز فرمایا ہے۔ اسی طرح آپ کو ماکان و مایکون یعنی ماضی و حال اور مستقبل کے علم غیب کا علمی خزانہ بھی عطا فرما دیا ہے۔ جو بلاشبہ آپ کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔

لیکن خوب اچھی طرح اس مسئلہ کو ذہن نشین کر لیجئے کہ ہم مسلمانان اہلسنت و جماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم غیب خداوند عالم کا عطا کیا ہوا ہے اور آپ کا یہ علم غیب رفتہ رفتہ بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ کا علم ماکان و مایکون اس وقت مکمل ہو گیا۔ جب

پورا قرآن نازل ہو گیا۔

علم نبوت کی تین قسمیں:۔ اور یہ بھی واضح کر دیتا ہوں کہ یہ بھی عقیدہ ہے کہ خداوند قدوس نے حضور کو تین قسم کے علوم عطا فرمائے تھے۔ ایک تو وہ علوم تھے کہ جنہیں امت کو بتا دینا آپ پر فرض تھا۔ جیسے تمام احکام اسلام دوسرے وہ علوم تھے جن کے بارے میں آپ کو خدا کی طرف سے یہ اختیار دیا گیا تھا کہ جس کو چاہئیں بتائیں اور جس سے چاہئیں چھپائیں۔ جیسے بہت سے رموز واسرار اور غیب کی خبریں کہ آپ نے خاص خاص صحابہ کو بتایا اور عام امتیوں سے پوشیدہ رکھا۔ تیرے وہ علوم ہیں جن کا تمام امت سے چھپانا آپ پر فرض تھا۔ جیسے قیامت کا سنہ اور حروف مقطعات اور آیات متشابہات۔ چنانچہ تفسیر روح البیان ج 3 ص 180 پر یہ حدیث تحریر ہے کہ:

فاورثنی علوم الاولین والاخرین وعلمنی علوماً شتیٰ فعلم اخذ عهداً علیٰ کتمه وهو علم لا یقدر علیٰ حمله غیری وعلم خیرنی فیه وعلم امرنی بتبلیغه الی الخاص والعام من امتی۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اولین و آخرین کے علوم کا وارث بنایا۔ اور مجھے چند قسم کے علوم عطا فرمائے۔ ایک وہ کہ خدا نے ان کے چھپانے کا مجھ سے عہد لیا اور یہ وہ علوم تھے کہ جن کے اٹھانے کی طاقت میرے سوا کسی میں نہیں تھی اور ایک وہ جن کے بتانے اور چھپانے کے بارے میں خدا نے مجھے اختیار دیا۔ اور ایک وہ علوم جن کے بارے میں خدا نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں ان علوم کو اپنی امت کے ہر خاص و عام تک پہنچا دوں۔

برادران ملت! الحاصل علم غیب مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ بالکل بے غبار اور ایمانی صداقت کی روشنی سے پرانوار ہے۔ اس لئے ہم ان لوگوں سے جو اپنے قلم کی نوک اور زبان کے خنجر سے امت مسلمہ کے ایمانی سکون و قرار کو غارت کرتے رہتے ہیں، مخلصانہ گزارش کرتے ہیں کہ للہ! آپ لوگ رسول کے علم غیب کا انکار کر کے مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر نہ کریں اور اتحاد و ملت کے مستحکم و مضبوط قلعہ کو اختلاف کے ڈائنامیٹ سے مسمار و ملیا میٹ نہ کریں۔ اور بارگاہ مصطفیٰ ﷺ کے علم کو گھٹا کر ان کے دربار عظمت میں سوء ادب کے گناہ عظیم سے باز رہ کر اپنی دنیا و آخرت کو ہلاکت و بربادی سے بچائیں اور مسلمانان اہل

سنت کو لازم ہے کہ اپنے عقائد حقہ پر انتہائی عزم واستقامت کے ساتھ قائم رہیں اور دربار نبوت کے گستاخوں سے ہمیشہ دور رہیں۔ مولیٰ عزّوجل ہم سب کو نیک توفیق عطا فرمائے اور استقامت کے ساتھ خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے (آمین)

وما علینا الا البلغ واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین
وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد والہ وصحبہ اجمعین ط

پانچواں وعظ

نعرۂ رسالت

غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل
یا رسول اللہ کی کثرت کیجئے

صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلِہٖ وسلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ نَبِیَّهُ الْمُصْطَفٰے عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعاً ۞ وَاَقَامَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعاً ۞ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ فَضَّلَهُ فِی الدَّارَیْنِ رَفِیْعاً ۞ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ اَصَابُوْا بِطَاعَتِهٖ فِی الْجَنَّةِ مَکَاناً عَلِیّاً ۞ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ ، وَالْفُرْقَانِ الْکَرِیْمِ ۞

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضاً ط قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذاً ج فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ط (نور : 63)

حضرات گرامی! میں اپنی تقریر سے پہلے حضرت مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمہ کا ایک سلام بارگاہ رسالت میں بطور نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہوں۔ آپ حضرات ایک ایک بار باآواز بلند درود سلام کا ورد فرمائیں۔

اللهم صل وسلم علٰی سیدنا محمد وعلٰی اله واصحابه وبارك وسلم صلوٰة وسلاماً علیك یا رسول الله وعلٰی الك واصحابك یا حبیب الله.

اے مدینے کے تاجدار سلام
اے غریبوں کے غمگسار سلام
تیری اک اک ادا پہ اے پیارے
سو درودیں فدا، ہزار سلام
میرے آقا پہ، میرے پیارے پر

میری جانب سے لاکھ بار سلام

میری بگڑی بنانے والے پر

بھیج اے میرے کردگار سلام

"ربِّ سَلِّمْ" کے کہنے والے پر

جان کے ساتھ ہو نثار سلام

پردہ میرا نہ فاش حشر میں ہو

اے مرے حق کے رازدار سلام

عرض کرتا ہے یہ حسن تیرا

تجھ پہ اے خلد کی بہار سلام

محترم حاضرین! سورۂ نور کی اس نورانی آیت میں رب العزت جل وعلا نے اپنے حبیب مکرم نور مجسم ﷺ کے دربار نبوت کا ایک بڑا ہی پر نور ادب ہم بندوں کو سکھایا ہے۔ جو درحقیقت شان ایمان بلکہ ایمان کی جان ہے۔

حضرات! خالق کائنات جل جلالہ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً ط

یعنی اے ایمان والو! تم لوگ رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا کہ آپس میں تم لوگ ایک دوسرے کو پکارتے ہو!

میرے بزرگو! اس نورانی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ اس آیت پاک کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ ایمان والو! جب رسول کریم تم لوگوں کو پکاریں۔ تو تم لوگ میرے رسول کی پکار کو ایسا مت سمجھو جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے پکارنے کو سمجھتے ہو۔ کیونکہ تم لوگ کسی کی پکار پر حاضر ہوتے ہو، کبھی نہیں۔ کبھی کسی کی پکار کو ٹال دیتے ہو، کبھی کسی کی پکار کو سنی ان سنی کردیتے ہو۔ مگر محبوب خدا کی پکار کی تو یہ اہمیت و عظمت ہے کہ وہ جب تم کو پکاردیں تو تم پر فرض ہو جاتا ہے کہ تم جہاں بھی رہو۔ جس حال میں بھی رہو جس کام میں بھی رہو۔ فوراً ہی رسول کی پکار پر دوڑ کر حاضر ہو جاؤ۔ اور خبردار۔ خبردار۔ کبھی ہرگز ہرگز رسول کو پکار پر حاضری دینے میں اک ذرا دیر نہ لگاؤ ورنہ تمہارے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال گناہوں کے

وبال میں گرفتار ہو جائے گا اور تم پر قہر ذوالجلال کی ایسی ایمان سوز بجلی گر پڑے گی کہ تم دونوں جہاں میں خراب و خستہ حال ہو جاؤ گے۔ کیوں نہ ہو؟ کہ رسول مکرم خدا کے نائب اکرم اور خلیفۃ اللہ الاعظم ہیں اس لئے رسول کی پکار در حقیقت خدا کی پکار ہے۔ لہٰذا کہاں تمہاری پکار؟ اور کہاں رسول کی پکار؟ دونوں میں بڑا فرق ہے ۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یادِ محمد یادِ خدا ہے

دعوت حق ہے بلاتے یہ ہیں

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم لوگ میرے رسول کو اس طرح نہ پکارا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارا کرتے ہو بلکہ جب تم لوگ میرے رسول کو پکارو تو نہایت ہی تعظیم و تکریم اور نرم آواز کے ساتھ انتہائی متواضعانہ و منکسرانہ لہجہ میں "یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، یا حبیب اللہ" کہہ کر پکارا کرو۔ (کنز الایمان وغیرہ)

برادرانِ ملت! اس آیت میں یا پورے قرآن کی کسی آیت میں بھی خداوند قدوس نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اے مسلمانو! تم لوگ میرے رسول کو مت پکارو بلکہ یہ فرمایا ہے کہ تم لوگ میرے رسول کو پکارو! مگر ہاں! یہ دھیان رکھو کہ میرے رسول کو اس طرح نہ پکارو جیسے کہ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو پکارا کرتے ہو۔ بلکہ تم پر فرض ہے کہ تم انہیں ایسے انداز خطاب اور معزز القاب سے پکارو۔ جو ان کی عظمت شان کے شایان شان اور تمہاری والہانہ عقیدت اور نیاز مندی کا نشان ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں کے آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے کے جتنے طریقے ہیں، ان طریقوں سے رسول کو پکارنا حرام و گناہ ہے کیونکہ تم لوگوں کے آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے کے عام طور پر یہ طریقے ہیں کہ کبھی تم لوگ رشتوں کے ساتھ ایک دوسرے کو پکارتے ہو، جیسے اے باپ، اے ماں، اے بھائی، اور کبھی نام یا کنیت سے پکارتے ہو۔ جیسے اے زید، اے عمرو، اے فلاں کے باپ، اے فلاں کے بیٹے۔ کبھی پیشوں کے ساتھ پکارا کرتے ہو۔ جیسے اے سنار، اے لوہار، اے مزدور۔

تو مسلمانو! قرآن کی یہ آیت لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط نے یہ بتا دیا کہ خبردار تم لوگ جن طریقوں سے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو

ان طریقوں سے کبھی بھی ہر گز ہر گز رسول کو نہ پکارنا بلکہ ہمیشہ انہیں ایسے طرز خطاب اور گراں قدر القاب سے پکارا کرو جس سے کمال ادب اور حسن تعظیم کی جلالت نمودار ہو اور رسول کی عظمت و وقار اور رفعت و اقتدار کا اظہار ہوتا ہو۔ چنانچہ عارف باللہ حضرت علامہ احمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

"لَا تُنَادُوْ بِاسْمِهٖ فَتَقُوْلُوْا يَا مُحَمَّدُ وَبِكُنْيَتِهٖ فَتَقُوْلُوْا يَااَبَالْقَاسِمَ بَلْ نَادُوْهُ بِالتَّعْظِيْمِ وَالتَّكْرِيْمِ وَالتَّوْقِيْرِ"

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام یا کنیت لے کر نہ پکارو بلکہ ان کو تعظیم و تکریم اور توقیر کے ساتھ پکارو۔ "بِاَنْ تَقُوْلُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا نَبِيَ اللّٰهِ يَا اِمَامَ الْمُرْسَلِيْنَ" یعنی انہیں یہ کہہ کر پکارو کہ یارسول اللہ، یانبی اللہ، یاامام المرسلین۔

"وَاسْتُفِيْدَ مِنَ الْاٰيَةِ اَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ نِدَاءُ النَّبِيِّ بِغَيْرِ مَا يُفِيْدُ التَّعْظِيْمَ لَا فِيْ حَيَاتِهٖ وَلَا بَعْدَ وَفَاتِهٖ"

یعنی اس آیت سے یہ سمجھ لیا گیا کہ حضور کو بجز ان القاب کے جن سے تعظیم ظاہر ہوتی ہو کسی دوسرے لفظ سے پکارنا جائز نہیں ہے اور یہ حکم حضور کی حیات پاک میں بھی تھا اور آپ کی وفات کے بعد بھی یہی حکم ہے۔

"فَبِهٰذَا يُعْلَمُ اَنَّ مَنِ اسْتَخَفَّ بِجَنَابِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ كَافِرٌ مَلْعُوْنٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" (صاوی ج3 ص149)

یعنی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس جناب میں کوئی بے ادبی کرے وہ کافر اور دنیا و آخرت میں ملعون ہے۔

سبحان اللہ، سبحان اللہ، خداوند قدوس حضرت علامہ صاوی کی قبر منور کو اپنی رحمت کے پھولوں سے بھر دے کہ آپ نے کتنی نفیس اور ایمان افروز تقریر تحریر فرمائی ہے اور "لَا فِيْ حَيَاتِهٖ وَلَا بَعْدَ وَفَاتِهٖ" فرما کر قیامت تک کے لئے اس مسئلہ کو صاف فرما دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات و وفات دونوں ہی حالتوں میں انہیں ایسے نفیس انداز خطاب اور ایسے شاندار القاب سے پکارا جائے کہ جس میں تعظیم و تکریم کا اعلان اور عظمت و احترام کا اظہار ہوتا ہو اور وہ معزز القاب یہ ہیں کہ انہیں یارسول اللہ، یاحبیب اللہ، یاامام المرسلین کہہ کر پکارا جائے

اور ہر گز ہر گز ان کا نام لے کر، یا کوئی رشتہ جوڑ کر یا کسی ایسے لفظ سے انہیں نہ پکارا جائے جس سے عظمت کا اظہار نہ ہوتا ہو۔ چنانچہ صحابہ کرام کی پوری تاریخ زندگی کا مطالعہ کرو۔ صحابہ کرام میں رسول کے طرح طرح کے رشتہ دار موجود تھے۔ حضرت عباس و حضرت حمزہ چچا تھے حضرت علی چچازاد بھائی تھے۔ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم خسر تھے۔ حضرت عثمان غنی داماد تھے۔ مگر خدا کی قسم! اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی کہ کبھی حضرت عباس یا حضرت حمزہ نے رسول کو اے بھتیجے کہہ کر پکارا ہو۔ یا حضرت علی نے اے بھائی! کہہ کر پکارا ہو۔ یا حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم نے اے داماد کہہ کر پکارا ہو بلکہ ہر ایک نے جب بھی پکارا تو یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ ہی کہہ کر پکارا۔ اسی طرح ان میں سے کسی نے بھی کبھی نہ یا محمد کہہ کر پکارا۔ نہ یا ابا القاسم۔ نہ یا ابن عبد اللہ کہہ کر پکارا۔ ہاں البتہ اس آیت کے نزول سے پہلے بعض صحابہ کبھی یا محمد اور یا ابا القاسم کہہ کر پکارتے تھے۔ مگر اس آیت کے اترنے کے بعد کسی نے بھی کبھی آپ کو نام لے کر نہیں پکارا۔

رسول کو رشتوں سے پکارنا:۔ برادران ملت! رسول کے رشتہ داروں کے لئے یہ بھی جائز نہیں تھا کہ وہ رسول کو اپنا رشتہ جوڑ کر پکاریں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ ذرا غور سے سنئے:

جس وقت کوئی امام امامت کے لئے مصلے پر کھڑا ہوتا ہے تو اس کے پیچھے مقتدیوں میں امام کا باپ، امام کا دادا، امام کا بھائی، امام کا بیٹا بھی ہوتا ہے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہر مقتدی نیت باندھتے وقت یہی کہے گا کہ "اِقْتَدَیْتُ بِھٰذَا الْاِمَامِ" یا اردو میں کہے گا کہ "پیچھے اس امام کے" اب اگر امام کا باپ نیت باندھتے وقت بجائے پیچھے اس امام کے، یہ کہے کہ "پیچھے اپنے بیٹے کے۔" دادا کہے "پیچھے اپنے پوتے کے" بھائی کہے کہ "پیچھے اپنے بھائی کے" بیٹا کہے کہ "پیچھے اپنے باپ کے" تو کیا اس طرح کہنے سے اقتداء کی نیت درست ہو جائے گی؟ ہر گز نہیں۔ بلکہ اقتداء کی نیت اسی وقت درست ہو گی۔ جب امام کا باپ اس کا دادا، اس کا بھائی، اس کا بیٹا سب یہی کہیں کہ "پیچھے اس امام کے" کیوں؟ اس لئے کہ امام جب امامت کے مصلے پر کھڑا ہو گیا۔ تو اب اس کو کسی رشتہ سے یاد کرنا ہی جائز نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص کے لئے خواہ اس کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو اس کو امام ہی کہنا لازم ہے تو اسی طرح جب خدا نے اپنے حبیب کو سارے عالم کا امام بنا کر

رسالت کے مصلے پر کھڑا کر دیا تو سارے عالم کو اگرچہ وہ رسول کے کتنے ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں۔ اب انہیں رسول ہی کہنا پڑے گا اور یا رسول اللہ کہہ کر ہی انہیں پکارنا ضروری ہوگا۔

یا یوں سمجھ لو کہ ہائی کورٹ کا جج یقیناً کسی کا باپ، کسی کا بیٹا، کسی کا پوتا ہے مگر جب وہ ہائی کورٹ میں کرسی عدالت پر بیٹھ گیا تو ہر شخص اس کو جج صاحب ہی کہہ کر پکارے گا۔ اگر عدالت میں اس کا باپ، دادا یا بیٹا کوئی مقدمہ لے کر جائے گا تو ان سب کو بھی از روئے قانون "جج صاحب" ہی کہہ کر پکارنا پڑے گا۔ اگر جج کے باپ نے جج کو عدالت میں بیٹا کہہ کر پکارا یا دادا نے پوتا کہہ کر پکارا یا بیٹے نے "ابا" کہہ کر پکارا تو ان سب پر توہین عدالت کا مقدمہ چل جائے گا اور یہ لوگ سزایاب ہو جائیں گے۔ اس طرح جب احکم الحاکمین نے اپنے محبوب کو رسالت کی اعلیٰ مسند پر رونق افروز فرمایا اور ان کو رسول کے معزز عہدہ سے سرفراز فرما دیا۔ تو اب رسول کے رشتہ دار ہوں، یا غیر رشتہ دار ہر ایک پر فرض ہے کہ انہیں رسول ہی کہے اور انہیں یا رسول اللہ کہہ کر ہی پکارے۔ اگر کوئی انہیں بھائی، یا بھتیجا کہہ کر پکارے گا تو یقیناً احکم الحاکمین کی عدالت اس کو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دے گی اور سزا دے گی۔

نعرۂ رسالت:۔ برادران ملت! قرآن کی اس آیت اور علامہ صاوی کی تفسیر سے ثابت ہو گیا کہ ہم اہل سنت کا نعرۂ رسالت "یا رسول اللہ" قرآن سے ثابت اور قرآن کے مطابق ہے۔ کیونکہ اس آیت میں خداوند عالم کا یہی ارشاد ہے کہ تم لوگ رسول کو ان کی ظاہری حیات میں بھی اور وفات کے بعد بھی پکارو۔ مگر جب بھی پکارو تو انتہائی تعظیم کے ساتھ انہیں یا رسول اللہ، یا نبی اللہ یا دوسرے عظمت والے القاب سے پکارو۔

بہر کیف یا رسول اللہ کا نعرہ یقیناً ایک ایمانی و اسلامی نعرہ ہے جو بلاشبہ "شعائر اسلام" کہلانے کا مستحق ہے اور یہ اتنا قدیمی نعرہ ہے کہ دور صحابہ میں بھی اس کا چرچا تھا اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک بلکہ قیامت کے دن بھی یہ نعرہ فضائے عالم میں گونجتا ہی رہے گا اور اہل ایمان اس نعرہ پر مچلتے اور بے ایمان اس سے جلتے رہیں گے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ۔

غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل
یا رسول اللہ! کی کثرت کیجئے

برادران ملت! صحابہ کرام نے بھی انتہائی جذبہ عقیدت اور جوش محبت میں "یارسول اللہ" کا نعرہ لگایا ہے۔ چنانچہ مسلم شریف جلد دوم باب حدیث الہجرۃ میں حضرت براء بن عاذب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔

"فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُيُوْتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخُدَّامُ فِي الطُّرُقِ يُنَادُوْنَ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ"

یعنی مرد اور عورتیں چھتوں پر چڑھ کر اور بچے اور غلام گلی کوچوں میں متفرق ہو کر یہ نعرہ لگاتے تھے کہ یا محمد یارسول اللہ، یا محمد یارسول اللہ۔

نبی یا ولی کو پکارنا:۔ عزیزان ملت! بعض لوگ اس دور میں یہ کہا کرتے ہیں کہ کسی نبی یا ولی کو دور سے یہ سمجھ کر پکارنا کہ وہ ہماری آواز کو سن لیتے ہیں۔ یہ شرک ہے۔ کیونکہ دور کی آواز سننا خدا ہی کی صفت ہے۔

مسلمانو! خدا گواہ ہے کہ مجھے ان لوگوں کی اس بے تکی بات پر غصہ بھی آتا ہے اور پھر ان پڑھے لکھے جاہلوں کی جہالت کو سوچ سوچ کر ہنسی بھی آجاتی ہے۔ مسلمانو! میں کہتا ہوں کہ اولاً تو یہی کہنا غلط ہے کہ دور سے کسی آواز کو سننا یہ خدا ہی کی صفت ہے میں کہتا ہوں اور باآواز بلند کہتا ہوں اور زندگی کی آخری سانس تک کہتا رہوں گا کہ دور سے سننا ہرگز خدا کی صفت نہیں ہے۔ کیونکہ دور سے آواز تو وہ سنے گا جو پکارنے والے سے دور ہو گا اور خداوند تعالیٰ کا تو یہ ارشاد ہے کہ:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

یعنی ہم تو بندوں کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ط"

یعنی اے محبوب جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں یہ پوچھیں کہ میں دور ہوں یا قریب؟ تو آپ ان سے فرمادیں کہ میں قریب ہوں۔

مسلمانو! سوچو کہ خداوند کریم ہر شخص سے قریب ہے تو ہر شخص کی آواز اس سے قریب ہوگی یا دور؟ جب ہر شخص کی آواز اس سے قریب ہی ہے تو پھر ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر آواز کو

قریب سے سنتا ہے۔ اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ دور کی آواز سننا بھی خدا کی صفت ہے تو قریب کی آواز سننا بھی تو خدا کی صفت ہے۔ تو پھر چاہئے کہ قریب والے کو بھی سننے والا سمجھ کر نہ پکارو۔ ورنہ شرک ہو جائے گا۔ تو پھر نہ کسی قریب والے کو پکارو، نہ کسی دور والے کو پکارو اور سب کو بہرا سمجھ لو اور خود گونگے بنے بیٹھے رہو۔

مسلمانو! ذرا سوچو تو سہی کہیں ٹھکانہ ہے اس ہمالیہ سے بڑی جہالت کا؟ ہم ہزاروں میل دور بیٹھنے والے شخص سے یہ سمجھ کر ٹیلی فون پر گفتگو کرتے اور اس کو پکارتے ہیں کہ وہ ہماری آواز سن رہا ہے۔ تو کیا ایسا سمجھنے سے ہم مشرک ہو جاتے ہیں؟ اگر بجلی کی طاقت سے ہزاروں میل دور والا ٹیلی فون کے ذریعے ہماری پکار کو سن سکتا ہے۔ تو کیا نبی اپنی نبوت اور ولی اپنی ولایت کی خداداد طاقت سے دور کی آواز نہیں سن سکتا! کیا بجلی اور ٹیلی فون کی طاقت، نبوت اور ولایت کی طاقت سے بڑھ کر ہے (معاذاللہ)

نماز میں نبی کو سلام:۔ مسلمانو! پھر غور کیجئے کہ کون مسلمان نہیں جانتا؟ کہ نماز میں التحیات پڑھنا واجب ہے۔ بتایئے؟ کہ التحیات میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ" ہے یا نہیں؟ قیامت تک ہر نمازی خواہ وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں، شمال میں ہو یا جنوب میں، رسول سے ہزاروں میل دور ہو یا رسول سے بالکل قریب ہو، اس پر واجب ہے کہ وہ رسول کو پکار کر سلام عرض کرے اور یوں کہے "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ" یعنی اے نبی آپ پر میرا سلام ہو۔ پھر حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب احیاء العلوم جلد اول باب چہارم فصل سوم نماز کی باطنی شرطوں میں بیان فرمایا ہے کہ:

"وَاحْضِرْ فِیْ قَلْبِكَ النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَشَخْصَهُ الْكَرِیْمَ وَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ"

یعنی نماز میں اپنے دل کے اندر نبی علیہ السلام کو اور آپ کی بزرگ ذات کو حاضر جانو اور کہو کہ "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ"۔

مسلمانو! بتاؤ۔ کیا یہ دور سے پکارنا نہیں ہے؟ پھر یہ کیسا شرک ہے؟ کہ بغیر اس کے نماز ہی نہیں ہوتی۔

بھائیو! میں تو حیران ہوں کہ آخر ان لوگوں کی نماز کیسے اور کس طرح ہوتی ہے؟ ان کا

عقیدہ تو یہ ہے کہ نبی کو دور سے پکارنا شرک ہے اور نماز میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ" پڑھ کر نبی کو پکارنا واجب ہے۔ تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ لوگ نماز میں التحیات پڑھیں گے یا نہیں۔ اگر التحیات پڑھیں گے تو مشرک ہو جائیں گے اور اگر نہیں پڑھیں گے تو نماز ہی نہیں ہو گی۔ افسوس۔ بالکل سچ کہا کسی حقیقت شناس شاعر نے کہ

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

یعنی معمار جب پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھ دے تو ثریا تک دیوار ٹیڑھی ہی جائے گی۔

ان لوگوں کی یہی اینٹ ٹیڑھی ہو گئی ہے کہ نبی یا ولی کو پکارنا شرک ہے۔ اس لئے اس اینٹ پر جتنی دیوار بھی یہ لوگ بنائیں گے وہ ٹیڑھی ہوتی چلی جائے گی۔

مسلمانو! سیدھی اینٹ تو یہ ہے کہ نبی کو دور یا نزدیک سے پکارنا ہرگز ہرگز شرک نہیں بلکہ یہ اللہ و رسول کا فرمان ہے کہ تم نبی کو دور و نزدیک ہر جگہ سے پکارو۔

ایک عجیب دعا: چنانچہ ابن ماجہ شریف جو صحاح ستہ میں داخل ہے اور سنی و دیوبندی تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کتاب کے باب "صلوٰۃ الحاجۃ" میں عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک نابینا دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور دعا کے خواستگار ہوئے۔ تو حضور سید عالم ﷺ نے انہیں یہ دعا تعلیم فرمائی کہ:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ لِتُقْضٰی اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ قَالَ اَبُوْ اِسْحَاقَ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ"

یعنی اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف نبی رحمت حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد ﷺ میں نے آپ کے ذریعے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کی میری یہ حاجت پوری ہو جائے۔ اے اللہ! میرے لئے حضور کی شفاعت کو قبول فرما۔

مسلمانو! حضور اقدس ﷺ نے قیامت تک کے لئے یہ دعا مسلمانوں کو سکھائی ہے اس میں حضور کو پکارنا بھی ہے اور حضور سے مدد مانگنی بھی ہے۔ یہ دعا مسلمان دور سے، نزدیک سے

حضور کی ظاہری حیات میں، اور ان کی وفات کے بعد، قیامت تک مانگتے رہیں گے اور نبی کو پکارتے اور ان سے مدد طلب کرتے رہیں گے۔

مسلمانو! خدا کے لئے مجھے بتاؤ؟ کیا نبی آخر الزمان نے اپنی امت کو شرک کی تعلیم دی ہے؟ توبہ نعوذ باللہ! نبی تو دنیا میں شرک کو مٹانے کے لئے بھیجے گئے ہیں، نہ کہ شرک پھیلانے کے لئے۔ مگر افسوس! کہ ان نادانوں نے اس طرح شرک کا کیچڑ اچھالا کہ نہ صرف صالحین امت پر شرک کا دھبہ لگایا بلکہ نبی کے دامن عصمت کو بھی داغ دار کر ڈالا اور ملت اسلامیہ کے پرچم وحدت کو تار تار کر ڈالا۔

حضرات گرامی! فتاویٰ عالمگیری جلد اول کتاب الحج زیارت قبر نبوی کے آداب اور فقہ کی دوسری کتابوں میں صاف صاف یہ حکم شریعت لکھا ہوا ہے کہ روضہ منور کے حضور میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" اور حضرت صدیق اکبر کی قبر انور کے سامنے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ" اور حضرت فاروق اعظم کی قبر معظم کے روبرو "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ" کہہ کر سلام عرض کرنا چاہیے۔

مسلمانو! بتاؤ؟ کیا یہ نبی اور ولیوں کو پکارنا نہیں ہے؟ اگر نبی یا ولی کو پکارنا شرک ہوتا تو یہ فقہائے امت کس طرح اس کا حکم دے سکتے تھے۔

مسلمانو! اس موقع پر بھی منکرین کی ایک لمبی چوڑی جہالت سنئے: یہ لوگ ان عبارتوں کو سن کر کہہ دیا کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" کہنا جائز درست ہے۔ کیوں کہ نبی سلام کرنے والے کے قریب ہیں مگر مدینہ سے دور ہندوستان وغیرہ میں یہ کہنا شرک ہے۔ کیونکہ نبی ہندوستان سے بہت دور ہیں۔

مسلمانو! دیکھا آپ نے؟ کیا اس پاگل پن کا بھی کوئی علاج ہے؟ کہ ایک چیز مدینے میں تو شرک نہ ہو اور ہندوستان میں شرک ہو۔ کیا دنیا میں اس کی کوئی اور مثال ہے؟ کہ کوئی عمل ایک شہر میں تو شرک ہو اور دوسرے شہر میں جائز ہو۔ اے بھائیو۔ جو چیز شرک ہوگی وہ تو زمین و آسمان میں ہر جگہ شرک ہی ہوگی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ ایک ہی چیز ایک شہر میں تو شرک ہو اور دوسرے شہر میں جائز ہو مگر بھائی کمال ہے ان مولویوں کے اندھے مقلدین کا کہ ان کے مولوی جو کچھ ان لوگوں کو سمجھا دیتے ہیں۔ بس یہ لوگ آنکھ بند کر کے اس کو تسلیم کر لیتے ہیں۔

در حقیقت ان لوگوں کی مثال بالکل اس چالاک عورت اور اس کے بدھو شوہر کی ہے۔ جو اپنی چرب زبانی سے شوہر کا منہ بند کئے ہوئے تھی۔

دلچسپ لطیفہ:۔ غالباً آپ لوگوں نے سنا ہوگا کہ ایک بدھو میاں نے کسی عورت سے نکاح کیا اور نکاح کے دن سے ٹھیک تین مہینے پر اس عورت کے بچہ پیدا ہو گیا۔ جب شہر میں اس کا غوغا ہوا اور لوگوں نے بدھو میاں سے کہا کہ :اجی! یہ تین ہی مہینے میں تمہارا بیٹا کیسے پیدا ہو گیا؟ تو بدھو میاں کے کان بھی کھڑے ہوئے اور بیوی سے کہا کہ بیگم! یہ تو بتاؤ! کہ تین ہی مہینے میں تمہارے لڑکا کیسے پیدا ہو گیا؟ چالاک عورت نے تڑپ کر کہا کہ تم بڑے بے وقوف ہو۔ کون کہتا ہے کہ تین مہینے میں لڑکا پیدا ہوا ہے؟ لڑکا تو پورے نو مہینے میں پیدا ہوا ہے۔ بدھو میاں نے کہا کہ وہ کیسے؟ بیگم نے کہا کہ افسوس۔ تم کو حساب تو بالکل آتا ہی نہیں۔ اچھا تم یہ بتاؤ؟ کہ تمہارے نکاح کو کتنے دن ہوئے؟ بدھو میاں نے کہا کہ تین مہینے۔ پھر بیگم نے کہا اور میرے نکاح کو کتنے دن ہوئے؟ بدھو میاں نے جواب دیا کہ تین مہینے۔ پھر بیگم نے کہا کہ اور لڑکا کتنے مہینے میں پیدا ہوا؟ بدھو میاں نے جواب دیا کہ تین مہینے میں۔ پھر بیگم نے کہا کہ اب حساب جوڑ لو۔ تین مہینے تمہارے نکاح کو ہوئے۔ اور تین مہینے میرے نکاح کو ہوئے۔ چھ مہینے ہو گئے اور تین مہینے میں لڑکا ہوا۔ اب کہو پورے نو مہینے ہو گئے یا نہیں؟ یہ حساب کا بیورا سن کر بدھو میاں ریشہ خطمی بن گئے اور کہنے لگے کہ ہاں اب میں سمجھ گیا۔ تین کو تین میں ضرب دینے سے پورے نو ہو جاتے ہیں۔ بس اس کے بعد اب جو بھی بدھو میاں سے کہتا کہ تین مہینے میں لڑکا کیسے ہو گیا۔ تو بدھو میاں لڑنے کو تیار ہو جاتے اور یہی کہتے کہ تم کو حساب تو آتا نہیں۔ اور آ گئے اعتراض کرنے۔ میں نے حساب سمجھ لیا ہے کہ لڑکا پورے نو مہینے میں پیدا ہوا ہے۔ دنیا کہتے کہتے تھک گئی مگر بدھو میاں یہی کہتے رہے کہ میں نے حساب سمجھ لیا ہے۔ لڑکا نو مہینے میں پیدا ہوا ہے۔

مسلمانو! بس یہی حال ان اندھے مقلدین کا ہے کہ ان کے مولویوں نے ان کو ایسا اوندھا حساب سمجھا دیا ہے کہ "ابجد ہوز" قسم کے بدھو۔ لاکھ ان کو سمجھاتے رہو کہ نبی یا ولی کو پکارنا شرک نہیں ہے۔ مگر یہ لوگ یہی کہتے رہیں گے کہ صاحب! ہمارے مولوی جی نے ہم کو یہ سمجھا دیا ہے کہ "غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے۔" اس لئے اب ہم کسی عالم کی کوئی بات سننے اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

بزرگان دین کا عمل:۔ بہر کیف مسلمانو! نبی یا ولی کو دور سے پکارنا ہرگز ہرگز شرک نہیں۔ بلکہ ان اللہ والوں کو دور سے پکارنا دور صحابہ سے آج تک بزرگان دین کا معمول رہا ہے اور انشاء اللہ تعالٰی قیامت تک بلکہ قیامت میں بھی یہ عمل خیر جاری رہے گا۔

مسلمانو! اگر میں اس مجلس میں یہ سنانا شروع کر دوں کہ کن کن بزرگوں نے مدینہ سے دور ہوتے ہوئے رسول کو پکارا ہے۔ اور مدد طلب کی ہے۔ تو تو سارا وقت اسی میں خرچ ہو جائے گا مگر پھر بھی بات آگئی ہے تو بطور نمونہ چند اشعار سن ہی لیجئے۔

اہل بیت نبوت کے روشن چراغ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کربلا سے واپسی پر اپنے ایک قصیدہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استمداد کرتے ہوئے عرض فرماتے ہیں کہ ۔

يَا رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ اَدْرِكْ لِزَيْنِ الْعَابِدِيْنَ

مَحْبُوْسِ اَيْدِى الظَّالِمِيْنَ فِىْ مَوْكِبٍ وَّالْمُنْرَدَحَمْ

یعنی اے رحمۃ للعالمین! زین العابدین کی مدد کیجئے۔ جو سواروں کے ہجوم کے اندر ظالموں کے ہاتھوں میں قید ہے۔

اسی طرح حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جن کے ہم اور آپ ہی نہیں بلکہ تین چوتھائی دنیا جن کی مقلد ہے۔ اپنے ایک قصیدہ میں عرض کرتے ہیں کہ ۔

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِداً

اَرْجُوْا رِضَاكَ وَاحْتَمِىْ بِحِمَاكَ

یعنی اے سرداروں کے سردار! میں دلی قصد کے ساتھ آپ کے حضور آیا ہوں۔ اور اپنے آپ کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

اسی طرح قصیدہ بردہ شریف میں حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے کہ ۔

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِىْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ

سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

یعنی اے تمام مخلوق میں سب سے زیادہ بزرگ! آپ کے سوا میرا کوئی نہیں ہے کہ میں مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں۔

حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ جن کے عاشق رسول اور ولی ہونے میں کوئی شبہ نہیں! ان

کا بھی ایک کیف آور شعر سن لیجئے۔

زمہجوری برآمد جان عالم
ترحم یا نبی اللہ! ترحم

آپ کی جدائی میں عالم کی جان نکل رہی ہے۔ اے اللہ کے نبی رحم فرمائیے۔ رحم فرمائیے۔

حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامتوں اور ان کی ولایت کو کون نہیں جانتا؟ وہ کس طرح حضور اقدس ﷺ کو پکارتے ہیں۔ ذرا یہ بھی سن لیجئے۔

یا رسول اللہ حبیب خالق یکتا توئی
برگزیدہ ذو الجلال پاک بے ہمتا توئی

سبحان اللہ۔ مسلمانو! دیکھ لو۔ ان سب بزرگوں نے اپنے اپنے اشعار میں حضور جان عالم ﷺ کو ان کی وفات کے بعد دور دور سے پکارا۔ بھی ہے اور مدد بھی طلب کی ہے۔ اب کہیے ؟ کیا ہے کسی میں ہمت ؟ جو ان دینداری اور ایمان کے پہاڑوں پر شرک کا فتویٰ لگا دے۔ کون ہے جو ان بزرگان دین کو مشرک کہہ سکتا ہے ؟ توبہ نعوذ باللہ منہ۔

اور سنیے: مدرسہ دیوبند کے بانی اول مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحب دربار رسالت میں کیا عرض کرتے ہیں ؟

کرم کر اے کرم احمدی! کہ تیرے سوا
جنہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

اور سنیے! سنی و دیوبندی دونوں جماعتوں کے پیر جناب حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کس طرح سرکار مدینہ ﷺ کے دربار میں رسول کو پکار کر استمداد و استغاثہ کیا ہے

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
تم اب چاہو ڈباؤ، یا تراؤ "یا رسول اللہ"

مسلمانو! کہاں ہیں وہ لوگ ؟ جو ہم غریب سنی مسلمانوں کو "یا رسول اللہ" کا نعرہ لگانے پر مشرک کہا کرتے ہیں۔ ذرا اپنے گھر کی خبر لیں کہ ان کے تیروں سے کون کون اور کیسے کیسے لوگ زخمی ہو رہے ہیں۔ ہم تو ان اناڑیوں سے اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں ؟ کہ

یوں چلے آؤ نہ برچھی تان کر
اپنا بے گانہ ذرا پہچان کر

دور سے پکارنا شرک نہیں:۔ حضرات گرامی! اب میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ پر کچھ اور بھی روشنی ڈال دوں کہ کسی نبی یا ولی کو دور سے پکارنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ میری آواز انہیں سنادے گا۔ ہرگز ہرگز یہ شرک نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہو چکے تو خداوند عالم نے ان کو یہ حکم دیا کہ:

"وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ." (حج)

یعنی اے ابراہیم! آپ تمام لوگوں میں حج کی ندا کر دیجئے۔ لوگ آپ کے پاس آئیں گے پیادہ اور ہر لاغر اونٹنی پر کہ وہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔

چنانچہ تفسیر جلالین شریف میں اسی آیت کے تحت لکھا ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کوہ ابو قبیس پر چڑھ گئے اور اس طرح پکارا کہ:

يَآيُّهَا النَّاسَ اِنَّ رَبَّكُمْ بَنىٰ بيتاوا وجب عليكم الحج فاجيبوا ربكم

یعنی اے انسانو! تمہارے رب نے ایک گھر بنوایا ہے اور تم لوگوں پر حج فرض کیا ہے لہٰذا تم لوگ اپنے رب کی پکار کو قبول کرو۔ آپ نے اتر، دکھن، پورب پچھم چاروں طرف منہ کر کے یہ ندا فرمائی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس پکار کو تمام عالم میں پہنچا دیا اور سب نے سن کر جواب بھی دیا۔ چنانچہ صاحب جلالین فرماتے ہیں کہ:

فَاَجَابَهٗ كُلُّ مَنْ كُتِبَ لَهٗ اَنْ يَّحُجَّ مِنْ اَصْلَابِ الرِّجَالِ وَاَرْحَامِ الْاُمَّهَاتِ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ (جلالین)

یعنی ہر وہ شخص جس کی تقدیر میں حج لکھا تھا۔ یہاں تک کہ جو لوگ ابھی مردوں کی پیٹھوں اور عورتوں کی بچہ دانیوں میں تھے سب نے اس پکار کے جواب میں "لبيك اللهم لبيك" کہا۔

برادران ملت! غور فرمایئے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ مکرمہ کے پہاڑ پر کھڑے ہو کر تمام عالم کے انسانوں کو دور سے پکارا اور تمام انسانوں تک خدا نے ان کی اس پکار کو پہنچا دیا اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام حجاج نے اس پکار کا جواب بھی دیا۔ اب

آپ ہی بتایئے ؟ کہ اگر دور سے کسی کو پکارنا شرک ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خداوند عالم کس طرح اس کا حکم دیتا؟ اور کس طرح بھلا خدا کے ایک اولوالعزم پیغمبر ایک شرک کے مرتکب ہوتے؟

برادران ملت! اس سے پتہ چلتا ہے کہ نہ تو کسی کو دور سے پکارنا شرک ہے۔نہ یہ عقیدہ رکھنا شرک ہے کہ اللہ تعالیٰ میری پکار دور والوں کو سنادے گا۔

مسلمانو! بھلا کسی کو دور سے پکارنا کیونکر شرک ہوسکتا ہے؟

غیر اللہ سے استعانت:۔ جب کہ خود حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کو حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اگر کہیں مدد طلب کرنے کی ضرورت پیش آجائے۔ تو اللہ کے بندوں کو پکار کران سے امداد طلب کرو۔چنانچہ حصن حصین شریف صفحہ 202 پر ایک حدیث ہے کہ:

اذا ارا دعونا فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی

یعنی اگر کوئی مسلمان کسی بیابان میں مدد طلب کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ وہ تین مرتبہ باآواز بلند اس طرح پکارے کہ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ تو اللہ کے بندے فرشتے یا جن یا رجال الغیب اس کی امداد کریں گے۔

حضرات! ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح "الحرز الثمین" میں فرماتے ہیں کہ:

ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ یَّحْتَاجُ اِلَیْہِ الْمُسَافِرُوْنَ وَاَنَّہٗ عَمَلٌ مُجَرَّبٌ

یعنی یہ حدیث حسن ہے اور مسافروں کو اس کی ضرورت ہے اور یہ یقیناً ایک مجرب عمل ہے۔

مسلمانو! غور کرو کہ اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے سنسان بیابان میں مشکل کے وقت رجال الغیب کو پکارنے اور ان سے مدد مانگنے کا حکم فرمایا ہے۔اب کون ہے؟ جو اس فرمان رسول کو شرک قرار دے کر منع کر سکتا ہے؟

ایک عجیب عمل:۔ حضرات! اس موقع پر مجھے ایک اور عمل بھی یاد آگیا جو در مختار جلد سوم کے باب اللقطہ میں لکھا ہوا ہے۔ یہ عمل سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ صاحب در مختار لکھتے ہیں کہ جس شخص کی کوئی چیز گم ہو جائے اس کو چاہیے کہ وہ کسی بلند جگہ پر قبلہ رو کھڑا ہو اور

سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب حضور اکرم ﷺ کے دربار میں ہدیہ کرے اور سیدی احمد بن علوان کی روح کو بھی ایصال ثواب کرے پھر یہ کہے کہ:

یَا سَیِّدِیْ اَحْمَدَ بْنَ عَلْوَانَ اِنْ لَمْ تَرُدَّ عَلَیَّ ضَالَّتِیْ وَاِلَّا نَزَعْتُكَ مِنْ دِیْوَانِ الْاَوْلِیَاءِ

یعنی اے میرے آقا احمد بن علوان! اگر آپ نے میری گم شدہ چیز واپس نہیں لوٹادی تو میں آپ کو اولیاء کے دفتر سے نکال دوں گا۔

صاحب در مختار فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس عمل کی برکت سے گم شدہ چیز مل جائے گی۔

مسلمانو! دیکھ لو۔ اس عمل میں سیدی احمد بن علوان کو ان کی وفات کے بعد دور سے پکارنا بھی ہے اور ان سے مدد مانگنا بھی ہے۔

مسلمانو! یہ کسی گانجہ پینے والے چھیدی، بقر عیدی بابا کا بتایا ہوا عمل نہیں ہے بلکہ در مختار کے مصنف کا بتایا ہوا عمل ہے۔ جن کی کتاب پر مفتیان احناف کے فتاویٰ کا دارومدار ہے۔

مسلمانو! اب کس کی مجال ہے کہ حنفیوں کے اس فقیہ اعظم کو مشرک کہے گا؟

مردوں کو پکارنا شرک نہیں:۔ حضرات! اب ایک مسئلہ اور رہ جاتا ہے کہ مردوں کو پکارنا شرک ہے یا نہیں؟ تو صاحبو! ہم اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ نہ زندوں کو پکارنا شرک ہے نہ مردوں کو پکارنا شرک ہے بلکہ مردوں کو پکارنے اور ان کو سلام کرنے کا تو شریعت میں حکم دیا گیا ہے۔ کون نہیں جانتا؟ کہ قبرستان میں جا کر "السلام علیکم یا اھل القبور" کہہ کر قبرستان کے مردوں کو پکارنا اور ان کو سلام کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور ان کا حکم ہے۔

برادرانِ ملت! مسلمان مردوں اور حضرات انبیاء و اولیاء کا پکارنا تو کیا شرک ہوگا؟ قرآن مجید میں تو یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ مردہ پرندوں کو پکارنا بھی شرک نہیں۔ چنانچہ قرآن عظیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ جناب باری میں یہ عرض کیا۔ الٰہ العالمین! تو مجھے دکھلا دے کہ تو مردہ کس طرح زندہ فرمائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے خلیل! تم چار پرندوں کو پالو! اور انہیں کھلا پلا کر ہلاؤ ملاؤ۔ جب وہ تم سے

اچھی طرح مل مل جائیں۔ تو تم انہیں ذبح کر کے ان کا قیمہ بناؤ۔ اور چند پہاڑوں پر تھوڑا تھوڑا قیمہ رکھ دو۔ "ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْياً"۔ پھر تم ان پرندوں کو پکارو۔ تو وہ دوڑتے ہوئے تمہارے پاس چلے آئیں گے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مرغ، ایک کبوتر، ایک مور، ایک گدھ چار پرندوں کو پالا۔ پھر ان سب کو ذبح کر کے ان کا قیمہ بنایا اور چند پہاڑوں پر رکھ کر ان چاروں پرندوں کو پکارا۔ تو وہ سب زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے آپ کے سامنے آ گئے اور آپ نے مردہ زندہ ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ (سورۂ بقر۔ تفسیر بیضاوی وغیرہ)

محترم حاضرین کرام! غور فرمایئے کہ خداوند عالم نے "ثُمَّ ادْعُهُنَّ" فرما کر اپنے خلیل جلیل کو مردہ چڑیوں کے پکارنے کا حکم فرمایا اور حضرت خلیل اللہ نے ان مردہ پرندوں کو پکارا۔ مسلمانو! اب تم فیصلہ کرو کہ جب مردہ چڑیوں کو پکارنا شرک نہیں ہوا۔ تو پھر انبیاء و اولیاء اور شہداء کو پکارنا کس طرح اور کیونکر شرک ہو سکتا ہے۔

مگر افسوس کہ منکرین قرآن ان آیتوں کو پڑھتے، پڑھاتے اور خوب جانتے ہیں۔ لیکن ہائے افسوس کہ جانتے تو ہیں مگر مانتے ہیں اور بڑی مشکل یہ ہے کہ نہ جاننے والوں کو تو سمجھانا آسان ہے مگر جاننے والوں کو سمجھانا بڑا ہی مشکل ہے۔ مثل مشہور ہے کہ سوتے کو جگانا آسان ہے۔ مگر جاگتے کو جگانا بہت مشکل ہے۔

منکرین کی دلیل کارد:۔ برادران ملت! بہر کیف یہ مسئلہ اب سورج کی روشنی کی طرح چمکتا ہوا آپ کے سامنے آ چکا کہ کسی کو دور سے پکارنا یا کسی کو وفات کے بعد پکارنا ہرگز ہرگز شرک نہیں ہے۔ اب اس سلسلے کی ایک آخری کڑی یہ رہ جاتی ہے کہ "نعرۂ رسالت" یا "نعرۂ غوثیت" کے منکرین اکثر قرآن مجید کی یہ دو آیتیں پڑھ پڑھ کر انبیاء اولیاء کو پکارنے کو حرام یا شرک کہا کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس پر بھی کچھ روشنی ڈال دوں۔ اچھا سنئے پہلی آیت تو یہ ہے کہ:

"وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ" (یونس)

اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا ان کو مت پکارو جو تم کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

اور دوسری آیت یہ ہے کہ:

"قُلْ اَتَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا" (انعام)

اور اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ تم فرمادو۔ کیا ہم اللہ کے سوا ان چیزوں کو پکاریں جو نہ ہم کو نفع پہنچا سکتے ہیں۔ نہ نقصان دے سکتے ہیں۔

مسلمانو! خدا کی قسم منکرین ان آیتوں کے ترجموں میں بڑی زبردست خیانت کرتے ہیں۔ کیونکہ تفسیر جلالین پڑھنے والا طالب علم بھی جانتا ہے کہ اس طرح کی تمام آیتوں میں "یدعون" کا ترجمہ پکارنا نہیں ہے۔ بلکہ "یعبدون"، "پوجنا" ہے اور ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو "مت پوجو" ورنہ پھر وہ آیات اور احادیث جن میں خدا کے غیر کو پکارا گیا ہے سب میں شرک ہی شرک ہو جائے گا۔ آپ ہی بتائیے کہ اگر خدا کے سوا کسی دوسرے کو پکارنا شرک ہو جائے۔ تو پھر زندہ کو پکارو۔ یا مردہ کو پکارو۔ نزدیک والے کو پکارو یا دور والے کو پکارو۔ باپ کو پکارو یا ماں کو پکارو، بھائی کو پکارو یا بہن کو پکارو، سب شرک ہی شرک ہو جائے گا۔ پھر تو دنیا بھر میں شرک سے کوئی بچ ہی نہیں سکتا۔

مسلمانو! ان نادانوں کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ شرک کس کو کہتے ہیں؟ اور ارے بھائیو! شرک کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے غیر کو خدا کی ذات یا صفات میں شریک کرنا۔ للہ بتاؤ تو! کہ کسی کو پکارنا کیا اس کو خدا کی ذات یا صفات میں شریک کرنا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے۔ اور یقیناً نہیں ہے تو پھر یہ کس طرح شرک ہو سکتا ہے؟

بہر کیف برادران ملت! مجھے آپ لوگوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ یہ دور بڑے فتنوں کا دور ہے۔ نئے نئے مذہب اور نئی نئی جماعتیں قدم قدم پر آپ کو نظر آئیں گی۔ درحقیقت مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ وہ دور پر فتن آ گیا جس کے بارے میں حضور رحمت عالم ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ سمندر کی موجوں کی طرح فتنہ موجیں مارتا ہوا آئے گا اور ان فتنوں کا یہ اثر ہو گا کہ آدمی صبح کو مسلمان رہے گا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مسلمان رہے گا اور صبح کو کافر ہو جائے گا۔ لہٰذا میں آپ لوگوں سے دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ آپ لوگ اپنے پرانے مذہب یعنی مذہب اہل سنت وجماعت پر پہاڑ کی طرح مضبوطی سے قائم رہیں اور اپنے ایمان کے نشان نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت کا پرچم عظمت بلند کرتے رہیں اور ان نعروں کے منکرین کو دشمن رسول سمجھ کر ان سے بچتے رہیں۔ اسی میں دین کی حفاظت اور تمہاری فلاح دارین کا راز ہے۔

اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ

دشمن احمد پہ شدت کیجئے | ملحدوں کی کیا مروت کیجئے
ذکر ان کا چھیڑیئے ہر بات میں | چھیڑنا شیطان کی عادت کیجئے
مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں | ذکر آیات ولادت کیجئے
کیجئے چرچا انہیں کا صبح و شام | جان کافر پر قیامت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب | اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے
بیٹھتے اٹھتے حضور پاک سے | التجا و استعانت کیجئے
نعرہ کیجئے یا رسول اللہ کا | مفلسو! سامان دولت کیجئے

غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل
یا رسول اللہ کی کثرت کیجئے

پڑھئے درود شریف:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ.

برادران ملت! بہر کیف میں نے آپ کا بہت کافی وقت لے لیا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ پوری آیت کریمہ کا ایک مرتبہ ترجمہ کر کے آپ سے رخصت ہو جاؤں۔ لہٰذا غور سے سنئے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً

یعنی اے ایمان والو! تم لوگ رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہرالو۔ جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذاً ۚ

بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے چپکے نکل جاتے ہیں۔ کسی چیز کی آڑ لے کر۔

فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ.

لہٰذا وہ لوگ ڈریں جو رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے۔

برادران ملت! آیت مبارکہ کا آخری حصہ ان منافقین کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ جن

پر جمعہ کے دن مسجد نبوی میں حاضر ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خطبہ سننا گراں گزرتا تھا اور وہ بد بخت لوگ صحابہ کرام یا مسجد نبوی کے ستونوں کی آڑ لے کر سرکتے سرکتے مسجد سے نکل جاتے تھے تو اللہ عزوجل نے ان منافقوں کے حق میں یہ تہدید فرمائی کہ جو لوگ کسی چیز کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں اور رسول بر حق کے ارشاد گرامی کو سننے سے کتراتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ خدا انہیں نہیں جانتا۔ بلکہ وہ سن لیں کہ خدا انہیں خوب جانتا ہے۔ للہذا وہ اپنی ان منافقانہ حرکتوں سے باز آ جائیں اور رسول کی مخالفت چھوڑ دیں۔ ورنہ یاد رکھیں کہ وہ دنیا میں قتل یا زلزلے یا ہولناک حوادث کے فتنوں کی لپیٹ میں آ جائیں گے یا آخرت میں جہنم کی دہکتی ہوئی آگ اور قسم قسم کے دردناک عذابوں میں مبتلا کر دیئے جائیں گے۔

مسلمانو! ذرا غضب الٰہی کا تیور دیکھو اور اس کے قہر و جلال کی ہیبت کا نظارہ کرو کہ رسول کی مخالفت کرنے والوں کے لئے اس کا کتنا قاہرانہ اعلان اور کس قدر لرزہ خیز فرمان ہے۔ اس کا قہر و جلال رسول کے مخالفوں کو کبھی ہرگز ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔ بلکہ انہیں دنیا یا آخرت میں ضرور ضرور قسم قسم کے فتنوں اور عذابوں میں مبتلا فرما کر انہیں ہلاک و برباد اور تہس نہس فرما دے گا۔ اللہ اکبر۔ کیوں نہ ہو؟ کہ رسول کی مخالفت، خدا کی مخالفت ہے اس لئے رسول کے ہر مخالف کے لئے خدا کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ توبہ، نعوذ باللہ، خدا کی پناہ۔ للہذا اے مسلمان بھائیو! خبردار خبردار۔ ہمیشہ یہ دھیان رکھو کہ زندگی کے کسی لمحہ حیات میں کبھی بھی دن یا رات میں کسی بھی حرکات و سکنات میں تم سے ہرگز ہرگز ایک بال کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی رسول کی مخالفت نہ ہو۔ ورنہ سمجھ لو کہ قہر خداوندی کی جہاں سوز بجلیاں تمہارے خرمن وجود کو جلا کر غارت و برباد کر ڈالیں گی بلکہ تم ان لوگوں سے بھی دور رہو۔ جو رسول کی مخالفت کرتے ہوئے نظر آئیں۔ ورنہ جب ان مخالفین رسول پر خدا کے قہر و غضب کی آگ برسے گی۔ تو تم بھی اس کی لپیٹ میں آ جاؤ گے کیونکہ جو تنور کے پاس بیٹھے گا اسے گرمی ضرور پہنچے گی۔

مسلمانو! بس اب میں اس کے سوا اور آپ سے کیا کہوں کہ؟

من آنچہ شرط بلاغ است باتومی گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

چھٹا وعظ

بشریت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

جب سے دیکھا ہے لباس بشری میں تم کو
ہر فرشتے کی تمنا ہے کہ انساں ہو جائے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْاَكْبَرْ ۞ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَكْرَمِ الْخَلْقِ وَسَيِّدِ الْبَشَرِ ۞ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ السُّرُجِ الْغُرَرِ ۞ وَعَلٰى مَنِ اتَّبَعَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْمَحْشَرِ ۞

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِهِ الْعَظِيْمِ وَخِطَابِهِ الْقَدِيْمِ ۞

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم.

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَداً (کہف)

حضرات! باآواز بلند ایک بار مدنی تاجدار ﷺ کے دربار میں نذرانہ درود و سلام پیش کیجئے۔

اللھم صل علٰی سیدنا و مولانا محمد وعلٰی الہ سیدنا و مولانا محمد وعلٰی الہ واصحابہ و بارك وسلم قدر حسنہ و جمالہ بعدد كل معلوم لك.

بزرگو اور بھائیو! تقریر سے پہلے میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ایک نعت شریف کا بارگاہ رسالت میں نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہوں۔ آپ لوگ بغور سماعت فرمائیں ۔

زہے عزت و اعتلائے محمد
کہ ہے عرش حق زیر پائے محمد

مکاں عرش ان کا فلک فرش ان کا
ملک خادمان سرائے محمد

عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا
گروں کا سہارا عصائے محمد

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم

خدا چاہتا ہے رضائے محمد
خدا ان کو کس پیار سے دیکھتا ہے
جو آنکھیں ہیں محو لقائے محمد
کرامت کا سہرا، عنایت کا جوڑا
دلہن بن کے نکلی دعائے محمد
رضا پل سے اب وجد کرتے گزریئے
کہ ہے "رَبِّ سَلِّمْ" صدائے محمد
صلی اللہ علیہ وسلم

محترم حاضرین! میں نے خطبہ کے بعد سورۂ کہف کی آخری آیت تلاوت کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یعنی اے محبوب! آپ لوگوں سے یہ فرما دیجئے کہ ظاہری صورت بشری میں تو میں تمہارے جیسا ہوں۔

حضرات! یہی وہ آیت ہے جس کو بارگاہ رسالت کے بعض گستاخ اکثر پڑھ پڑھ کر رسول کے ساتھ اپنی برابری کا دعویٰ کرتے ہیں اور امت مسلمہ کے قلوب سے عظمت مصطفٰے کا جنازہ نکالتے رہتے ہیں اور عام طور پر یہ کہتے پھرتے ہیں کہ دیکھ لو! قرآن میں انما انا بشر مثلکم آیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول تو ہمارے ہی جیسے ایک بشر ہیں۔ اور بعض تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ رسول بھی بشر ہیں اور ہم بھی بشر ہیں۔ لہٰذا رسول ہمارے بھائی کے برابر ہیں۔ توبہ نعوذ باللہ۔

مسلمانو! یہ بارگاہ رسالت میں اتنی بڑی بے ادبی و گستاخی ہے کہ واللہ! اس جہنمی آگ کے خوفناک شعلوں سے خرمن ایمان کا جل کر راکھ ہو جانا اتنا یقینی ہے۔ جتنا کہ سورج کے طلوع ہو جانے سے دن کا موجود ہونا یقینی ہوا کرتا ہے۔

اس آیت کا مطلب:۔ حضرات! بہر حال قل انما انا بشر مثلکم بلاشبہ قرآن کی آیت ہے۔ جس پر یقیناً ہمارا اور آپ کا ایمان ہے۔ اس لئے انتہائی ضروری ہے کہ ہم ایمانی عقل اور اسلامی فہم کی روشنی میں اس آیت کا مطلب سمجھنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اسی مقصد کے لئے میں نے آج کی مجلس میں اس آیت کی تلاوت کی ہے کہ میں اس آیت کا صحیح ترجمہ اور ٹھیک

ٹھیک مطلب آپ کے سامنے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کردوں۔

حضرات! سب سے پہلے قابل غور یہ بات ہے کہ آخر رسول کس بات میں ہمارے مثل ہیں؟ اور رسول کے ساتھ ہماری مماثلت اور مساوات کا معیار کیا ہے؟ کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے؟ کہ رسول کے اعضائے بدن آنکھ، ناک، کان وغیرہ کے افعال و خواص ہمارے اعضاء کے افعال و خواص کے مثل ہیں۔ اگر بشرٌ مثلکم کا یہ مطلب لیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ بالکل ہی غلط ہے۔ کیونکہ حضور کے اعضائے مبارک کے افعال و خواص ہرگز ہرگز ہمارے اعضائے بدن کے مثل نہیں ہیں۔ کون نہیں جانتا؟ کہ حضور کے جسم منور کا سایہ نہیں پڑتا تھا اور ہمارے بدن کا سایہ پڑتا ہے۔ رسول کے جسم اطہر پر کبھی مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور ہمارے بدنوں پر ہزاروں مکھیوں کی برات بیٹھا کرتی ہے۔ رسول کریم کا پسینہ مشک و عنبر اور گلاب سے زیادہ خوشبودار تھا اور ہمارے پسینوں میں بدبوا ہوا کرتی ہے۔ رسول کی آنکھیں بیک وقت آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، نیچے، اوپر دیکھا کرتی تھیں۔ ہماری آنکھیں صرف اپنے آگے ہی کی چیزوں کو دیکھ سکتی ہیں۔ رسول کی صرف آنکھیں سوتی تھیں دل بیدار رہتا تھا۔ ہماری آنکھیں بھی محوِ خواب رہتی ہیں اور دل بھی خواب غفلت میں پڑا سوتا رہتا ہے۔ رسول جس گلی میں قدم رکھ دیتے وہ گلیاں خوشبوئے محمدی سے مہکنے لگتی تھیں۔ ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کے بدن سے خوشبو آتی ہو۔ غرض حضور انور ﷺ کے اعضائے مبارکہ کے افعال و خواص میں سارے جہان کا کوئی انسان بھی نہ مثل و مساوی ہے نہ قیامت تک ہوگا۔ لہٰذا "انما انا بشرٌ مثلکم" کا یہ مطلب ہو کہ رسول کے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، ہمارے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں کے مثل ہیں۔ یہ مطلب تو درست ہو سکتا ہی نہیں۔

تو پھر آیت کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ مطلب ہے؟ کہ رسول احکام شریعت میں ہمارے مثل ہیں؟ تو حقیقت یہ ہے کہ یہ مطلب بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تہجد کی نماز فرض تھی۔ ہم پر نماز تہجد فرض نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر زکوٰۃ فرض نہیں تھی۔ ہم مال داروں پر زکوٰۃ فرض ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے چار سو سے زیادہ بیویاں جائز تھیں۔ ہمارے لئے چار سے زائد حلال نہیں۔ حضور اکرم کا وضو نیند سے نہیں ٹوٹتا تھا۔ ہمارا وضو سو جانے سے شکست ہو جاتا ہے۔ غرض بہت سے احکام شریعت ایسے ہیں جو حضور

کے ساتھ خاص ہیں۔ لہٰذا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضور احکام شریعت میں ہمارے مثل ہیں۔

بہرکیف جب جسمانی افعال و خواص یا احکام شریعت کسی بات میں بھی دنیا کا کوئی انسان حضور اکرم ﷺ کے مثل نہیں ہے۔ تو پھر یہ قابل غور بات ہے کہ قرآن کی آیت "انما انا بشر مثلکم" کیا کیا مطلب ہے؟ یعنی نبی اور عام انسان کے درمیان مماثلت و مساوات آخر کون سی بات میں ہے؟

پھر خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ ان صحیح حدیثوں پر بھی ہم نظر رکھیں جن میں بار بار حضور مدنی تاجدار ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ "اَیُّکُمْ مِثْلِی" (مشکوٰۃ کتاب الصوم) یعنی تم میں سے کون ہے جو میرے مثل ہے؟ کہیں یوں ارشاد فرمایا ہے کہ "لَسْتُ کَاَحَدٍ مِنْکُمْ" یعنی میں تم میں سے کسی کے مثل نہیں۔

حضرات! اب ان دونوں حدیثوں کو دیکھتے ہوئے قرآن کی آیت "انما انا بشر مثلکم" کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ یہ ہمیں دیکھنا ہے کہ قرآن تو یہ کہہ رہا ہے کہ رسول ہمارے مثل ہیں۔ اور حدیثیں یہ اعلان کر رہی ہیں کہ تمام دنیا میں کوئی انسان بھی رسول کے مثل نہیں ہے!

پھر یہ بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے۔ ان کی شان بے مثالی کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ خداوند قدوس نے تو نبی کی ازواج مطہرات کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ "یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ" (احزاب) یعنی اے نبی کی بیویو! تم کسی عورت کے مثل نہیں ہو۔ سبحان اللہ! جب نبی کے بستر نبوت پر سونے والی ازواج مطہرات تمام دنیا کی عورتوں میں بے مثل و بے مثال ہیں۔ تو پھر بھلا نبی عام انسانوں کے مثل کیونکر اور کس طرح ہو سکتا ہے؟

غرض ان تمام وجوہات کو ذہن میں رکھ کر ہمیں "انما انا بشر مثلکم" کے معنی پر غور کرنا ہے۔ لہٰذا آیئے۔ اب ہم ان بزرگان ملت کی طرف رجوع کریں۔ جو درحقیقت قرآن و حدیث کے معانی و تاویلات کے ماہر اور علوم قرآنیہ پر پورا پورا عبور رکھتے ہیں۔ کیونکہ درحقیقت بغیر علمائے سلف کا دامن تھامے ہوئے ہم کو قرآن سے ہدایت کی روشنی مل ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ قرآن کے بحر ذخار میں غوطہ لگا کر گوہر مقصود کو برآمد کر لینا اس دور کے لوگوں کا کام نہیں ہے۔ جو اردو میں قرآن کا ترجمہ پڑھ کر اس قدر اکڑتے پھرتے ہیں کہ گویا

اپنے کو حضرت امام غزالی اور حضرت امام رازی سے بس جو بھر چھوٹا سمجھتے ہیں۔ جیسے چوہے کو ہلدی کی ایک گانٹھ مل گئی تو وہ یہ سمجھنے لگا کہ میں پنساری ہو گیا۔ قرآن کے معانی و مطالب کو صحیح صحیح سمجھ لینا یہ انہیں پاک نفس علماء حق کا کارنامہ ہے جو تمام علوم وفنون کے ماہر ہیں اور جن کے سینے علوم نبوت کے خزینے بن چکے ہیں۔ اور یہ وہی بزرگان دین ہیں جو مفسرین کہلاتے ہیں۔ چنانچہ اس مجلس میں اختصار کے طور میں چند مفسرین کرام کی تفسیریں پیش کرتا ہوں جن کی روشنی میں انشاء اللہ تعالیٰ "انما انا بشرٌ مثلکم" کے معنی ظاہر ہو جائیں گے اور شکوک وشبہات کے تمام گرد و غبار ایک دم چھٹ جائیں گے۔

شیخ محقق کی تحقیق:۔ حضرات ہندوستان میں کون ایسا عالم ہے جو حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے واقف نہیں؟ یہ وہ مسلم الثبوت جامع العلوم ہیں کہ ان کی تصنیفات امت مسلمہ کے لئے ہدایت کا آفتاب ہیں۔ سنئے کہ اس علم و عمل کے کوہ ہمالیہ نے انما انا بشر مثلکم کی آیت کے بارے میں کیا تحقیق فرمائی ہے؟ آپ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "مدارج النبوۃ" کی جلد اول باب سوم فصل ازالہ شبہات میں تحریر فرمایا ہے کہ "در حقیقت متشابہات اند" یعنی انما انا بشر مثلکم اور اس قسم کی دوسری آیتیں، یہ سب متشابہات میں سے ہیں۔ یعنی اللہ و رسول کے علاوہ تمام عالم میں کسی کو ان آیتوں کے حقیقی معانی و مطالب کا علم ہی نہیں ہے۔ سبحان اللہ جب انما انا بشر مثلکم کی آیت متشابہات میں سے ہے۔ تو پھر جس طرح تمام آیات متشابہات کے ظاہری معنی مراد نہیں لئے جا سکتے۔ اسی طرح اس آیت کے بھی ظاہری معنی مراد لینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ مثلاً جس طرح ید الله فوق ایدیھم خدا کا ہاتھ ہونا اور فثم وجه الله میں خدا کا چہرہ ہونا بیان کیا گیا ہے۔ مگر چونکہ یہ آیات متشابہات میں سے ہے اس لئے اس کے ظاہری معنی مراد لینا قطعاً غلط ہے بلکہ ان آیتوں کے بارے میں شریعت کا حکم یہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ ید الله (خدا کا ہاتھ) اور وجه الله (خدا کا چہرہ) سے جو خدا کی مراد ہے۔ وہ حق ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے۔ لیکن اس سے خدا کی کیا مراد ہے؟ اس کو ہم نہیں جان سکتے اس کو اللہ و رسول ہی جانتے ہیں۔ اسی طرح انما انا بشر مثلکم کے بارے میں بھی یہی عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اس سے جو کچھ بھی خدا کی مراد ہے وہ حق ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے۔ لیکن خدا نے اس سے کیا مراد لیا ہے؟ اس کو ہم نہیں جان سکتے

اس کا علم اللہ و رسول ہی کو ہے۔

برادران ملت! سبحان اللہ سبحان اللہ! حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کی قبر انور کو خداوند کریم اپنی رحمت کے پھولوں سے بھر دے کہ انہوں نے اس آیت کو متشابہات سے قرار دے کر بارگاہ رسالت کے گستاخوں کی زبانوں پر قفل لگادیا کہ خبردار "انما انا بشر مثلکم" کی آیت سے تم کبھی یہ دلیل نہیں پکڑ سکتے کہ رسول تمہارے جیسے بشر ہیں کیونکہ یہ آیات متشابہات میں سے ہے۔ اور آیات متشابہات سے کسی مسئلہ پر استدلال، اور دلیل پکڑنا جائز ہی نہیں ہے۔ کیونکہ آیات متشابہات کے بارے میں خداوند قدوس کا فرمان ہے۔ لا یعلم تاویلهٗ الا اللہ یعنی ان آیتوں کی مراد کو خدا کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ ہاں البتہ خدا کے بتانے سے رسول کو بھی ان کا علم حاصل ہے۔ باقی اللہ و رسول کے سوا تمام عالم میں کوئی بھی آیات متشابہات کے معنی و مراد کو نہیں جان سکتا۔

امام رازی کی تفسیر:۔ حضرات گرامی اس آیت کے بارے میں دنیائے اسلام کے ایک مایہ ناز محقق علامہ محمد عبدالحق محدث دہلوی کی تحقیق تو آپ سن چکے۔ اب عالم اسلام کے ایک مسلم الثبوت مفسر حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر بھی سن لیجئے۔ وہ اپنی مشہور عالم کتاب تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

اَمَرَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاَنْ یَّسْلُكَ طَرِیْقَةَ التَّوَاضُعِ

(تفسیر کبیر ج5 ص516)

یعنی اللہ عزوجل نے اس آیت میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ تواضع و انکساری کی راہ پر چلیں اور اپنے بے شمار فضائل و کمالات کے باوجود اپنی امت سے بطور تواضع یہ فرمائیں کہ انما انا بشر مثلکم۔ یعنی میں تو تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں۔

سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ حضرت امام ممدوح کی تفسیر نے بتادیا کہ خداوند عالم کا اپنے حبیب سے یہ فرمانا اور حبیب ﷺ کا اپنی امت سے یہ کہنا کہ میں تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں۔ یہ انکسار اور تواضع کے طور پر تھا۔ اور

حضرات گرامی! اس بات کو دنیا میں کون نہیں جانتا کہ جو الفاظ و کلمات تواضع کے طور پر بولے جاتے ہیں، ان کے ظاہری معنی مراد نہیں ہوا کرتے اور تواضع کرنے والا جو الفاظ و کلمات

بولا کرتا ہے دوسروں کے لئے ان الفاظ کو کلمات کا بولنا درست نہیں ہو سکتا۔ بزرگوں کا طریقہ ہے کہ وہ تواضع کے طور پر اپنے بارے میں بہت سے کلمات بولتے رہتے ہیں۔ لیکن چھوٹوں کے لئے ہرگز ہرگز جائز نہیں ہو سکتا کہ اپنے بزرگوں کے لئے ان الفاظ کو استعمال کریں۔ دیکھئے ہر بادشاہ اور ہر وزیر اعظم اپنی رعایا اور اپنے عوام کے سامنے یہی کہا کرتا ہے کہ میں اپنی رعایا اور اپنے عوام کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ اور بادشاہوں اور وزیروں کی زبان سے اپنے بارے میں یہ کلمات عوام کو بہت اچھے بھی لگتے ہیں مگر کیا کسی رعیت کی یہ مجال ہے؟ کہ وہ بادشاہ کو یا وزیر اعظم کو اپنا خادم کہے اور اس کو اپنا خادم سمجھ کر اس سے اپنا سامان اٹھانے کی فرمائش کرے۔ اور دلیل یہ دے کہ بادشاہ نے تو خود اپنی زبان سے یہ کہا ہے کہ وہ اپنے عوام کا خادم ہے۔ چونکہ میں بھی عوام میں سے ہوں۔ اس لئے وہ میرا بھی خادم ہے۔ تو آپ بتائیے؟ کہ دنیا اس شخص کو اس کے سوا اور کیا کہے گی کہ یہ تمام دنیا کے احمقوں کا گرو گھنٹال ہے۔ یا حماقت و بے وقوفی کا درخت ہے۔ کیونکہ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ بادشاہ نے جو اپنے کو عوام کا ادنیٰ خادم کہا ہے۔ یہ اس کی شان تواضع ہے۔ ورنہ کہاں بادشاہ؟ اور کہاں عوام کا خادم؟

تو مسلمان بھائیو! یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ خدا نے اپنے رسول کو اس آیت میں انکسار و تواضع کی تعلیم دی ہے اور ارشاد فرمایا کہ اے محبوب آپ لوگوں سے بطور تواضع یہ فرمائیں کہ میں تم لوگوں جیسا ایک بشر ہوں اور حضور نے تعلیم خداوندی کے بموجب اپنی امت سے ازراہ تواضع یہ فرمایا کہ اے لوگو! انما انا بشر مثلکم۔ مگر چونکہ یہ انکسار و تواضع کے کلمات و الفاظ ہیں۔ اس لئے امت کے لئے یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ وہ بھی یہ کہنے لگے کہ رسول تو ہمارے جیسے ایک بشر ہیں۔ اور یہ دلیل پیش کرے کہ خدا نے تو خود رسول کو بشر مثلکم کہنے کا حکم دیا ہے۔ اور خود رسول نے یہ کہا ہے۔ لہٰذا ہم بھی ان کو اپنے جیسا بشر کہیں گے۔ توبہ نعوذ باللہ!

دستار بندی کی مثال:۔ حضرات! اس موقع پر مجھے مدارس اسلامیہ کے فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی کا ایک منظر یاد آگیا۔ مدارس میں جب فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی ہوتی ہے تو یہ دستور ہے کہ علمائے کرام طلبہ کے سروں پر اپنے ہاتھوں سے دستار فضیلت باندھتے ہیں اور ان کو جبہ بھی پہناتے ہیں۔ پھر عالم کی سند انہیں عطا فرماتے ہیں اور ہزاروں کے مجمع میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ طلبہ اب عالم ہو گئے ہیں۔ اور آج سے ہر شخص ان لوگوں کو عالم شمار

کرے اور ان لوگوں کو عالم کہے۔ اب آج سے کوئی ان لوگوں کو طالب علم نہ سمجھے۔ پھر آخر میں جب استاد ان فارغ التحصیل اور دستار بند نئے علماء کو نصیحت کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ ضرور کہتا ہے کہ میرے عزیزو! اور بچو! تم میری چھاتی سے علم کا دودھ پی پی کر اس بلند منزل پر پہنچ گئے کہ طالب علم سے عالم بن گئے۔ لہٰذا اب تم اپنے قدم اور زبان و قلم کو بہت سنبھالے رہنا۔ کل تک تمہاری غلطیوں کو ایک طالب علم کی غلطی کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ مگر آج سے تمہاری کسی غلطی کو ایک عالم کی غلطی شمار کر کے اس پر مواخذہ کیا جائے گا۔ اس لئے تم لوگ اب بہت سنبھل کے رہنا۔ اس میں شک نہیں کہ تم لوگ عالم ہو چکے۔ مگر میں تم لوگوں کو یہ ایک خاص نصیحت کرتا ہوں۔ کہ خبردار، خبردار۔ تم لوگ کبھی بھی اپنے علم پر گھمنڈ مت کرنا اور کبھی ہرگز ہرگز اپنی زبان سے اپنے کو عالم نہ کہنا اور اپنے قلم سے اپنے کو عالم نہ لکھنا۔ بلکہ ہمیشہ تمام زندگی اپنے کو طالب علم ہی کہنا اور لکھنا۔

حضرات گرامی! یہ ہے وہ خاص و مخصوص نصیحت جو ہر "شیخ الحدیث" اپنے تلامذہ کو بوقت رخصت سنایا کرتا ہے۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ دستار بندی کرانے والے تلامذہ عالم ہیں یا طالب علم؟ آپ یہی کہیں گے کہ یہ ضرور عالم ہیں۔ کیونکہ ان کو عالم کی سند مل چکی۔ علماء نے ان کے عالم ہونے کا اعلان کر دیا۔ خود ان کے استاد شیخ الحدیث نے ان کو عالم کہہ دیا لہٰذا یقیناً یہ سب عالم ہیں۔ ورنہ پھر ان کی دستار بندی کے کیا معنی؟ پھر استاذ کیوں منع کر رہا ہے کہ تم اپنے کو عالم نہ کہنا؟ بلکہ طالب علم کہنا۔

تو برادران ملت! ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ لوگ عالم تو ہو چکے ہیں۔ لیکن استاد جو یہ نصیحت کرتا ہے کہ تم اپنے کو عالم نہ کہنا۔ بلکہ طالب علم کہنا۔ یہ تواضع اور انکساری کی تعلیم دے رہا ہے۔ ورنہ حقیقت میں یہ لوگ طالب علم نہیں ہیں بلکہ عالم ہو چکے ہیں۔

تو برادران ملت! بلا تشبیہ و تمثیل یوں سمجھ لیجئے کہ خداوند قدوس نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب ہر فضل و کمال سے آراستہ فرما کر اس شان سے دنیا میں بھیجا کہ وعلمك مالم تكن تعلم کی سند، خاتم النبیین کی مہر، سید المرسلین کا خطاب، شفیع المذنبین کا تاج کرامت عطا فرمایا۔ تو اپنے حبیب ﷺ کو تواضع اور انکساری کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب تم یقیناً سید المرسلین بھی ہو اور خاتم النبیین بھی، تم شفیع المذنبین بھی ہو اور رحمۃ للعالمین

بھی۔ تم محبوب رب العالمین بھی ہو اور طٰہٰ و یٰسین بھی۔ مگر اتنے کمالات و فضائل کے باوجود
جب تم اپنی امت کے عوام سے خطاب فرمانا تو ازراہ تواضع یہی فرمانا کہ انما انا بشر مثلکم
یعنی اے لوگو! میں تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہوں۔ ہاں البتہ جب امت کے خواص اور مرتبہ
شناسان نبوت کے جھرمٹ میں رہنا۔ تو نعمت خداوندی کے اظہار کے لئے کبھی کبھی یہ بھی
اعلان فرما دینا کہ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ یعنی میں تمام اولاد آدمی کا سردار ہوں۔ اور میں
یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا بلکہ شکر کے طور پر کہتا ہوں۔

بہرکیف عزیز و اور دوستو! حضرت امام فخر الدین رازی کی تفسیر سے یہ مسئلہ روز روشن کی
طرح ظاہر ہو گیا کہ چونکہ انما انا بشر مثلکم کی آیت رسول کی تواضع کا ایک نمونہ ہے۔
اس لئے ہمارے اور تمہارے لئے کبھی ہرگز ہرگز یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ یہ کہیں کہ رسول
ہمارے جیسے ایک بشر ہیں۔ توبہ نعوذ باللہ! کہاں ہم؟ کہاں رسول؟

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

برادران ملت! پھر بھلا سوچئے تو سہی؟ کہ اس آیت سے رسول کو اپنے جیسا بشر کہنا کیونکر
درست ہو سکتا ہے؟

ذرا غور فرمائیے کہ اسی قرآن میں یہ آیت بھی تو ہے کہ:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ۔

یعنی زمین کا ہر جانور اور ہر پرندہ یہ تمہارے ہی جیسی امتیں ہیں۔ دیکھ لیجئے یہاں بھی
"مثل" اور "ما و الا" کلمہ حصر موجود ہے جو "انما" کے معنی میں ہے مگر کیا اس آیت سے دلیل
پکڑ کر کوئی یہ کہہ سکتا ہے؟ ہر انسان بکرے اور کوے جیسا ہے۔ یا ہر بکرا اور کوا انسان جیسا
ہے۔ اگر یہ نہیں کہا جا سکتا تو سن لو کہ انما انا بشر مثلکم سے بھی دلیل پکڑ کر یہ نہیں کہا جا
سکتا کہ رسول ہمارے جیسے بشر ہیں۔ یا ہم رسول جیسے بشر ہیں۔

برادران ملت! پھر اس جگہ یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ اگر یہ آیت تواضع کے
لئے نہ بھی ہو۔ تو اس کلام کا یہ مطلب نہیں کہ میں ہر ہر بات اور ہر ہر صفات میں تمہارے مثل
بشر ہوں۔ بلکہ انما انا بشر مثلکم کا صرف یہی اتنا مطلب ہے کہ جس طرح تم سب لوگ
خدا نہیں ہو۔ خدا کے بیٹے نہیں ہو۔ جن نہیں ہو۔ فرشتے نہیں ہو۔ بلکہ تم سب لوگ بشر ہی

ہو۔ اسی طرح میں بھی نہ خدا ہوں، نہ خدا کا بیٹا ہوں، نہ جن ہوں، نہ فرشتہ ہوں، بلکہ انما انا بشر مثلکم میں بھی تمہیں جیسا ایک بشر اور آدمی ہوں۔

اب بتایئے؟ کہ اس کلام سے کہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص یہ کہتا پھرے کہ رسول تو ہمارے تو ہمارے جیسے ایک بشر ہیں! معاذ اللہ! کہاں ہم جیسے ننگ بشر کی بشریت اور کہاں افضل البشر اور سید البشر کی بشریت؟ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَا كَالْبَشَرِ

بَلْ كَيَا قُوْتٍ بَيْنَ الْحَجَرِ

یعنی حضرت ﷺ بشر تو ہیں۔ لیکن بشر جیسے بشر نہیں۔ بلکہ ان کی بشریت ایسی ہی ہے کہ جیسے پتھروں میں یاقوت بھی ایک پتھر ہے۔ کہنے کو تو سنگ مرمر بھی پتھر ہے۔ اور یاقوت بھی پتھر ہے۔ مگر کہاں سنگ مرمر؟ اور کہاں یاقوت احمر؟ یاقوت ایسا پتھر ہے جو شہنشاہوں کی عزت و آبرو بنا ہوا ہے اور سنگ مرمر ایسا پتھر ہے جو کہ سنڈاس میں لگا ہوا ہے؟ کون کہہ سکتا ہے کہ دونوں پتھر برابر ہیں؟ بیشک رسول بھی بشر ہیں اور ہم بھی بشر ہیں۔ مگر ہم ایسے بشر ہیں کہ سو جائیں تو دین و دنیا سے غافل اور جاگیں تو معرفت الٰہی سے جاہل اور رسول ایسے بشر ہیں کہ

وہ سو جائیں تو معراج منامی

وہ جاگیں تو خدا سے ہم کلامی

ہم ایسے بشر ہیں کہ فرشتے مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ کہہ کر ہمیں فسادی اور خوں ریز جیسے تحقیر آمیز الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ اور رسول ایسے بشر ہیں کہ ملائکہ مقربین انہیں دیکھ کر زبان حال سے یوں پکارا کرتے ہیں کہ

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر

بہر حق سوئے غریباں یک نظر

سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ کیوں نہ ہو؟ کیا خوب فرمایا ہے کسی نے کہ

ہزاروں جبرئیل الجھے ہوئے گرد منزل میں

نہ جانے کس قدر اونچا ہے کاشانہ محمد کا

برادران ملت! میرے رسول کی بشریت تو وہ عزت مآب ہے کہ آپ اسی لباس بشریت

میں عرش الٰہی کو پامال کرتے ہوئے جب قرب الٰہی کی اعلیٰ ترین منزل پر پہنچے تو آپ کی اس عظمت بشریت کو دیکھنے والے فرشتوں کا یہ حال ہو گیا کہ ۔

جب سے دیکھا ہے لباس بشری میں تم کو
ہر فرشتے کی تمنا ہے کہ انساں ہو جائے

رسول کو بشر کہنا بے ادبی ہے:۔ مسلمانو! رسول کو اپنے جیسا بشر کہنا تو نہایت ہی گندی اور گھناؤنی قسم کی بے ادبی ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ باوجودیکہ ہمارا ایمان ہے کہ رسول بلاشبہ جن نہیں ہیں، فرشتہ نہیں ہیں، خدا نہیں ہیں۔ بلکہ یقیناً قطعاً آپ بشر ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ آدمی ہیں۔ لیکن پھر بھی آپ کے ان تمام ارفع و اعلیٰ خطابات و القاب کو چھوڑ کر جن کے سبب سے آپ تمام کائنات عالم میں افضل الخلائق ہیں۔ آپ کو صرف بشر اور آدمی کے لقب سے یاد کرنا یہ بھی حضور ﷺ کی مقدس جناب میں ایک قسم کی بے ادبی ہی ہے:۔ اس لئے کہ اس سے حضور اقدس ﷺ کے کمالات رفیعہ کا ایک طرح سے انکار لازم آتا ہے۔ لہٰذا سرور کائنات کو صرف بشر اور خالی آدمی کہہ کر یاد کرنا اور انہیں بلا ضرورت بشر اور آدمی کہتے رہنا یقیناً حرام اور گناہ ہے۔

ایک سوال وجواب:۔ اب رہا یہ سوال کہ جب ہمارا ایمان ہے۔ اور قرآن سے ثابت ہے کہ رسول جن یا فرشتہ نہیں ہیں بلکہ انسان اور بشر ہی ہیں تو پھر رسول کو بشر کہنا کیوں بے ادبی اور حرام و گناہ ہے؟ کیا ایک سچی بات کو کہنا بھی حرام و گناہ ہو سکتا ہے؟

تو برادران ملت! اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں۔ ہاں۔ بعض مرتبہ سچی بات بول دینے سے بھی ادبی ہو جاتی ہے اور ایسی بات پر جس پر ہمارا ایمان ہے اور وہ قرآن سے ثابت بھی ہے اس کا کہنا بھی بعض موقع پر بے ادبی شمار کیا جاتا ہے اور اس سے توہین ہو جایا کرتی ہے۔

مثال کے طور پر ہائی کورٹ کا جج آخر ایک انسان اور بشر ہی تو ہے اور قرآن میں خدا کا فرمان ہے کہ:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ط

یعنی بے شک ہم نے انسان کو عورت و مرد کے مخلوط نطفے سے پیدا کیا ہے۔

اسی طرح قرآن میں یہ بھی ہے کہ:

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ط

یعنی ہر انسان کو اس کی ماں نے تکلیف اٹھا کر حمل میں اٹھایا اور تکلیف اٹھا کر اس کو جنا۔

اب اگر ہائی کورٹ کا جج جب اپنی کرسی عدالت پر بیٹھا ہو اور کوئی اس کو یہ کہہ کر پکارے کہ اے عورت و مرد کے نطفے سے پیدا ہونے والے۔ یا اے اپنی ماں کے حمل میں رہنے والے۔ یا اے اپنی ماں کے جنے ہوئے تو آپ ایمان سے بتایئے؟ کہ ان الفاظ سے جج کی توہین ہوگی یا نہیں اور جج کو اس طرح کے لفظوں سے یاد کرنے والے پر توہین عدالت کا مقدمہ چلے گا یا نہیں؟ آپ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ یقیناً ان لفظوں سے باوجودیکہ یہ سچی حقیقت کا اظہار ہے۔ ضرور جج کی توہین ہو جائے گی اور یقیناً اس شخص پر توہین عدالت کا مقدمہ چلایا جائے گا اور اس کو سزا ملے گی۔ کیونکہ جب جج اپنی کرسی عدالت پر بیٹھ گیا تو اس کو سوائے جج کے کسی دوسرے لفظ سے یاد کرنا جرم قرار دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کو اے انسان! اے بشر! کہنا بھی جرم ہو گا۔ یہاں تک کہ اس کا نام لے کر بھی اس کو مخاطب کرنا عدالت کی توہین قرار پائے گا۔ بلا تشبیہ اسی طرح سمجھ لیجئے کہ جب احکم الحاکمین نے اپنے حبیب کو سید المرسلین کی کرسی صدارت پر رونق افروز فرمادیا اور خاتم النبیین کا معزز عہدہ عطا فرمادیا اور ان کو پکارنے اور یاد کرنے کے لئے رسول اللہ کا معظم خطاب معین فرمادیا تو اب ان تمام باعظمت القاب کو چھوڑ کر ان کو بشر اور آدمی جیسے عامیانہ الفاظ سے یاد کرنے والے دربار رسالت اور سرکار جلالت کے مجرم ٹھہریں گے اور انہیں قہر قہار کی عدالت سے ضرور سزا ملے گی۔

کفار کی بولی:۔ حضرات! رسول کو ہر بسانس میں "بشر" کہنے والے کان کھول کر سن لیں کہ خدا کے رسولوں کو "بشر" کہنا ہرگز ہرگز یہ ایمان والوں کی بولی نہیں ہے۔ بلکہ یہ کفار کی بولی ہے۔

مسلمانو! میں ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرتا ہوں کہ تم پورا قرآن پڑھ ڈالو تمہیں کہیں نظر نہیں آئے گا کہ کسی نبی کی امت کے ایمان والوں نے نبی کو بشر کہا ہو۔ بلکہ قرآن کے مطالعہ سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے خدا کے نبی کو بشر کہا وہ شیطان تھا۔ چنانچہ قرآن کا بیان ہے کہ جب خداوند قدوس نے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کا حکم فرمایا۔ تو تمام فرشتے فوراً ہی سربسجود ہوگئے۔ لیکن شیطان اکڑ گیا اور اس نے سجدہ نہیں کیا اور جب خداوند تعالیٰ نے اس سے پرسش فرمائی کہ تو نے کیوں نہیں سجدہ کیا؟ تو شیطان نے کہا

جواب دیا؟ ذرا غور سے سنئے!

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَ سْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَاٍ مَسْنُوْنٍ ○

شیطان نے کہا مجھے زیبا نہیں ہے کہ ایک "بشر" کو سجدوں کروں۔ جس کو تو نے بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ جو سیاہ بودار گارے میں سے تھی۔ (سورۂ حجر)

مسلمانو! سن لیا آپ لوگوں نے؟ دیکھ لو۔ سب سے پہلا گستاخ و بدنصیب جس نے اللہ کے ایک نبی حضرت آدمی علیہ السلام کو "بشر" کہا وہ "ابلیس" تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بشر کہنا یہ شیطان کی بولی ہے یا کفار کی بولی۔ چنانچہ شیطان کی بولی تو آپ سن چکے۔ اب ذرا کفار کی بولی بھی سن لیجئے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو عذاب خداوندی سے ڈرایا۔ تو ان کی قوم کے کافروں نے کیا جواب دیا؟ اس کو قرآن کی زبان سے سنئے:

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (ہود)

یعنی ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو تمہیں اپنا ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں۔

اسی طرح سورۂ ابراہیم میں ہے کہ قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود کے کافروں نے سب نے اپنے اپنے پیغمبروں سے یہی کہا کہ:

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ○

یعنی تم لوگ تو ہمارے ہی جیسے بشر ہو۔ تم لوگ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا کے معبودوں سے ہمیں باز رکھو۔ تو تم کوئی روشن دلیل ہمارے پاس لاؤ۔

اسی طرح جب حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کے پاس ہدایت کا پیغام لائے تو کفار نے ان سے یہ کہا کہ:

مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ (شعراء)

یعنی تم تو ہمارے ہی جیسے ایک بشر ہو اور یقیناً ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو۔

اسی طرح انطاکیہ شہر کے کفار نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی زبانی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام ہدایت سنا تو ان ظالموں نے برجستہ یہی کہا کہ:

مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ (یٰسین)

یعنی تم لوگ تو ہمارے ہی جیسے بشر ہو۔ اور رحمٰن نے تو کچھ نازل کیا ہی نہیں ہے۔ تم لوگ نرے جھوٹے ہو۔

یہاں تک کہ سورۂ تغابن میں خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ تمام کفاروں کا یہی دستور رہا ہے کہ جب کبھی بھی انبیاء علیہم السلام ان لوگوں کے پاس خدا کا پیغام لے کر آئے تو ان کفار نے یہی کہا کہ ابشر یھدوننا کیا ایک بشر ہمیں ہدایت کرے گا؟

الغرض برادران ملت! خدا کے نبیوں کو بشر کہنا یہ کافروں ہی کی بولی ہے۔ یہ اہل ایمان کی بولی نہیں ہے۔ کیونکہ ہرگز ہرگز کسی مومن نے کسی نبی کو اس طرح حقارت کے ساتھ بشر نہیں کہا اور اگر کبھی کسی مومن نے حضور کو بشر کہا ہے تو یہی بتانے کے لئے کہ حضور خدا نہیں تھے، فرشتہ نہیں تھے بلکہ بشر یعنی انسان اور آدمی تھے۔

لہٰذا برادران ملت! خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ حضور اکرم ﷺ کو ہر سانس میں بشر کہنے والے یہ شیطان اور کفار کی بولی بول رہے ہیں (توبہ نعوذ باللہ منہ) چنانچہ مولانائے روم نے فرمایا۔

کافراں گفتند احمد را بشر!
ایں نمی دید ند ازو شق القمر!

یعنی کافروں نے حضور احمد مجتبیٰ ﷺ کو بشر کہا۔ اور یہ نہیں دیکھا کہ ان کے اشارے سے چاند شق ہو گیا۔

اسی طرح حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے ایک دوسرے موقع پر اس طرح ارشاد فرمایا کہ ۔

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر
ما و ایشاں بستہ خوابیم و خور

یعنی کافروں نے یوں کہا کہ ہم بھی بشر ہیں، اور انبیاء بھی بشر ہیں۔ ہم بھی سوتے اور کھاتے پیتے ہیں اور انبیاء بھی سوتے اور کھاتے پیتے ہیں۔

ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ
ہست فرقے درمیاں بے انتہا

یعنی ان لوگوں نے اپنے اندھے پن سے اتنا بھی نہیں جانا کہ ہم میں اور خدا کے نبیوں میں بے انتہا فرق ہے۔

سبحان اللہ، سبحان اللہ زمین و آسمان میں بڑا فرق ہے۔ مگر پھر بھی اس فرق کی ایک حد اور انتہا ہے مگر حضرت مولانا رومی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نبی اور غیر نبی میں اتنا عظیم الشان فرق ہے کہ اس کی کوئی حد اور انتہا نہیں!

حضرات! بہر کیف میری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں جہاں پروردگار عالم نے اپنے نبیوں کو یہ حکم دیا ہے کہ تم لوگ اپنے کو بشر کہو۔ یا تو یہ آیات متشابہات میں سے ہیں۔ یا ان آیتوں میں حضرت حق جل مجدہٗ نے اپنے مقدس انبیاء کو تواضع کی تعلیم دی ہے۔ اور جہاں جہاں انبیاء علیہم السلام نے اپنے کو بشر کہا ہے۔ یا تو تواضع کے طور پر کہا ہے۔ یا یہ ظاہر کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ میں خدا یا خدا کا بیٹا نہیں ہوں، جن نہیں ہوں، فرشتہ نہیں ہوں، بلکہ ایک بشر یعنی انسان اور آدمی ہوں۔ اور جہاں جہاں کفار نے انبیاء کو بشر کہا ہے۔ وہ حقارت و توہین ہی کے طور پر کہا ہے۔ لہٰذا اس دور میں بھی جو حضور اکرم ﷺ کے تمام عظمت اور وقار والے خطاب و القاب چھوڑ کر انہیں بشر کہا کرتے ہیں۔ در حقیقت توہین و بے ادبی کے سوا اس کا کوئی مفہوم نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا رسول کو بشر کہنا جائز نہیں اور جو بد نصیب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ وہ تو رسول کی اتنی زبردست توہین و بے ادبی کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کی تمام کائنات اس کے تصور سے لرزہ براندام ہونے لگتی ہے۔ (توبہ نعوذ باللہ)

لہٰذا میرے بزرگو اور بھائیو! خبردار، خبردار۔ ہر دم اور ہر قدم پر ہوشیار کہ تم سے کبھی بارگاہ نبوت کی ایک ذرہ کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی بے ادبی نہ ہونے پائے۔ ورنہ یاد رکھو کہ بارگاہ رسالت میں ایک ذرا سی غلطی اور بے ادبی بھی دولت ایمان کو غارت و برباد کر دیتی ہے اور میری یہ بات یاد رکھو کہ رسول کو بشر کہنا شیطان یا کفار کی بولی ہے۔ اور یہ بولی سن کر یہ پہچان ہو جاتی ہے کہ بولی والا کون ہے؟ جس طرح کتے، گدھے، کوے کی بولیاں سے تم پہچان لیتے ہو کہ یہ کتا، گدھا اور کوا ہے۔ اسی طرح کفار کی بولی سن کر پہچان لیا کرو۔ کہ یہ کسی لباس

میں بھی ہوں ان کا ظاہر کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ مگر ان کے دلوں میں کفر کی گندگی بھری ہے لہٰذا ایسے لوگوں سے دور رہو اور حضرت مولانائے روم علیہ الرحمہ کا ارشاد پیش نظر رکھو کہ۔

او بظاہر واعظ احکام بود
در حقیقت آں صفیر دام بود

یعنی بہت سے ایسے مولوی ہوں گے جو بظاہر تو بڑے متقی و پرہیزگار نظر آئیں گے اور احکام الٰہی کی تبلیغ کرنے والے نظر آئیں گے مگر در حقیقت ان کی مثال ایسی ہو گی کہ جب شکاری بھولے بھالے پرندوں کو شکار کرنے کے لئے جال لگاتا ہے تو خود چھپ کر پرندوں کی بولی بولتا ہے۔ غریب پرندے اپنی بولی سن کر دوڑ پڑتے ہیں۔ اور جال میں پھنس جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ مولوی مسلمانوں کی صورت بنا کر اور مسلمانوں کی بولی بول کر لوگوں کو اپنے کفر کے جال میں پھنسایا کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ جب تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ یہ برتاؤ کرو کہ۔

دشمن دیں را ذلیل و خوار دار
بہر آں منبر منہ بردار دار

یعنی ان دین کے دشمنوں کو ہمیشہ ذلیل و خوار کرو۔ ان کے لئے منبر مت رکھو بلکہ ان کو سولی پہ چڑھا دو۔

برادران ملت! در حقیقت یہ اس حدیث کا ترجمہ ہے کہ اِيَّاكُمْ وَاِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ یعنی ان کو اپنے سے اور اپنے کو ان گمراہوں سے بچائے رکھو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ تمہیں گمراہ کر دیں اور تمہیں فتنے میں ڈال دیں۔

برادران ملت! ایک بار باآواز بلند درود شریف پڑھ لیجئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اَبَدًا اَبَدًا ط

خاتمہ:۔ حضرات اب آخر میں ایک بار میں آیت مبارکہ کا ترجمہ کر کے اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ بغور سنئے اور عمل کی کوشش کیجئے۔

ارشاد ربانی ہے کہ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰىٓ اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اے محبوب آپ فرما دیجئے کہ ظاہر صورت بشری میں تو میں تمہیں جیسا ایک آدمی ہوں۔ مجھ پر

یہ وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّ لَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَداً ط تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہئے کہ نیک کام کرے۔اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔

حضرات گرامی! آیت کے آخری حصہ میں پروردگار عالم جل جلالہ نے دو چیزوں کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔ایک یہ کہ فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً جو شخص خداوند قدوس کے دیدار کا امیدوار ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اعمال صالحہ کا ذخیرہ جمع کرے اور دوسری چیز یہ ہے کہ وَلَا یُشْرِكْ بِعَبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَداً اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ یعنی شرک سے بچتا رہے۔ کیونکہ شرک وہ گناہ عظیم ہے جس کے بارے میں خداوند قدوس جل جلالہ نے صاف صاف اعلان فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرِكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ''یعنی بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا۔اور شرک سے کمتر دوسرے تمام گناہوں کو جس کے لئے چاہے گا معاف فرمادے گا۔

مگر برادران اسلام اتنا اور بھی سن لیجئے کہ شرک کے کیا معنی ہیں؟اور شرک کس کو کہتے ہیں؟ ورنہ آج کل کے فاضلین دیوبند نے تو شرک کی فہرست اتنی لمبی بنا ڈالی ہے کہ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا مسلمان ہو گا جو شرک سے بچا ہو گا۔اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو شرک کے معنی بتادوں اس کو غور سے سنئے اور یاد رکھئے:

''علم العقائد'' کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفیہ کے ص 61 پر لکھا ہوا ہے کہ اَلشِّرْكُ هُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِیْكِ فِی الْاُلُوْهِیَّةِ بِمَعْنیٰ وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ کَمَا لِلْمَجُوْسِ اَوْ بِمَعْنیٰ اِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ کَمَا لِعَبَدَةِ الْاَصْنَامِ یعنی شرک کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی الوہیت میں کوئی شریک ثابت کرنا یا تو اس طرح کہ خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود مان لینا۔ جیسا کہ مجوسی کہتے ہیں۔یا اس طرح کہ خدا کے سوا کسی کو عبادت کا حق دار مان لینا۔ جیسا کہ بت پرستوں کا عقیدہ ہے۔

برادران اسلام! دیکھ لیجئے حضرت علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ نے کتنی صفائی کے ساتھ بیان فرمادیا ہے کہ شرک کی صرف دو ہی صورتیں ہیں۔ایک یہ کہ خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود مان لینا۔دوسری یہ کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کو عبادت کے لائق سمجھ لیا جائے۔

مسلمانو! اب اس عبارت کی روشنی میں ہر مسلمان یہ سمجھ سکتا ہے کہ علماء دیوبند نے جو

قبروں کی زیارت، قبروں پر غلاف وچادر ڈالنے، قبروں پر پھول چڑھانے یا رسول اللہ کا نعرہ لگانے اور دوسری ہزاروں جائز باتوں کو شرک قرار دے دیا ہے۔ یہ کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟ کیا کوئی مسلمان بھی انبیاء اور اولیاء کو واجب الوجود یا لائق عبادت سمجھتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر یہ سب امور شرک کیسے ہو سکتے ہیں؟

بہر کیف شرک کو آپ نے سمجھ لیا۔ خداوند عالم نے ہم کو اسی شرک سے منع فرمایا ہے۔ جس سے بچنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ خداوند کریم ہر مسلمان کو شرک کی لعنت سے محفوظ رکھے اور اعمال صالحہ کی توفیق خیر رفیق بخشے۔ (آمین)

وصلی اللہ تعالیٰ علٰی خیر خلقہ محمد والہٖ وصحبہٖ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الراحمین۔

....

ساتواں وعظ

اسلامی زندگی

ہائے اسلام! ترے چاہنے والے نہ رہے
جن کا تو چاند ہے افسوس وہ ہالے نہ رہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْقَادِرِ الْقَوِيِّ الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبَةِ الْكَرِيْمِ السَّتَّارِ ط وَاَكْرَمُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ عَلَى النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ ط سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَاحِبِ الْعِزِّ وَالْوَقَارِ ط وَعَلٰے اٰلِهِ لَاطْهَارِ وَاَصْحَابِهِ الْاَخْيَارِ ط وَعَلٰى مَنْ سَلَكَ مَسَالِكَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقَرَارِ ط اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ط (بقرہ)

حضرات! سرکار نامدار، مدنی تاجدار، احمد مختار ﷺ کے دربار پر انوار میں درود و سلام کے گوہر آبدار نثار کیجئے۔ اور بآواز بلند پڑھئے:

"اللّٰھمّ صل وسلم علَى النّبيّ المختار وعلٰى اله الاطهار واصحابه الاخيار وبارك عليه الٰى يوم القرار برحمتك يا عزيز يا غفار ط"

محترم حاضرین! میں حضرت جمیل قادری بریلوی علیہ الرحمہ کے نعتیہ کلام میں سے چند اشعار سناتا ہوں۔ انتہائی جذبہ عقیدت کے ساتھ سماعت فرمائیے ۔

نعت شریف

سلطان جہاں، محبوب خدا، تری شان و شوکت کیا کہنا

ہر شے پہ لکھا ہے نام ترا، ترے ذکر کی رفعت کیا کہنا

معراج ہوئی تا عرش گئے، حق تم سے ملا تم حق سے ملے

سب راز "فاوحٰی" دل پہ کھلے، یہ عزت و حشمت کیا کہنا

ہر ذرہ ترا دیوانہ ہے، ہر دل میں ترا کاشانہ ہے

ہر شمع تری پروانہ ہے، اے شمع ہدایت کیا کہنا

آنکھوں سے کیا دریا جاری، اور لب پہ دعا پیاری پیاری

رو رو کے گزاری شب ساری، اے حامی امت کیا کہنا

عالم کی بھریں ہر دم جھولی، خود کھائیں تو بس جو کی روٹی

وہ شان عطا و سخاوت کی یہ زہد و قناعت کیا کہنا

وہ پھول بتولی گلشن کے اک سبز ہوئے اک سرخ ہوئے

بغداد و عرب جن سے مہکے ان پھولوں کی نکہت کیا کہنا

حضرات! سورۂ بقرہ کی ایک آیت شریفہ میں نے خطبہ کے بعد آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس آیت میں خداوند عالم جل جلالہ نے اپنے ایمان والے بندوں کو ایک بہت ہی اہم اور عظیم الشان فرمان سے سرفراز فرمایا ہے جو در حقیقت ایک صاحب ایمان مسلمان کی زندگی کے لئے بڑا ہی انمول دستور حیات اور نہایت ہی مکمل نظام حیات ہے۔

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے یآیھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ اے ایمان والو! تم اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ ولا تتبعوا خطوات الشیطن اور شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو۔ انہ لکم عدو مبین بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

برادران اسلام! اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ یہ ایک بہت ہی جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ اسلام لانے سے پہلے یہودیوں کے ایک بہت ہی مقتدر پیشوا اور تورات و انجیل کے بہت متبحر عالم تھے۔ جس وقت حضور اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے۔ تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے کھجوروں کے باغ میں کام کر رہے تھے۔ جب انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی تشریف آوری اور آمد آمد کا چرچا سنا تو دوڑ کر رحمت عالم کے دیدار کے لئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے۔ خدا کی شان کہ جس وقت یہ مجلس میں پہنچے تو ہادی اکرم ﷺ وعظ بیان فرما رہے تھے اور آپ کی زبان فیض ترجمان پر یہ کلمات جاری تھے کہ "یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاَفْشُوا السَّلَامَ وَقُوْمُوْا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ ، تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِسَلَامٍ" یعنی اے لوگو! بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سلام کا چرچا کرو۔ اور جب تمام لوگ

راتوں کو سکھ اور چین کی نیند سو رہے ہوں تو اس وقت تم لوگ اٹھ کر خدا کی بارگاہ میں عبادت کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ تو تم لوگ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

حضرات! رسول مقبول ﷺ کے یہ پیارے پیارے کلمات حضرت عبد اللہ بن سلام کے کان میں پڑے۔ اور انہوں نے ایک نگاہ بھر کر جمال محمدی کا نظارا کیا۔ تو انہیں رسول کے جمال نبوت میں حقانیت و صداقت کا ایک ایسا آفتاب عالم تاب نظر آگیا۔ جس سے ایک دم ان کی دنیائے دل میں ہدایت کا اجالا ہو گیا۔ اور اسلام کی حقانیت اور بانی اسلام کی صداقت کا نور ان کے دل و دماغ پر ہدایت کی روشنی بن کر اس طرح جگمگانے لگا کہ یہ کلمہ پڑھ کر صدق دل سے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اور ان کے چند ساتھی بھی مسلمان ہو گئے۔

برادران ملت! اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ صادق الایمان مسلمان تھے لیکن چونکہ ایک زمانہ دراز تک یہ لوگ یہودی دھرم کے پابند رہ چکے تھے۔ اس لئے اسلام لانے کے بعد بھی یہ لوگ یہودی دھرم کے بعض احکام پر عمل کرتے رہے۔ چنانچہ یہ لوگ سنیچر کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور اونٹ کا گوشت کھانے اور دودھ پینے سے پرہیز کرتے تھے۔ اور یہ خیال کرتے تھے کہ یہ چیزیں اسلام میں مباح ہیں۔ ان کا کرنا ضروری ہے نہ چھوڑنا ضروری ہے اور تورات میں ان چیزوں سے بچنا ضروری ہے۔ لہٰذا ان چیزوں کو چھوڑ دینے میں اسلام کی کوئی مخالفت نہیں ہوگی اور موسوی شریعت پر بھی عمل ہوتا رہے گا۔ اس طرح ہم قرآن اور تورات دونوں پر عمل کرتے رہیں گے۔ لیکن ان لوگوں کا یہ طرز عمل خداوند قدوس جل جلالہ کو پسند نہیں آیا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اور پروردگار عالم نے فرمادیا کہ:

اے ایمان والو! جب تم مسلمان ہوئے ہو۔ تو پورے طور پر اسلام میں داخل ہو جاؤ اور صرف اسلام ہی کے احکام کی پوری پوری اطاعت و پابندی کرو۔ تورات وانجیل اور دوسری تمام کتابوں کو قرآن نے منسوخ کر دیا ہے۔ اس لئے اب قرآن کے سوا دوسری کتابوں کے احکام پر چلنا تمہارے لئے جائز نہیں۔ (صاوی، خازن وغیرہ)

مطلب یہ ہے کہ مسلمان بنے ہو تو آدھے تیتر آدھے بٹیر کی طرح ادھورے مسلمان نہ بنو۔ بلکہ پورے پورے مسلمان بن جاؤ۔ آدھے یہودی اور آدھے مسلمان بننے کا خیال در حقیقت شیطانی وسوسوں کا ایک پر فریب جال ہے۔ اس لئے تم لوگ شیطان کے ان نقوش قدم

کی اطاعت اور پیروی نہ کرو۔ کیونکہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اور دشمن کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنا انتہائی خطرناک اور اس کا انجام بہت ہی افسوسناک ہوا کرتا ہے۔

توارت و انجیل کی حیثیت:۔ برادران اسلام! اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ تورات و انجیل اور دوسری مقدس آسمانی کتابیں یقیناً خدا ہی کی فرستادہ کتابیں ہیں اور بلاشبہ ان کتابوں کی تعلیمات اپنے اپنے دور میں ہدایت کے چمکتے ہوئے ستارے اور حق کی شاہراہ کے لئے راہنمائی کا نور ہیں اور ان کتابوں کی حقانیت و صداقت پر ہم مسلمانوں کا ایمان ہے۔ لیکن حضور خاتم النبیین ﷺ کی تشریف آوری، اور خدا کی آخری کتاب کریم یعنی قرآن عظیم کے نزول کے بعد تورات وانجیل وغیرہ تمام آسمانی کتابوں کی تعلیمات کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ یہ کتابیں اس وقت نازل ہوئی تھیں جب انسانیت کی حیات کا نظام عمل بہت ہی کوتاہ اور انسانی ترقیات کی منزل بہت ہی محدود تھی لیکن اب جبکہ انسانیت کے دستور حیات کا دفتر بہت طویل ہو چکا اور انسان اپنے مدارج ترقیات کی بلند ترین منزل پر قدم رکھ چکا، تو قرآن کریم کی وسیع اور اعلیٰ تعلیمات کی بلند ترین منزل پر قدم رکھ چکا، تو قرآن کریم کی وسیع اور اعلیٰ تعلیمات کے سوا حوائج انسانیت کی تکمیل اور انسانی نظام حیات کے تقاضوں کی تسکین، کسی دوسری کتاب کی تعلیمات سے ہو ہی نہیں سکتی، اس لئے قرآن کے آفتاب ہدایت کے سامنے دوسری تمام آسمانی کتابوں کی ہدایت کے ستارے اپنی اپنی چمک دمک سے دست بردار ہو کر ہمیشہ کے لئے غروب ہوگئے اور یہ سب کتابیں منسوخ ہو گئیں۔

چراغ اور سورج کی مثال:۔ حضرات! اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ جب تک رات کا اندھیرا رہتا ہے۔ اس وقت تک چراغ کی روشنی، ٹارچ کی چمک بھی مسافر کی رہنمائی کرتی ہے۔ ستارے اور چاند بھی اپنا اپنا نور بکھیر کر راہ چلنے والوں کو راستہ دکھاتے رہتے ہیں۔ مگر جب صبح کو آفتاب اپنی نورانی آب و تاب کے ساتھ طلوع ہو جاتا ہے تو چراغ اور ٹارچ کی روشنی بالکل بے کار اور چاند تاروں کی برات اپنی اپنی نورانی چادروں کو سمیٹ کر رخصت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب تک قرآن نازل نہیں ہوا تھا۔ تو انجیل و تورات، اور زبور وغیرہ تمام آسمانی کتب و صحائف سے انسانیت کو ہدایت کی روشنی ملتی رہی۔ لیکن جب قرآنی تعلیمات کا آفتاب طلوع ہو گیا۔ تو اس کے نور مبین کے سامنے تمام کتابوں کی روشنیاں روپوش ہو گئیں ظاہر ہے کہ دن

کے اجالے میں چراغ سے روشنی حاصل کرنے والا بلاشبہ لغویت کا مجسمہ ہی کہلائے گا۔ اسی طرح قرآن کے ہوتے ہوئے تورات وانجیل سے ہدایت طلب کرنے والا در حقیقت ہدایت کو منہ چڑانے والا شمار کیا جائے گا۔

برادران ملت! اسی مضمون کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے خداوند قدوس نے اپنے حبیب نبی آخر الزماں ﷺ کے اوصاف جمیلہ کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِداً وَّمُبَشِّراً وَّ نَذِیْراً ہ وَدَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجاً مُّنِیْراً ہ یعنی اے نبی ہم نے آپ کو اس شان کے ساتھ بھیجا ہے کہ آپ تمام انبیاء اور امتوں کے گواہ ہیں اور خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور خدا کی طرف بلانے والے اور "روشن آفتاب" ہیں۔

حضرات! خداوند حق جل مجدہٗ نے اس آیت میں اپنے پیارے حبیب ﷺ کو شاہد، مبشر، نذیر، داعی کے خطابات سے سرفراز فرماتے ہوئے آخر میں "سراج منیر" یعنی روشن آفتاب کے لقب سے ممتاز فرما کر اسی حقیقت کی نقاب کشائی فرمائی ہے کہ اب تک جتنے انبیاء اور رسل تشریف لائے وہ سب آسمان نبوت میں چاند اور ستارے بن کر چمکتے رہے مگر نبی آخر الزمان "سراج منیر" یعنی روشن آفتاب بن کر نمودار ہوئے۔ چنانچہ آفتاب نبوت کے طلوع ہوتے ہی نبوت کے سب چاند اور ستارے روشن ہو گئے۔ اور آخر الزمان نبی کی قرآنی تعلیمات کے جگمگاتے ہوئے انوار ہدایت کے سامنے انبیاء سابقین کی تعلیمات کی تجلیات ایسی محسوس ہونے لگیں جس طرح آفتاب نصف النہار کے انوار کے سامنے چند ٹمٹماتے ہوئے چراغ۔

برادران اسلام! اسی لئے خداوند عالم نے صاف صاف اعلان فرمادیا کہ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ یعنی جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا۔ تو وہ ہرگز ہرگز بارگاہ خداوندی میں مقبول نہیں ہو سکے گا اور اسی لئے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں نے جب قرآن کے ہوتے ہوئے تورات کی تعلیمات کی طرف ذرا رخ کیا۔ تو عتاب خداوندی نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ یٰاَیُّھَا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ یعنی اے ایمان والو! تم اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن انہ لکم عدو مبین ہ اور تم لوگ شیطان کے نقش قدم کی پیروی مت کرو کیونکہ وہ تم لوگوں کا کھلا ہوا دشمن ہے۔

برادران ملت! غور فرمائیے کہ اس آیت نے ہمیں چونکا دیا کہ ایک مسلمان اسی وقت
کامل الایمان اور حقیقی مسلمان کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ جب کہ وہ اسلام کے ہر چھوٹے
بڑے مسائل واحکام پر صدق دل اور یقین کامل کے ساتھ ایمان لائے۔ اور اسلام کے سوا کسی
دین یا دھرم کی تعلیمات کو ہرگز ہرگز اپنے گوشہ اعتقاد میں جگہ نہ دے۔ ظاہر ہے کہ اونٹ کا
گوشت کھانا اسلام میں نہ فرض ہے نہ واجب۔ اگر کوئی عمر بھر نہ کھائے تو اس کے اسلام کے
دامن پر کوئی دھبہ نہیں لگ سکتا۔ لیکن جب یہودی شریعت کی اطاعت کے جذبے سے کوئی
شخص اونٹ کا گوشت ترک کرے گا۔ تو یقیناً وہ اسلامی شریعت کے دائرہ سے بھٹکنے والا شمار کیا
جائے گا اور اس کے اسلام کا سفید وشفاف دامن ضرور کچھ نہ کچھ داغ دار ہو جائے گا۔

عزیزان ملت! اب میں صاف صاف کہتا ہوں کہ آج کل بہت سے وہ مسلمان جو شریعت
اسلام اور اسلامی شعار سے منہ موڑ کر یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے دینی مراسم اور ان کے غیر
اسلامی اعمال وافعال پر والہانہ ٹوٹے پڑتے ہیں اور اسلامی معاشرہ میں اغیار کے کافرانہ رسوم و
مراسم کو داخل کر کے اسلام کی مستحکم دیواروں کو ڈائنامیٹ سے اڑا رہے ہیں۔ انہیں ہوش میں
آجانا چاہئے کہ قرآن حکیم کی اس آیت نے انہیں کتنی بھیانک اور خوفناک وعید سنائی ہے کہ
ان کے اسلام کو ادھورا قرار دے کر انہیں پورا پورا اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ پھر ان
کے اس غیر اسلامی طرز عمل کو شیطان کے نقوش قدم کی پیروی ٹھہرا کر انہیں شیطان کا مطیع و
متبع قرار دیا (والعیاذ باللہ منہ)

داڑھی کی اہمیت:۔ حضرات! مثال کے طور پر ایک داڑھی کے مسئلہ پر غور کر لیجئے۔ آج
برصغیر ہی میں نہیں بلکہ مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کے مسلمانوں نے محض یورپ کی
اندھی تقلید میں اپنی داڑھی مونچھ کا صفایا کر ڈالا ہے اور جب کبھی علماء حق ان لوگوں کو اس شعار
دین اور اسلامی نشان کی اہمیت بتاتے ہیں۔ تو بعض مسلمان انتہائی بے باکی اور بے ادبی بلکہ کمال
بے حیائی کے ساتھ یہ کہہ دیتے ہیں کہ کیا داڑھی میں اسلام لٹکا ہوا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اے
عزیزو! داڑھی میں تو اسلام نہیں ہے مگر اسلام میں تو داڑھی ہے۔ خدا کی قسم حضور اکرم ﷺ کا
فرمان، ہدایت کا نشان بن کر آج بھی احادیث کی کتابوں میں چمک رہا ہے اور قیامت تک چمکتا
رہے گا۔ کہ قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوْا اللحی وخالفو المشرکین یعنی مونچھوں کو کاٹو

اور داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مشرکین کی مخالفت کرو۔ پھر کون مسلمان نہیں جانتا؟ کہ تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء تشریف لائے اور ان میں سے کسی نے بھی نہ داڑھی منڈوائی، نہ کٹائی۔

میرے حضور خاتم النبیین ﷺ کے تقریباً ایک لاکھ سے زائد صحابہ میں سے کوئی بھی داڑھی منڈانے والا نہیں تھا۔ پھر کروڑوں سلف صالحین، علماء کاملین اور اولیاء عارفین میں سے بتائیے تو کون ایسا ہوا ہے جس نے داڑھی مونچھ کا صفایا کرایا ہو۔

مسلمانو! للہ مجھے بتاؤ! کہ کیا یہ سب کچھ جانتے ہوئے داڑھیاں منڈانا، یا بڑی بڑی مونچھیں رکھنا، یا داڑھیوں کی ایسی درگت بنانا کہ کچھ کٹی ہوئی، کچھ منڈی ہوئی، کچھ نوچی ہوئی نظر آنے لگے۔ یہ شعار اسلام اور فرمان مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کھلی ہوئی مخالفت اور قانون شریعت سے بغاوت نہیں ہے؟ اور مراسم کفر کی طرف رغبت کی نشانی نہیں ہے؟ افسوس صد ہزار افسوس!

مسلمانو! تمہارے ان ہی کرتوتوں کا مرثیہ پڑھتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے اپنی مشہور نظم "جواب شکوہ" میں بالکل سچ اور صحیح لکھا ہے کہ:

کون ہے تارک آئین رسول مختار؟ مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
ہو گئی کس کی نظر طرز سلف سے بیزار؟ کس کی نظروں میں سمایا ہے شعار اغیار؟
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں

اسلامی سلام:۔ مسلمانو! اسلامی شعار کی بات آ گئی ہے۔ تو ایک بات اور بھی سن لو۔ ہم مسلمانوں کے حضور پیغمبر اسلام ﷺ نے بوقت ملاقات سلام کا اسلامی طریقہ یہ بتایا ہے کہ تم لوگ "السلام علیکم" کہو اور جواب دینے والا "وعلیکم السلام" کہے۔ مگر آج کل کے مسلمان محض فرنگیوں کی تقلید میں اپنے اس طریقہ سلام کو بحر عرب میں غرق کر کے "گڈ مورننگ" اور "گڈ نائٹ" کے نصرانی شعار کا پرچم بلند کر رہے ہیں اور بعض مشرکین کی تقلید میں "نمستے" یا "کچھ نہیں سمجھتے" کا راگ الاپ رہے ہیں۔

مسلمانو! ذرا سوچو تو سہی یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ افسوس کہ تم غیر شعوری طور پر اپنے اسلام کے مضبوط قلعہ پر بمباری کر رہے ہو اور دین کے شعائر اور اسلامی نشانوں کو برباد اور تہس نہس کر رہے ہو۔

مسلمانو! تمہیں کیا خبر؟ کہ اسلامی سلام "السلام علیکم" کی کیا اہمیت ہے؟ اور اس لفظ میں کتنی بڑی بڑی عظمتوں اور حکمتوں کے خزانے پوشیدہ ہیں؟

ارے بھائیو! "گڈ مورننگ" کے یہی تو معنی ہیں کہ "تم صبح کو اچھے رہو" اور "گڈ نائٹ" کے یہی معنی تو ہیں کہ "تم رات کو اچھے رہو" سبحان اللہ۔ ذرا سوچئے تو سہی کہ یہ کیسی ان کہی دعا ہے کہ "گڈ مورننگ"، "تم خالی صبح کو اچھے رہو۔" چاہے دن بھر اور رات بھر بھاڑ ہی میں جلتے رہو۔ اور "گڈ نائٹ" "رات کو تم اچھے رہو۔ چاہے دن کو تم جہنم ہی میں چلے جاؤ۔ اور "نمستے" کے کیا معنی ہیں۔ ذرا یہ بھی سن لو۔ "میں تمہارے آگے جھکتا ہوں۔" توبہ نعوذ باللہ۔ بھلا یہ بھی کوئی سلام ہے۔

مسلمانو! ذرا خیال تو کرو۔ کہ مسلمان کی وہ مقدس پیشانی جو اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ وہ صرف خالق کائنات کے آگے جھکے۔ اور ساری کائنات کو اپنے آگے جھکائے۔ وہ پیشانی ایک انسان کے آگے جھکے؟ اور ایک توحید کا پرستار "نمستے" کہہ کر غیر اللہ کے آگے اپنی پیشانی جھکانے کا اعلان کرے؟ ارے یہ نمستے تو انہیں لوگوں کو زیب دیتا ہے، جو مٹی، پتھر، دریا اور درختوں کے آگے سر جھکاتے پھرتے ہیں۔ وہ لوگ اگر "نمستے" کہہ کر کسی انسان کے سامنے پیشانی جھکانے کا اعلان کریں تو یہ ان کے لئے زیبا ہے۔ مگر ہائے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کہ تم اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ "نمستے" تمہارے عقیدۂ توحید کے سفینہ نجات میں کتنا خوفناک "تار پیڈو" ہے۔ تمہیں کچھ احساس بھی ہے؟ کہ تم نے اس "نمستے" کا "تار پیڈو" مار کر کتنی مرتبہ اپنے اسلام کے جہاز کو غرق کرنے کی کوشش کی ہے؟

مسلمانو! کیا تمہارے خون میں توحید اسلامی کی حرارت فنا ہو گئی؟ کیا تمہاری اسلامی غیرت کی دہکتی ہوئی آگ بجھ کر بالکل ہی راکھ ہو چکی ہے؟ مسلمانو! خدا کے لئے اپنے اوپر رحم کرو۔ اپنے دین و ایمان کی خیر مناؤ اور ان مشرکانہ مراسم اور غیر اسلامی شعاروں کو چھوڑ دو۔ اور اپنے پیارے اسلامی طریقوں پر عمل کر کے اپنی دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح کا سامان کر لو۔ اور اپنے اسلامی عقیدوں پر پہاڑ کی طرح قائم رہو۔ کیونکہ بغیر عقائد کی پختگی اور دین کے ساتھ والہانہ لگاؤ کے ہرگز ہرگز تمہاری اسلامی زندگی کامیاب نہیں ہو سکتی اور ہرگز ہرگز تم ایک زندہ قوم کے کردار نہیں پیش کر سکتے۔ خوب کان کھول کر سن لو۔

حکمت مشرق و مغرب نے سکھایا ہے مجھے
ایک نکتہ، کہ غلاموں کے لئے ہے اکسیر
دین ہو، فلسفہ ہو، فقر ہو، سلطانی ہو
ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بناء پر تعمیر
"حرف" اس قوم کا بے سوز، عمل زار و زبوں
ہو گیا پختہ عقائد سے نہیں جس کا ضمیر

بہر کیف مسلمانو! "گڈ مورننگ"، "گڈ نائٹ" اور "نمستے" کے معانی تو آپ سن چکے۔ اور سمجھ چکے کہ یہ کتنے حماقت آمیز سلام کے طریقے ہیں؟ اب ذرا اسلامی سلام "السلام علیکم" کے معنی بھی سن لیجئے اور اس کی حکیمانہ جامعیت کی داد دیجئے۔

السلام علیکم کے معنی:۔ سنئے جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملاقات کرتا ہے تو کہتا ہے "السلام علیکم" یعنی تمہارے اوپر ہر قسم کی سلامتی ہو۔ یعنی جان کی سلامتی، مال کی، عزت و آبرو کی سلامتی، تندرستی کی سلامتی، صبح کی سلامتی، شام کی سلامتی، دن کی سلامتی، رات کی سلامتی، ہر چیز کی سلامتی، ہر بات کی سلامتی، پھر جواب میں دوسرا مسلمان کہتا ہے کہ "وعلیکم السلام" یعنی جن جن باتوں اور چیزوں کی سلامتی کی دعا تم نے میرے لئے کی ہے، انہیں سب چیزوں کی سلامتی کی دعا میں بھی تمہارے لئے کرتا ہوں۔

پھر اے مسلمان بھائیو! یہ "السلام علیکم" خالی دعا ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک عہد اور اقرار نامہ بھی ہے کہ جب ایک مسلمان نے کسی دوسرے مسلمان سے "السلام علیکم" کہہ دیا تو گویا اس کے سامنے یہ عہد کر لیا کہ اب تم میری طرف سے بالکل بے خوف ہو جاؤ۔ کیونکہ میری طرف سے تمہاری جان، مال، عزت، آبرو، مکان، دکان، ساز و سامان ہر چیز کی سلامتی ہے اور میں ہرگز ہرگز تمہیں کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔

سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ مسلمانو! ذرا غور تو کرو کہ اگر مسلمان سچائی کے ساتھ سلام کرنا سیکھ لیں۔ تو پھر کسی مسلمان کو کسی مسلمان کی طرف سے نقصان و ضرر کا کوئی اندیشہ ہی نہیں ہو سکتا۔ اللہ اکبر۔ مسلمانو! دیکھ لو۔ تمہارا "السلام علیکم" اور "وعلیکم السلام" کتنی عظمت اور کس قدر اہمیت و حکمت والا سلام ہے؟ مگر افسوس کہ تم نے اس کوہ نور جیسے ہیرے کو اپنی جیب

سے نکال کر پھینک دیا ہے۔ اور گڈ مورننگ، گڈ نائٹ اور نمستے جیسے شیشے کے ٹکڑوں پر جھپٹ پڑے اور وہ بھی یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی تقلید میں۔ ہائے افسوس کہ تم عظمت کے اونچے مناروں سے ایسی پستی کے گڑھے میں گر پڑے۔ جس کو "اسفل السافلین" کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ہائے افسوس تم کیا تھے؟ اور کیا ہو گئے۔ ۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا؟ تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے، آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں سے تاجِ سر دارا
تمدن آفریں، خلاق آئین جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتر بانوں کا گہوارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشین کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت وہ سیارہ
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

بہر کیف اے مسلمانو! خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمیں اس آیت سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمان کو اسلام کے سب فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات سے والہانہ قلبی محبت اور عملی تعلق رکھنا یہ اسلامی منصب کا تقاضا ہے۔ اور ایک حقیقی اور پورا مسلمان بننے کے لئے ضروری ہے کہ نماز، روزہ، اور حج و زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ میں بھی کوئی کاٹ چھانٹ اور کتر بیونت نہ کرے اور اسلامی رہن سہن، اسلامی چال چلن اسلامی تہذیب و تمدن، اسلامی رفتار و گفتار، اسلامی عمل و کردار ہر ہر چیز کی حفاظت کرے اور اپنے ہر اسلامی شعار کو طریقہ اغیار کی مداخلت سے محفوظ رکھے اور اپنے اس عقیدہ کو پہاڑ کی طرح مستحکم کرے کہ ہر وہ طریقہ اور ہر وہ معاشرہ جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہو۔ یقیناً وہ شیطان کا وسوسہ اور اس کے نقش قدم کی

پیروی ہے۔

مسلمانو! یہی اس آیت کا مطلب ہے کہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ط

یعنی اے ایمان والو! تم پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کے نقوش قدم کی پیروی مت کرو۔ بیشک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

برادران ملت! ایک ایک بار باآواز بلند درود شریف پڑھ لیجئے۔

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی ال سیدنا محمد و بارك وسلم

شیطان تمہارا دشمن ہے:۔ برادران ملت! اب اس آیت کے آخری جملے کی بھی تھوڑی سی تشریح سن لیجئے۔ ارشاد ربانی ہے کہ انه لکم عدو مبین یعنی شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

مسلمانو! شیطان تمہارا وہ دشمن ہے جو خدا کے سامنے یہ اعلان کر کے جنت سے نکلا ہے کہ "لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ" یعنی میں اے اللہ تیرے مخلصین بندوں کے سوا سب کو ضرور ضرور گمراہ کروں گا۔ چنانچہ شیطان طرح طرح کے وسوسوں اور خیالات کے دام تزویر میں پھنسا کر مومن کو گمراہی کی ہلاکت میں ڈال دیتا ہے اور اس کے پر فریب جال اور مہلک پھندوں سے بچنا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ یہ عابدوں کو عابد بن کر، مولویوں کو مولوی بن کر، صوفیوں کو صوفی بن کر گمراہ کرتا ہے۔ حد ہو گئی ہے کہ کبھی عبادت سے روک کر مسلمان کو تباہ کرتا ہے اور کبھی عبادت کی تبلیغ کر کے بھی، اور عبادت کرا کر بھی، مسلمان کو تباہی کے غار میں گرانے کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ اور ابلیس:۔ چنانچہ مجھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک حکایت یاد آگئی۔ جس کو مولانائے روم نے مثنوی میں بڑی دھوم سے بیان فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں کہ

در خبر آمد کہ خال مومنان
بود اندر قصر خود خفتہ شباں

یعنی حدیث میں آیا ہے کہ تمام مومنین کے ماموں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رات بے محل میں سو رہے تھے۔

حضرات گرامی! چونکہ حضرت امیر معاویہ کی بہن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ اور تمام مسلمانوں کی ماں ہیں اور ماں کا بھائی ماموں ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت امیر معاویہ تمام مسلمانوں کے ماموں کہلاتے ہیں۔

ناگہاں مردے ورا بیدار کرد
چشم چوبکشا وپنہاں گشت مرد

اچانک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کسی آدمی نے بیدار کر دیا لیکن جب آپ نے آنکھ کھول کر دیکھا تو وہ آدمی چھپ گیا اور آپ کو نظر نہیں آیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ:

گفت ہی، تو کیستی؟ نام تو چیست؟
گفت نامم فاش ابلیس شقی است

ارے تو کون ہے؟ اور تیرا نام کیا ہے؟ یہ سن کر شیطان نے کہا کہ اجی! مجھ بد نصیب کا نام "ابلیس" ہے جو بہت ہی مشہور ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حیران ہو کر اس سے فرمایا کہ ارے ابلیس کا کام تو مومن کو سلا کر اس کی نماز قضا کرا دینا ہے۔ تو اگر ابلیس ہے تو پھر تو نے مجھے نماز کے لئے کیوں جگایا؟ تیرا کام تو نماز چھڑانا ہے۔ نماز پڑھانا تو تیرا کام نہیں ہے۔ یہ سن کر ابلیس نے کیا کہا؟ سنئے اور عبرت سے سر دھنئے:

از بن دنداں بگفتش اے فلاں
کردمش بیدار من از بہر آں

شیطان نے دانت پیس کر کہا کہ اے فلاں! میں نے آپ کو اس لئے بیدار کر دیا کہ۔

گر نمازت فوت می شد، ایں زماں
می زدی ازدرد دل آہ و فغان

اگر اس وقت آپ کی نماز فوت ہو جاتی تو آپ افسوس کرتے ہوئے اور درد دل سے روتے ہوئے آہ و فغان کرتے۔

آں تاسف، واں فغان و آں نیاز
درگزشتے ازدو صد رکعت نماز

تو نماز چھوٹنے کے غم میں آپ کا افسوس اور آپ کی بے قراری اور بارگاہ باری میں آپ کی آپ کی گریہ وزاری ثواب میں دو سو رکعت نمازوں سے بھی بڑھ جاتی۔ تو میں نے اسی لئے آپ کو نماز کے لئے جگادیا ہے کہ تاکہ آپ کا ثواب بڑھنے نہ پائے کیونکہ

من حسودم از حسد کردم چنیں
من عدوم، کار من مکر است وکیں

یعنی میں تو مسلمانوں کا حاسد ہوں۔ اور اسی جذبہ حسد کی وجہ سے میں نے آپ کو نماز کے لئے جگادیا۔ تاکہ آپ کو زیادہ ثواب نہ مل سکے۔ کیونکہ مسلمانوں کا دشمن ہوں اور مکر و کینہ ہی میرا کام ہے۔

مسلمانو! دیکھا آپ نے؟ ماو شما تو کس شمار و قطار میں ہیں؟ ایک صحابی کے بھی شیطان اپنی شیطانی حرکتوں سے باز نہیں رہتا۔ تو پھر ہم عوام کا کہاں ٹھکانا؟

بہر کیف شیطان کے مکر و کید اور اس کے پر فریب جال اور دام تزویر سے بچنا بڑا ہی مشکل ہے۔ لیکن ہاں صرف ایک تدبیر ہے کہ جس کے ذریعے شیطان کی شیطنت سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اور وہ وہی ترکیب ہے جس کے بارے میں خود شیطان نے یہ کہہ دیا ہے کہ اس تدبیر کے سامنے میرے تمام شیطانی ہتھکنڈے بے کار ہو جاتے ہیں اور وہ تدبیر یہ ہے کہ الا عبادك منهم المخلصين یعنی جو بندے اپنے رب کے ساتھ ہر عمل میں اخلاص اور للّٰہیت کا پیکر بنے ہوئے ہیں انہیں شیطان ہرگز ہرگز کوئی نقصان و ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

عزیزو اور دوستو! اب یہ بھی سن لیجئے کہ اخلاص کیا چیز ہے؟ سنئے اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ بندہ ہر عمل میں اللہ تعالیٰ ہی کی رضا طلب کرے اور ہرگز ہرگز اپنے کسی عمل میں لذت نفس یا ریاکاری کا گزر نہ ہونے دے نہ اپنی کوئی ذاتی غرض یا فائدہ ملحوظ رکھے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

واعظ کمال ترک سے ملتی ہے یاں مراد
دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبےٰ بھی چھوڑ دے
سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

دو صاحب اخلاص بزرگ:۔ حضرات! مجھے اس موقع پر ایک حکایت یاد آگئی۔ مشہور ہے کہ ایک بزرگ نے اپنے مرید کو کھانا دے کر حکم دیا کہ دریا کے اس پار ایک دوسرے بزرگ کے پاس پہنچا دے اور یہ فرمایا کہ دریا کے کنارے پر جا کر تم یہ کہہ دینا کہ اے دریا! تو مجھے اس کے حکم سے راستہ دیدے جس نے کبھی اپنے لئے اپنی بیوی سے صحبت نہیں کی ہے۔

چنانچہ مرید نے دریا کے کنارے پر جا کر یہ لفظ کہہ دیا اور بہتے دریا کے اوپر سے چلتا ہوا گزر گیا۔ اور ان بزرگ کے پاس کھانا پہنچا دیا۔ جب وہ بزرگ کھانا کھا چکے۔ تو فرمایا کہ تم چلے جاؤ اور دریا کے کنارے کھڑے ہو کر دریا سے یہ کہہ دینا کہ تو مجھے اس کے حکم سے راستہ دے دے، جس نے اپنے لئے کبھی کھانا نہیں کھایا ہے۔

چنانچہ مرید نے دریا کے سامنے یہی لفظ کہا اور دریا کے اوپر سے چلتا ہوا گزر گیا۔ مگر مرید کو سخت خلجان اور بے چینی رہی کہ میرے پیر صاحب کے ایک درجن اولاد ہے۔ پھر انہوں نے یہ کس طرح کہہ دیا کہ انہوں نے کبھی اپنے لئے اپنی بیوی سے صحبت نہیں کی ہے اور دریا پار کے بزرگ نے میرے سامنے کھانا کھایا۔ پھر کس طرح یہ کہا کہ انہوں نے اپنے لئے کبھی کھانا نہیں کھایا۔

چنانچہ مرید برداشت نہیں کر سکا۔ اور آخر پیر سے پوچھ ہی بیٹھا۔ کہ حضرت! آپ کا مقولہ اور دریا پار کے بزرگ کا مقولہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا۔ ذرا اس کی کچھ تشریح فرما دیجئے۔ یہ سن کر پیر صاحب نے جو آج کل کے انگارا شاہ چنگارا شاہ قسم کے "مقام کھا کھوت" طے کرنے والے پیر نہیں تھے۔ بلکہ واقعی صاحب کمال بزرگ تھے۔ مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ کہ اے مرید! میرا مطلب یہ تھا کہ میں نے اپنے لئے اپنی بیوی سے کبھی صحبت نہیں کی ہے، سن میں نے جب بھی اور جتنی مرتبہ بھی اپنی بیوی سے صحبت کی، صرف خدا اور رسول کی رضا کے لئے کی ہے، میں نے صرف اس لئے صحبت کی ہے۔ تاکہ اللہ و رسول کے حکم کے مطابق اپنی بیوی کا شرعی حق ادا کروں۔ اپنے نفس کی خواہش اور لذت کے لئے میں نے کبھی بھی صحبت نہیں کی ہے اسی طرح دریا پار کے بزرگ نے بھی ہمیشہ کھانا صرف اسی لئے کھایا۔ تاکہ وہ کھانے سے طاقت حاصل کر کے خدا کے فرائض کو ادا کریں۔ اپنے نفس کی خواہش اور زبان کی لذت کے لئے کبھی ایک لقمہ بھی انہوں نے نہیں کھایا ہے۔ اور اے مرید! ہمارے اسی اخلاص ہی کی برکت

اور اس کی بدولت ہمیں یہ روحانی طاقت حاصل ہو گئی ہے۔ کہ دریا بھی ہمارے حکم کا تابع فرمان ہے اور شیطان بھی ہماری اس خداداد روحانی طاقت کے دبدبہ اور ہیبت سے لرزہ براندام ہو کر ہمیشہ ہم سے دور ہی رہتا ہے۔ کیونکہ شیطان انتہائی طاقت ور ہونے کے باوجود یہ اعتراف کرتا ہے کہ الا عبادك منهم المخلصين یعنی صاحب اخلاص مسلمان کی روحانی طاقت کے سامنے شیطان کی طاقتوں کے بڑے بڑے پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتے ہیں۔ اور غبار بن کر اڑ جاتے ہیں۔

سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ مسلمانو! اخلاص کی روحانی طاقت کی توانائیوں کا کیا کہنا؟ خدا کی قسم یہ وہ جہانگیری شہنشاہیت ہے جس کے آگے پہاڑوں کی سربلندیاں، دریاؤں کی روانی و طغیانی، سورج کی شعاعیں، ایٹمی توانائیوں کی جھمیت سب سربسجود ہو جاتی ہیں۔ اللہ اکبر۔ امت رسول کی وہ باکمال ہستیاں جن کے وجود کے ہر تار میں للّٰہیت اور اخلاص کی برقی لہریں دوڑتی رہتی ہیں۔ ان کی روحانی طاقتوں کی توانائیوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ ان باخدا بزرگوں کی تو یہ شان ہے کہ ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
"یدِ بیضا" لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

برادران ملت! یہی وہ بزرگان دین کی روحانی طاقتوں کا سرچشمہ ہے جس کو ڈاکٹر اقبال نے "مستی کردار" کہا ہے۔ اور مسلمانوں میں اس قوت و طاقت والے باکمالوں کے نایاب ہو جانے پر آنسو بہاتے ہوئے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

صوفی کی طریقت میں فقط مستیِ احوال
ملا کی شریعت میں فقط مستی گفتار
شاعر کی نوا مردہ و افسردہ و بے ذوق
افکار میں سرمست، نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط "مستیِ کردار"

بہرکیف مسلمان بھائیو! میری ان گزارشوں کا خلاصہ اور حاصل کلام یہ ہے کہ ہم

مسلمانوں کو لازم ہے کہ اپنی زندگی کی ہر سانس میں ہر دم، ہر قدم پر ہم اسلامی شریعت کی پوری پوری پابندی کرتے رہیں۔اور نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ اور حقوق اللہ و حقوق العباد کی مکمل ادائیگی کے ساتھ ساتھ اپنی صورت و سیرت اپنے عمل و کردار، اپنی رفتار گفتار، اپنی تہذیب و تمدن، رہن سہن، چال چلن کو اسلامی معاشرہ کے مطابق رکھیں اور یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے طریقوں سے اپنے اسلام کے دامن تقدس کو داغدار نہ کریں اور پورے پورے مسلمان بن کر زندہ رہیں اور پورے پورے مسلمان بن کر مریں۔

وما علینا الا البلغ واخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین

آٹھواں وعظ

تفسیر سورۂ تبت یدا

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

اَلحَمْدُ لِلّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهٖ ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْمُصْطَفٰى بِصَلٰوتِهٖ ۝ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْقَاهِرُ عَلٰى مَا فِي اَرْضِهٖ وَسَمٰوٰاتِهٖ ۝ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الْمَبْعُوْثُ اِلٰى جَمِيْعِ مَخْلُوْقَاتِهٖ ۝ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَحُمَاتِهٖ ۝ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَا اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَاراً ذَاتَ لَهَبٍ ج وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ج فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

حضرات گرامی! میں آج اپنی تقریر میں قرآن کریم کی ایک مختصر اور مشہور سورت یعنی سورہ "تبت یدا" کی تفسیر بیان کرنا چاہتا ہوں۔

مگر آپ پہلے انتہائی عاشقانہ ادا اور والہانہ انداز میں ایک بار درود شریف کا ایمان افروز نعرہ بلند کیجئے۔ اور پڑھئے!

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ۝

حضرات تقریر سے پہلے آپ مولانا جمیل قادری بریلوی علیہ الرحمہ کی لکھی ہوئی ایک نعت شریف بھی سماعت فرمالیجئے۔ جو بہت ہی کیف آور ہونے کے ساتھ ساتھ درود شریف کا ورد بھی ہے۔

نعت شریف

جا کے صبا! تو کوئے محمد، صلی اللہ علیہ وسلم
لا کے سنگھا خوشبوئے محمد، صلی اللہ علیہ وسلم

چاک ہے ہجر سے اپنا سینہ، دل میں بسا ہے شہر مدینہ
چشم لگی ہے سوئے محمد، صلی اللہ علیہ وسلم

رنگ ہے ان کا باغ جہاں میں ان کی مہک ہے خلد و جناں میں
سب میں بسی خوشبو محمد، صلی اللہ علیہ وسلم

ہو نہ کبھی تاحشر نمایاں، ایسا ہلال عید ہو قرباں
دیکھے اگر ابروئے محمد، صلی اللہ علیہ وسلم

شمس و قمر میں، ارض و فلک میں، جن و بشر میں حور و ملک میں
عکس فگن ہے روئے محمد، صلی اللہ علیہ وسلم

دین کے دشمن ان کو ستائیں، دیتے رہیں یہ سب کو دعائیں
سب سے نرالی خوئے محمد، صلی اللہ علیہ وسلم

تشنہ دہانو! غم ہے تمہیں کیا؟ ابر کرم اب جھوم کے برسا
لو، وہ کھلے گیسوئے محمد، صلی اللہ علیہ وسلم

ہو نہ جمیلِ قادری مضطر، ہاتھ اٹھا کر حق سے دعا کر
مجھ کو دکھا دے کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

....

برادرانِ ملت! میں نے خطبہ کے بعد سورۂ "تبت یدا" کی تلاوت کی ہے اور آج اسی سورت کی تفسیر میری تقریر کا موضوع ہے۔

حضرات! قرآن کریم کی یہ وہ پر جلال سورۂ ہے۔ جس میں خداوند قادر و قیوم نے اپنے محبوب اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کے ساتھ ساتھ آپ کے دو مشہور دشمنوں کی خوفناک ہلاکت و بربادی کی ہوشربا داستان اور دنیا و آخرت میں ان دونوں کے ہولناک اور بھیانک انجام کا بیان فرمایا ہے۔ جو سارے جہان کے لئے قہر الٰہی کا بہت بڑا نشان اور تمام دنیا کے لئے بہت بڑی عبرت کا نشان ہے۔

حضرات! یہ دونوں دشمن رسول کون تھے؟ پہلے ان دونوں کا حال سن لیجئے ایک کا نام "ابولہب" ہے۔ اور ایک کا نام "ام جمیل" ہے۔ جو اسی ابولہب کی بیوی ہے۔ یہ دونوں میاں

بیوی بارگاہ رسالت کے بدترین دشمن تھے۔

"ابو لہب" کا اصلی نام "عبدالعزیٰ" ہے۔ یہ "عبدالمطلب" کا بیٹا اور رسول مقبول ﷺ کا حقیقی چچا تھا۔ بہت ہی مال دار، انتہائی خوب صورت نہایت ہی گورا سرخ و سفید رنگ کا آدمی تھا۔ چنانچہ اس کے چہرے کی خوب صورتی اور چمک دمک کی بناء پر لوگ اس کو "ابو لہب" یعنی شعلہ کا باپ کہہ کر پکارتے تھے۔

اور اس کی بیوی "ام جمیل" یہ مکہ کے مشہور رئیس اور سردار "حرب بن امیہ" کی بیٹی اور "ابوسفیان" کی بہن تھی۔ مگر اس بد نصیب کے دل و دماغ میں رحمت عالم ﷺ کے بغض و عناد کا ایسا جنون پر ور زہر بھرا ہوا تھا کہ یہ ایک رئیس کی بیٹی، ایک رئیس کی بیوی، ایک سردار کی بہن اور انتہائی مال دار ہونے کے باوجود اپنے سر پر کانٹوں کا گٹھا اٹھا کر لایا کرتی تھی اور جناب رسالت مآب ﷺ کے راستوں میں ان کانٹوں کو ڈال دیا کرتی تھی۔ تاکہ رحمت عالم کے پائے نازک میں یہ کانٹا چبھ جائے اور عرش مجید کی چوٹیوں کو سرفراز کرنے والے مقدس خون کی دھار سے لہولہان ہو جائیں۔

الغرض۔ ابو لہب اور اس کی بیوی ام جمیل دونوں کے سروں پر بد نصیبی کا ایسا بھوت سوار تھا کہ یہ دونوں رحمت عالم کی دشمنی اور ایذا رسانی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے ہوئے تھے اور دن رات، صبح و شام ان دونوں کا محبوب ترین مشغلہ یہی تھا کہ یہ دونوں طرح طرح سے خدا کے پیارے محبوب کو ایذائیں اور تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے۔

برادران ملت! انہی دونوں دشمنان رسول کی مذمت اور عبرت خیز ہلاکت کے بارے میں قرآن مجید کی یہ سورۃ نازل ہوئی جو قیامت تک کے لئے ان دونوں کی بدبختی و بدنصیبی اور ذلت و خواری کی ایسی سند مستند بن گئی کہ روز محشر تک صفات قرآن میں اس کی تجلیاں نمودار رہ کر ان دونوں بد نصیبوں کی شقاوت اور کور بختی کا اس طرح اظہار کرتی رہیں گی۔ جس طرح آسمان میں ستارے چمک چمک کر اپنی نورانیت کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔

شان نزول:۔ حضرات گرامی! اچھا اب ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ اس سورۃ کی شان نزول کیا ہے؟ اور یہ سورۃ کب؟ کیوں؟ اور کہاں؟ اور کس موقع پر نازل ہوئی؟

حضرات! مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب خداوند قدوس نے اپنے حبیب ﷺ پر یہ

آیت نازل فرمائی کہ وَاَنْذِرْعَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ یعنی اے محبوب آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیے۔ تو آپ نے یہ ارادہ فرمایا کہ پورے قبیلہ قریش کو جمع فرماکر انہیں اپنے وعظ و تذکیر سے ڈرائیں۔ لہٰذا مجمع اکٹھا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی شخص تمام اہل مکہ کو جمع کر کے کوئی بہت ہی اہم اعلان کرنا چاہتا تھا۔ تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ علی الصبح کوہ صفا پر چڑھ کر زور زور سے یہ نعرہ لگاتا تھا کہ اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَانُ، اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَانُ تو یہ آواز سنتے ہی تمام اہل مکہ دوڑ پڑتے تھے اور نہایت گوش ہوش کے ساتھ اس کا اعلان سنتے تھے۔

چنانچہ اسی دستور کے مطابق حضور اقدس ﷺ نے بھی صبح کو صفا پہاڑی پر چڑھ کر جو یہ نعرہ مارا اور مکہ والوں نے سنا۔ تو لاٹھی والا لاٹھی لے کر، نیزہ والا نیزہ لے کر، تلوار والا تلوار لے کر، تیر کمان والا تیر کمان لے کر غرض تمام اہل مکہ مور و ملخ کی طرح دوڑتے گرتے، پڑتے دم زدن میں کوہ صفا کے نیچے جمع ہو گئے۔

حضرات! اس مجمع میں بہت سے سترے بہترے پرانے پرانے خرانٹ اور اسی اسی برس کے گرگ باراں دیدہ اور گھاگ بھی تھے اور تیس چالیس برس کے قوی ہیکل اور ہوش مند جوان اور پندرہ پندرہ برس کے شوخ و چنچل چھوکرے بھی تھے۔ بڑے بڑے مال دار اور سرمایہ دار بھی تھے اور فاقہ مست مزدور و بھکاری بھی تھے۔ غرض یہ مجمع صنف انسانیت کے تمام طبقات کا نمائندہ اجتماع تھا۔ جب سارا مجمع اکٹھا ہو کر پر سکون ہو گیا۔ تو سرداران مکہ نے کہا کہ اے ابن عبدالمطلب آپ نے کیوں ہم لوگوں کو جمع کیا ہے؟ آپ کو جو اعلان کرنا ہے وہ اعلان کیجئے۔ ہم سب آپ کی پکار سننے کے لئے گوش بر آواز ہیں۔ رحمت عالم نے اہل مکہ کا یہ تقاضا سن کر ارشاد فرمایا۔ کہ اے اہل مکہ! میں نے اس وقت تمہیں اس لئے جمع کیا ہے کہ آج مجھے تم سے ایک نہایت اہم سوال کرنا ہے۔ لہٰذا تم لوگ خوب سوچ سمجھ کر میرے سوال کا جواب دو۔ میں تم لوگوں سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر میں تم سے یہ کہہ دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے جنگی سواروں کا ایک بہت بڑا لشکر جمع ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ تو کیا تم لوگ میری اس بات کو سچ مان لو گے؟

حضرات! رحمت عالم کا یہ سوال سن کر تمام اہل مکہ یک زبان ہو کر یہ کہنے لگے کہ اے

عبدالمطلب کے فرزند! ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت پہاڑ کے پیچھے ہمیں کوئی چیونٹی بھی نظر نہیں آرہی ہے لیکن آپ اگر یہ کہہ دیں گے اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر جمع ہے تو ہم ضرور مان لیں گے۔ اس لئے کہ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كِذْباً یعنی آپ کی چالیس برس کی زندگی کا ہم کو تجربہ ہے کہ بچپن، نوجوانی اور جوانی کی عمر میں بھی آج تک کبھی بھی آپ کی زبان پر جھوٹ کا گزر نہیں ہوا۔ بلکہ ہمیشہ ہم نے آپ کو امانت کا پیکر اور سچائی کا مجسمہ پایا اور یہی وجہ ہے کہ آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے ہیں۔

حضرات! جب مکے والوں نے اس طرح حضور ﷺ کی صداقت اور سچائی کا نعرہ بلند کیا۔ تو اس وقت رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا کہ اے اہل مکہ! جب تم لوگ مجھے اتنا سچا اور امین سمجھتے ہو تو جو شخص اتنا سچا ہوگا یقیناً اس کی ہر بات سچی ہوگی۔ لہٰذا تم لوگ میری اس بات کو سچ مان لو کہ فَاِنِّيْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ یعنی میں تم لوگوں کو عذاب شدید کا سامنا کرنے سے ڈراتا ہوں۔ اس لئے تم لوگ لا اله الا الله محمد رسول الله پر ایمان لا کر عذاب شدید سے بچ جاؤ۔

برادرانِ ملت! رحمت عالم کا یہ فرمانا تھا کہ بقول اکبر الہ آبادی ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

ایک دم سارا مجمع غیظ و غضب میں جل بھن گیا۔ غصہ کی لہروں سے چہروں پر اتار چڑھاؤ ہونے لگا کہ ہر ایک کے چہرے کی جوحدی بدل گئی۔ اور سب کے سب سرکش اونٹوں اور شریر گدھوں کی طرح بدکتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اول فول بکتے اور بڑبڑاتے ہوئے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ یہاں تک کہ ابولہب نے دانت پیس کر بلند آواز سے انتہائی گستاخانہ لہجے میں ہاتھ اٹھا کر یہ کہہ دیا کہ تَبًّالَكَ اَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا ۔ یعنی اے محمد! تمہارے لئے ہلاکت و بربادی ہو۔ کیا تم نے اسی لئے ہم کو بلایا تھا؟

حضرات! ابولہب کا یہ گستاخانہ جملہ سن کر رحمۃ للعالمین نے تو برداشت فرمالیا۔ اور بالکل خاموش رہے۔ مگر خداوند قادر و قیوم کی قہاری و جباری نے اپنے محبوب کی شان میں اس گستاخی و بے ادبی کو برداشت نہیں فرمایا بلکہ سدرۃ المنتہیٰ کے مکیں جناب جبرئیل امین کو حکم فرمایا کہ

اے طائر سدرہ! یہ تمہارے بیٹھنے کا وقت نہیں ہے۔ تم ابھی ابھی فوراً اپنی ملکوتی طاقت سے پرواز کر کے میرے حبیب کی تسلی اور دشمنان رسول کی سرکوبی کے لئے میرا یہ قاہرانہ پیغام یعنی "سورۂ تبت یدا" لے کر میرے محبوب کی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جاؤ اور میرے پیارے رسول کو یہ سنادو کہ اے محبوب!۔

تبت یدا ابی لھب وتب ط ہلاک ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تو ہلاک ہی ہو گیا۔ مَا اَغنٰی عنه ماله وما کسب ط نہ اس کا مال اس کو بچائے گا نہ اس کی کمائی۔ سیصلٰی ناراً ذات لھب ج وامراته حما لة الحطب ج فی جید ھا حبل من مسد ط "وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گا اور اس کی جورو بھی اس حال میں بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گی کہ وہ لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے ہوئے ہو گی اور اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہو گی (تفسیر صاوی وغیرہ)

حضرات! جس وقت یہ سورت نازل ہوئی اور سرکار دو جہاں نے اس کو پڑھ کر مجمع عام میں سنایا تو ظاہر ہے کہ "ابولہب" اور اس کی بیوی "ام جمیل" برملا اپنی ذلت و رسوائی اور ہلاکت و تباہی کی یہ وعید شدید سن کر شدت طیش میں آگ بگولہ ہو گئے اور یہ دونوں جوش غضب میں بھنائے ہوئے اول فول بکنے لگے۔ لیکن ابولہب بہر کیف وہ اشراف قریش میں سے ایک ہوشمند مرد تھا۔ اس لئے وہ تو اتنا کہہ کر اپنے گھر میں بیٹھ رہا کہ اگر میرے بھتیجے نے میری ہلاکت کی خبر دی ہے۔ تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میں اپنی بے شمار دولت اور کمائی کے بل بوتے پر ہلاکت سے بچ جاؤں گا۔ مگر اس کی بیوی ام جمیل پر تو غصہ سے ایسا جنون طاری ہو گیا کہ وہ جوش اور طیش میں بھری ہوئی ایک بہت بڑا پتھر لے کر رحمت عالم ﷺ کو مارنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی یہ وقت تھا کہ حضور اقدس ﷺ مسجد حرام میں اپنے یار غار صدیق جاں نثار کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ام جمیل ہاتھ میں پتھر لئے بڑبڑاتی ہوئی مسجد حرام میں پہنچ گئی۔ مگر خدا نے اس کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ یہ خبیثہ پوری مسجد میں چکر لگاتی رہی۔ لیکن رسول خدا ﷺ اس کو نظر ہی نہیں آئے۔ جب اس کی نظر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ تو دانت پیستے ہوئے چلا کر بولی کہ اے ابو بکر! تمہارے ساتھی محمد نے ہماری ہجو کی ہے۔ میں لات و عزیٰ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر میں اس کو یہاں پا جاتی۔ تو میں اسی پتھر سے اس کا سر کچل دیتی۔

اور اے ابو بکر! سن لو کہ ہمارا یہ نعرہ ہے کہ مُذَمَّماً عَصَیْنَا وَاَمْرَهٗ اَبَیْنَا وَ دِیْنَهٗ قَلَیْنَا یعنی ہم نے مذمم کی نافرمانی کی۔ اور ہم اس کے حکم کے منکر ہیں۔ اور ہم اس کے دین کے دشمن ہیں۔

معاذ اللہ۔ اس خبیثہ نے اپنی انتہائی کافرانہ خباثت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام نامی "محمد" کو بگاڑ کر "مذمم" اور دین پاک مصطفےٰ ﷺ سے انتہائی نفرت اور بیزاری ظاہر کرتے ہوئے اپنی دشمنی کا اعلان کیا۔

برادران ملت! یہی وہ مضمون ہے جس کو حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ ہمزیہ میں بڑے ہی والہانہ انداز میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:۔

وَاَعَدَّتْ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ الْفِهْرَ
وَجَاءَ تْ كَاَنَّهَا الْوِرْقَاءُ

یعنی "حمالۃ الحطب" جس کا نام ام جمیل تھا وہ ایک پتھر لے کر فاختہ کی طرح تیزی کے ساتھ آئی۔

يَوْمَ جَاءَ تْ غَضْبٰى تَقُوْلُ اَفِيْ
مِثْلِيْ مِنْ اَحْمَدَ يُقَالُ الْهِجَاءُ

جس دن کہ ام جمیل غصہ میں بھری ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ کیا مجھ جیسی عورت کے بارے میں احمد کی طرف سے ہجو (بدگوئی) کہی گئی ہے؟

فَتَوَلَّتْ وَمَا رَاَتْهُ وَمِنْ اَيْنَ
تَرَا الشَّمْسَ مُقْلَةٌ عَمْيَاءُ

پھر وہ پیٹھ پھیر کر چلی گئی اور اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا ہی نہیں۔ اور کیوں نہ ہو کہ اندھی آنکھ بھلا سورج کو کس طرح دیکھ سکتی ہے؟

ابولہب کا انجام:۔ مسلمانو! بہرکیف سورۂ "تبت یدا" کے نزول کے بعد ابولہب اور ام جمیل کی آتش غضب اور زیادہ بھڑک اٹھی اور یہ دونوں اور زیادہ خدا کے محبوب کی دل آزاری کرنے لگے۔

مگر میرے عزیزو اور دوستو! خداوند ذوالجلال کا قہاری حکم عذاب دارین بن کر ان دونوں کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ چنانچہ صرف چند ہی دن گزرے کہ خداوند عالم کا قہر و غضب اس

طرح عذاب بن کران دونوں پر اتر پڑا کہ دونوں انتہائی ذلت ورسوائی اور بے پناہ تکالیف میں مبتلا ہو کر موت کے گھاٹ اتر گئے۔ ابولہب خطرناک اور زہریلی چیچک کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور اس کا تمام جسم پھوڑا ہو گیا۔ جس کی بدبو سے کسی کا اس کے پاس ٹھہرنا دشوار تھا۔ اس نے اپنے علاج پر پانی کی طرح روپیہ بہا دیا۔ مگر خدا کا قہاری اعلان کہ ما اغنٰی عنه ماله وما کسب کب ٹلنے والا تھا۔ نہ اس کا مال اس کو بچا سکا نہ اس کی کمائی اس کے کام آئی۔ اس کا سارا بدن سڑ گیا اور وہ جنگ بدر کے ساتویں دن یعنی 24 رمضان 2ھ کو ایڑیاں رگڑ رگڑ مر گیا اور خدا کا فرمان صداقت نشان ساری دنیا پر علی الاعلان ظاہر ہو گیا کہ تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ اور وہ تو ہلاک ہو ہی گیا۔

ام جمیل کی پھانسی:۔ مسلمانو! یہ تو ابولہب کا انجام۔ اب ذرا اس کی بیوی ام جمیل کا بھی انجام سن لو۔ یہ خبیثہ کانٹوں کا گٹھا جو مونجھ کی رسی سے بندھا ہوا تھا۔ اور رسی کا کچھ حصہ اس کے گلے میں لپٹا ہوا تھا حسب عادت اپنے سر پر لئے ہوئے چلی جارہی تھی کہ ناگہاں تھک کر ایک پتھر کی چٹان پر بیٹھ گئی اتنے میں عذاب الٰہی کا ایک فرشتہ آیا۔ اور اس گٹھے کو اس کے سر سے گرا دیا۔ اور ایک دم رسی سے اس کے گلے میں ایسی پھانسی لگ گئی کہ اس کا دم گھٹ گیا اور وہ وہیں تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ اللہ اکبر۔

مسلمانو! دیکھ لو۔ یہ ہے كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ کا خوفناک منظر۔

ابولہب اور ام جمیل دوزخ میں:۔ حضرات گرامی! یہ تو دنیاوی عذاب تھا جو قہر الٰہی کی جہاں سوز بجلی بن کران دونوں دشمنان رسول کے سروں پر مسلط ہو گیا! اور دونوں کے خرمن زندگی اور متاع حیات کو انتہائی ذلت و خواری کے ساتھ سوخت کر کے ان دونوں کو ہلاک و برباد کر دیا اور ان دونوں کی پیشانیوں پر خلق اور خالق کی لعنتوں سے ایک ایسا بدنما داغ لگ گیا۔ جو دنیا بھر کے سمندروں سے بھی نہیں دھل سکتا۔ اور عام اسلام کی تاریخ میں یہ دونوں اس قدر بدنام اور ذلیل و خوار ہو گئے کہ دنیا کا کوئی مسلمان بھی یہ گوارہ نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے بچے کا نام "ابولہب" رکھے یا اپنی بچی کو "حمالۃ الحطب" کہہ کر پکارے۔

لطیفہ:۔ حضرات اس موقع پر مجھے تاریخ اسلام کا ایک دلچسپ لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عقیل جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں

تشریف لے گئے۔ اس وقت دربار میں ملک شام کے امراء اور رؤسا حاضر تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کا تعارف کراتے ہوئے تفریح و مزاح کے طور پر فرمایا کہ اے اہل شام یہ عقیل بن ابی طالب ہیں۔ ان کا چچا "ابولہب" ہے۔ یہ سن کر اہل شام ہنس پڑے۔ حضرت عقیل بھی بڑے ہی حاضر جواب تھے۔ انہوں نے فوراً ہی برجستہ فرمایا کہ اے اہل شام! یہ معاویہ بن سفیان ہیں۔ ان کی پھوپھی "حمالۃ الحطب" ہے یہ سن کر اہل شام ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جھینپ کر خاموش ہو گئے۔

الغرض "ابولہب" اور "حمالۃ الحطب" دونوں میاں بیوی دشمنی رسول کے وبال میں گرفتار ہو کر اس قدر بدنام اور رسوائے زمانہ ہو گئے کہ ان دونوں کے حقیقی بھتیجے ان کو اپنا چچا اور پھوپھی کہنے میں شرم و عار محسوس کرتے ہیں۔

بہرکیف یہ تو دنیا کا عذاب تھا لیکن آخرت میں خداوند قہار و جبار نے ان دونوں کے لئے جو عذاب نار مقرر فرمایا ہے۔ وہ اس سے کہیں زیادہ بڑا اور ہولناک عذاب ہے۔ چنانچہ خلاق عالم جل جلالہ کا اعلان عام ہے کہ سَيَصْلٰى نَاراً ذَاتَ لَهَبٍ وَّ امْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ط فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِنْ مَسَدٍ ط یعنی عنقریب ابولہب جہنم کی شعلہ مارتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ اور اس کی بیوی ام جمیل بھی اس حالت میں داخل جہنم ہوگی کہ جس حالت میں اس کی موت ہوئی تھی۔ یعنی وہی لکڑیوں والا گٹھا اس کے سر پر اور مونجھ کی رسی اس کے گلے میں پھانسی بنی ہوئی ہوگی اور یہ دونوں ابدالآباد تک قہر قہار و غضب جبار کے سزاوار بنے ہوئے عذاب نار میں گرفتار رہیں گے۔

مسلمانو! ابولہب اور اس کی بیوی "حمالۃ الحطب" یعنی ام جمیل کی داستان ذلیل سن کر غور کرو۔ سوچو اور عبرت پکڑو کہ ابولہب جو شکل و صورت میں انتہائی حسین، مال و دولت میں مکے کا رئیس اعظم، خاندانی شرافت یعنی قریشی اور ہاشمی ہونے کے لحاظ سے شرفائے عرب میں ممتاز اور ام جمیل جو حرب بن امیہ جیسے سردار عرب کی بیٹی اور اہل مکہ کے سپہ سالار، ابوسفیان جیسے نامدار کی بہن۔ یہ دونوں میاں بیوی در حقیقت اپنی عزت و وجاہت کے اعتبار سے افق مکہ پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے تھے۔ لیکن رسول کی دشمنی اور بارگاہ مصطفی ﷺ کی گستاخی و بے ادبی نے ان دونوں کو ہلاکت و بربادی کے ساتھ ذلت و خواری کے ایسے اسفل السافلین

گڑھے میں گرادیا۔ کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا و آخرت میں ان دونوں پر ایسی نار جحیم کا عذاب مسلط ہو گیا اور ان کی ذلت و خواری کی داستان سارے جہان میں مشہور ہو گئی۔ اور ان دونوں کی عزت و شہرت کے چمکتے ہوئے چہروں پر روسیاہی کا ایسا دھبہ لگ گیا کہ دنیا بھر کے دریاؤں کی روانی اور طغیانی بھی اس پاپ کے ناپاک دھبے کو نہیں دھو سکتی۔ سبحان اللہ۔ کیا خوب فرمایا مولانائے روم نے کہ۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں کند

یعنی جب خدا کو کسی کے عیوب کی پردہ دری منظور ہوتی ہے۔ تو اس بندے کے دل کا یہ میلان ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کے پاک بندوں یعنی انبیاء اور اولیاء کی شان میں طعنہ زنی اور بدگوئی کرنے لگتا ہے۔

چنانچہ مسلمانو! تم نے دیکھ لیا کہ ابولہب اور ام جمیل نے دربار رسالت میں بدگوئی اور بدزبانی کے باوجود رسول کی عزت و عظمت کا ایک حرف بھی نہ مٹا سکے۔ بلکہ آفتاب پر ڈالی ہوئی خاک خود ان کے منہ پر پڑی اور یہ خود ذلیل و خوار ہو گئے اور رسول کی عزت و عظمت کا چراغ ہمیشہ روشن ہی رہا۔ اور قیامت تک بلکہ قیامت کے دن بھی تاجدار نبوت کی عزت و عظمت کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتا اور جگمگاتا ہی رہے گا۔ سبحان اللہ! مسلمانو! اعلیٰ حضرت قبلہ بریلوی قدس سرہ العزیز کے کلام کے جہانگیری دیکھو کیا خوب فرماتے ہیں کہ۔

تو گھٹانے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے گا
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا
مٹ گئے، مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ برادران ملت! پڑھئے ایک ایک بار باآواز بلند درود شریف۔

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ الہ وصحبہ وبارك وسلم

میرے بزرگو اور بھائیو! سورۂ "تبت یدا" کی شان نزول اور اس کا ترجمہ اور تفسیر تو ایک حد تک آپ سن چکے۔ اب اس سورۂ مبارکہ سے جو چند مسائل حل ہو گئے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان نکات کی طرف بھی آپ کی توجہ مبذول کرا دوں۔

پہلا نکتہ:۔ میرے اسلامی بھائیو! سب سے پہلا نکتہ اس سورۂ میں یہ ہے کہ ابولہب اور اس کی بیوی نے حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کی تھی۔ مگر اس کا جواب خود رحمۃ للعالمین ﷺ نے نہیں دیا۔ بلکہ اس کا جواب رب العالمین جل جلالہ نے دیا۔ اس سے پتہ چلا کہ بارگاہ کبریا میں سرکار دو جہاں ﷺ کی محبوبیت کبریٰ کا یہ عالم ہے کہ بارگاہ مصطفےٰ کے ادبوں اور بدگوئی کرنے والوں کو جواب دینے کے لئے لب پاک مصطفےٰ ﷺ کو جنبش ہو، یہ رب العالمین جل مجدہٗ کو گوارا نہیں ہے۔ بلکہ حضرت حق جل جلالہٗ اپنے حبیب کی بارگاہ عظمت کے گستاخوں کو خود اپنے قاہرانہ لہجے میں دندان شکن جواب دیتا ہے کہ گستاخوں اور بے ادبوں کی شہ رگ کٹ جاتی ہے اور ان کی بکواس کا تمام تار و پود پارہ پارہ ہو کر فضائے آسمانی میں بکھر جاتا ہے اور ان کی عزت و شوکت کی رگ حیات کا ایک ایک تار کٹ پٹ کر فنائے دوام کے ایسے گہرے غار میں دفن ہو جاتا ہے کہ اسفل السافلین بھی اس کی گہرائی سے پناہ مانگتا ہے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنا عظمت مصطفےٰ ﷺ کی بلندی کا؟ واللہ۔ یہ وہ آفتاب ہے کہ تمام دنیا کی روشنیاں اس کے آگے ماند ہیں۔ اللہ اکبر۔

کس کو یارا ہے کہ خورشید کے آگے چمکے
شمع گل ہوتی ہے سورج کی ضیاء سے پہلے

دوسرا نکتہ:۔ برادران اسلام! اس سورۃ کے مضمون نے ہمیں جھنجھوڑ کر اس حقیقت سے بھی آشنا کر دیا کہ ایک مسلمان کا اسلامی مزاج ہوتا ہے کہ اپنا رشتہ دار تو کیا حقیقت رکھتا ہے؟ اجی رسول کا رشتہ دار بھی اگر رسول کی محبت و عظمت کا علمبردار نہ ہو تو وہ بلاشبہ خالق و خلائق کی نگاہوں میں انتہائی ذلیل و خوار ہے اور خدا اور اس کی ساری خدائی اس سے متنفر و بیزار ہے۔ ذرا سوچئے تو سہی کہ ابولہب صرف رسول کا ہم وطن اور خاندانی ہی نہیں۔ بلکہ وہ رسول کا انتہائی قریبی رشتہ دار یعنی حقیقی چچا ہے۔ مگر ہم مسلمانوں کا اس کے بارے میں یہ عقیدہ اور اعتقاد ہے کہ وہ یقیناً قابل نفرت ہے۔ اور ہم تمام مسلمان اس سے برگشتہ، ناراض اور بیزار ہیں۔ مگر بلال

حبشی رضی اللہ عنہ باوجود یہ کہ انہیں رسول سے کسی قسم کی قرابت نسبت، اور رشتہ داری کا شرف حاصل نہیں۔ وہ رسول کے ہم وطن اور ہم زبان بھی نہیں مگر ہر مسلمان ان کو انتہائی والہانہ عقیدت کے ساتھ اپنے کلیجے میں بٹھائے ہوئے ہے۔ اور ان کے قدموں پر اپنی متاع جان قربان کر دینے کو تیار ہے۔ کیوں؟ اس لئے تو بلال کا سینہ رسول کی محبت و عظمت کا مدینہ ہے اور ابولہب کے دل و دماغ میں رسول کی دشمنی اور کینہ ہے۔

تو اے دوستو اور بزرگو! قرآن کی سورۂ "تبت یدا" نے ہم مسلمانوں کو یہ مزاج بخشا ہے کہ ہمارا کوئی کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو؟ اگر وہ رسول کی شان عظمت میں گستاخ و بے ادب ہو۔ یا وہ محبت رسول کی دولت سے تہی دست ہو تو یقیناً ہم اس سے متنفر و بیزار رہیں گے اور کوئی ہم سے کتنا ہی بے گانہ کیوں نہ ہو؟ لیکن اگر اس کے دل و دماغ میں محبت رسول کا چراغ روشن ہو تو وہ یقیناً ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔

مسلمانو! خدا کی قسم! یہ مقولہ ایمان کی جان ہے کہ "جو رسول کا ہے وہی ہمارا ہے۔ اور جو رسول کا نہیں وہ ہمارا نہیں" مسلمانو! تم اس آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت کو کبھی فراموش نہ کرو کہ ؎

محمد کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے
یہ رشتہ دینوی قانون کے رشتوں سے اعلےٰ ہے

تیسرا نکتہ:۔ حضرات! اسی طرح اس قرآنی سورۂ سے ایک تیسرا نکتہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضور رسول مقبول ﷺ کے دشمنوں اور ان کے دربار نبوت کے گستاخوں اور بے ادبوں کو برا سمجھنا اور برا کہنا اور ان کو ہلاکت و بربادی کا پیغام سنانا، یہ خالق کائنات جل جلالہ کی سنت ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے دشمن رسول ابولہب کے بارے میں کھلم کھلا یہ فرمایا کہ "تبت یدا ابی لھب وتب" اور تمام مومنین و مومنات کو بار بار اس سورۂ کی تلاوت کا حکم فرمایا۔ تا کہ قیامت تک ابولہب کی ذلت و خواری کا چرچا خلق خدا کی زبانوں پر جاری رہے۔

حضرات! آج کل اکثر لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ میاں! کوئی کتنا ہی برے سے برا کیوں نہ ہو۔ مگر ہمیں اپنی زبان سے کسی کو برا نہیں کہنا چاہیے۔

مسلمانو! خدا کی قسم ایسے "صلح کلی" لوگوں کے لئے یہ سورۂ "تبت یدا" بہت ہی بڑا تازیانہ

عبرت ہے۔ وہ لوگ آنکھ کھول کر دیکھ لیں، اور کان کھول کر سن لیں کہ خداوند ذوالجلال نے کتنی شدومد کے ساتھ دشمن رسول ابولہب کی مذمت اور برائی بیان فرمائی ہے۔ میں ایسے لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر بقول ان کے برے سے برے آدمی کو بھی کبھی برا نہیں کہنا چاہئے۔ تو یہ لوگ بتائیں کہ وہ تلاوت قرآن میں سورہ "تبت یدا" پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ پڑھتے ہیں تو وہ پھر وہ کیوں ابولہب کی برائیوں کی داستان اپنی زبان پر لاتے ہیں؟ اور اگر وہ اس سورۃ کو نہیں پڑھتے تو پھر کیوں نہیں اس سورۃ کو نکال دیتے؟

مسلمانو! خدا کی قسم! یہ صلح کلی لوگوں کا ایک بہت بڑا فریب ہے کہ کسی برے کو بھی برا نہیں کہنا چاہئے۔ میں بخدا کہتا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ان "صلح کلیوں" کے ماں باپ کو اگر کسی نے ذرا بھی کہہ دیا تو اسی وقت ان لوگوں کے مصنوعی اخلاق کا جنازہ نکل جاتا ہے اور یہ لوگ لاٹھیاں لے کر نکل پڑتے ہیں اور ہزاروں مغلظ گالیوں سے اپنی اور اس کی گلی کو بھر دیتے ہیں۔ مگر جب علماء اہل سنت دشمنان رسول کے کفری اقوال سنا کر عامۃ المسلمین کو بارگاہ نبوت کے گستاخوں کا پتہ بتاتے ہیں اور بھولے بھالے مسلمانوں کو ان کے پر فریب جال، اور دام تزویر سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو بس ایک دم ان صلح کلیوں کی رگ اخلاق پھڑک اٹھتی ہے اور وہ اپنے اس ایڈیشن کا بھاشن شروع کر دیتے ہیں۔ کہ میاں! کوئی کتنا ہی برا کیوں نہ ہو؟ مگر برے کو بھی برا نہیں کہنا چاہئے۔ بلکہ بعض تو یہاں تک بک دیتے ہیں کہ میاں! کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہئے۔ کوئی نہیں؟ جو ان مفت کے مفتیوں سے یہ پوچھے کہ اجی! برے کو برا اور کافر کو کافر نہ کہیں تو پھر کیا کہیں؟ کیا برے کو اچھا اور کافر کو مسلمان کہیں؟ اور قرآن کی سورۃ "تبت یدا" اور قرآن کی آیت **قل یاایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون** وغیرہ سینکڑوں آیتوں کو قرآن میں سے نوچ کر پھینک دیں؟

اجی! ہم کافر کو کافر۔ خبیث کو خبیث، ناپاک کو ناپاک، برے کو برا، کیوں کر نہ کہیں؟ جب کہ قرآن کی یہ چمکتی ہوئی آیتیں ہمیں اس اعتقاد و علم پر مجبور کر رہی ہیں کہ "برے کو برا کہنا" اس کو برا جاننا، اس کو برا سمجھنا اور اس سے بروں جیسا سلوک کرنا ہر مومن پر فرض ہے۔ جہال کی ہڑبونگ صلح کلیوں کے شور و غل اس نوشتہ قرآن کو ہرگز ہرگز نہیں مٹا سکتے۔ بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ خدا کے اس فرمان کو مٹانے والے خود مٹ جائیں گے۔ قرآن گواہ ہے **ولن تجد لسنة**

الله تبدیلاً ؕ یعنی ۔

ہزار فلسفیوں کی چناں چنیں بدلی
خدا کی بات بدلنی نہ تھی نہیں بدلی

چوتھا نکتہ :۔ برادران ملت! ایک چوتھا نکتہ اور بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ سورۂ تبت یدا کے واقعہ نزول نے ہمیں یہ بھی سبق دیا کہ جب محبوب خدا ﷺ نے ابولہب کی اتنی بے ہودہ گستاخی اور بے ادبی کو صبر کر کے برداشت فرمالیا اور کوئی جواب نہیں دیا تو اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبری اخلاق کی یہی شان ہے کہ دشمنان دین اور گستاخ جاہلوں کے طعن و تشنیع اور ان کی گالیوں کو سن کر صبر اور برداشت ہی کرنا چاہئے۔ اس لئے علماء دین کو جو پیغمبر اسلام ﷺ کے نائب اور جانشین ہیں۔ انہیں چاہئے کہ دشمنان دین کی سخت کلامیوں اور ان کی گالیوں کو پیغمبری صبر کے ساتھ برداشت کریں اور ہرگز ہرگز صاحب خلق عظیم یعنی نبی کریم ﷺ کے اخلاق کریمانہ کے خلاف بال برابر بھی قدم نہ اٹھائیں۔ کیونکہ خداوند قدوس نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہی اخلاق سکھایا ہے کہ ”خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ ؕ“ یعنی اے محبوب! لوگوں کے جرموں کو معاف کر دو۔ اور اچھی باتوں کا حکم دیتے رہو اور نادانوں سے درگزر کا برتاؤ کرتے رہو۔ کیوں؟ اس لئے کہ کمینے لوگوں کا خدا کے نیک بندوں کو ایذاء پہنچانا کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے بلکہ ہمیشہ اور ہر دور میں کمینوں نے خاصان خدا کو ستایا ہے۔ اور ہمیشہ اور ہر زمانے میں خاصان خدا نے ان ظالموں کو ایذاؤں پر صبر و تحمل کیا ہے۔ قرآن میں خداوند رب العزت کا فرمان ہے کہ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ یعنی اے پیغمبر آپ صبر کیجئے جیسا کہ تمام اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ نے سالکین راہ اور نائبین مصطفے کو صوفیانہ نصیحت فرماتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے ۔

چوں بسازی باخسی ایں خساں
گردی اندر نور سنتہا رساں

یعنی جب تم ان کمینے لوگوں کے کمینہ پن کو اپنے صبر و علم سے برداشت کر کے ان کے ساتھ زندگی بسر کر لوگے۔ تو تم سنتوں کی نورانی دنیا میں پہنچ جاؤ گے ۔

کانبیا رنج خساں بس دیدہ اند

از چنیں ماراں بسے پیچیدہ اند

کیوں ؟ اس لئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے ان کمینوں کی طرف سے بہت زیادہ رنج دیکھا ہے اور یہ حضرات ان سانپوں سے بہت زیادہ پیچ و تاب کھاتے رہے ہیں۔

اللہ اکبر! کیا خوب فرمایا مولانا جمیل قادری بریلوی نے کہ

دین کے دشمنان کو ستائیں دیتے رہیں یہ سب کو دعائیں

سب سے نرالی خوئے محمد ﷺ

اور اخلاق نبوت کی کتنی بہترین تصویر کشی جناب حفیظ جالندھری نے کی ہے۔

سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سمجھائے

سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو دعائیں دیں

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں

سلام اس پر کہ دشمن کو حیات جاوداں دے دی

سلام اس پر ابوسفیان کو جس نے اماں دے دی

سلام اس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں

سلام اس پر کہ جو زخمی ہوا بازار طائف میں

سلام اس پر وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے

سلام اس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے

بہر حال برادران ملت! دعا کیجئے کہ خداوند کریم اور آپ کو اخلاق نبوت اور تعلیمات قرآن پر عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

وما علینا الا البلغ المبین وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ

محمد والہ وصحبہ اجمعین

نواں وعظ

تین محبوب خصائل

طریقِ مصطفیٰ کو چھوڑنا ہے وجہ بربادی
اسی سے قوم دنیا میں ہوئی ہے بے اقتدار اپنی

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ"

الحمد الله العظیم العلیم الخبیر ط والصلوٰة والسلام علٰی
سیدنا محمداً البشیرا لنذیر ط وعلٰی اٰلہ وصحبہ الفائزین
بمغفرۃ واجر کبیرط وحسبنا اللہ ونعم الوکیل فنعم المولٰی
ونعم النصیر ط وھو علٰی کل شئ قدیر ط

برادران ملت! سب سے پہلے دربار رسالت میں عاشقانہ درود و سلام کا نذرانہ عقیدت پیش کر کے اپنے لئے رحمت و مغفرت کا سامان کر لیجئے:

اللھم صل علٰی سیدنا محمد معدن الجود و الکرم وعلٰی اٰلہ
الکرام واصحابہ العظام وبارك وسلم صلوٰۃ وسلاماً علیك یا
رسول اللہ

حضرات گرامی! اب میں ایک نعت شریف کے چند اشعار عرض کرتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس کو انتہائی والہانہ عقیدت کے ساتھ سماعت فرمائیں گے۔ اس کے بعد میں اپنی تقریر کا آغاز کروں گا۔

نعت شریف

دل نثار مصطفٰے، جاں پائمالِ مصطفٰے
یہ اویس مصطفٰے ہے، وہ بلالِ مصطفٰے

دونوں عالم میرے اک حرف دعا میں غرق تھے
جب خدا سے کر رہا تھا میں سوالِ مصطفٰے

سب سمجھتے ہیں اسے شمع شبستانِ حرا
نور ہے کونین کا لیکن جمالِ مصطفٰے

عالم ملکوت میں اور عالم لاہوت میں
کوندتی ہے ہر طرف برقِ جمالِ مصطفٰے

دیکھئے کیا حال کر ڈالے شب یلدائے غم

جب تلک آئے نظر صبح جمالِ مصطفےٰ
ذرہ ذرہ عالم ہستی کا روشن ہو گیا
اللہ اللہ! شوکت و شان جمالِ مصطفےٰ

محترم حاضرین! عام طور پر یہ دستور ہے کہ علماء کرام اور واعظین خطبہ کے بعد کسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں اور پھر اسی آیت کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرتے ہوئے اس کے مناسب متعلقات اور مالہ وماعلیہ کے بارے میں وعظ و تقریر فرمایا کرتے ہیں۔ اور میرا خود بھی یہی طریقہ ہے۔ مگر آج کی اس دینی و ایمانی محفل اور نورانی اجلاس میں میرا جی چاہتا ہے کہ کسی قرآنی آیت کو اپنی تقریر کا عنوان بنانے کے بجائے میں ایک طویل حدیث سنادوں اور اس کا ترجمہ اور مختصر تشریح کرتے ہوئے اسی حدیث کے متعلقات اور اس کی ایمانی و نورانی تعلیمات کے چند جلوے آپ کو دکھادوں۔ تاکہ ان تجلیات کی روشنی میں آپ کو شمع ہدات کا وہ نور نظر آ جائے جو اس شاہراہ کی طرف رہبری کرتا ہے۔ جس کو قرآن مجید نے "صراط مستقیم" کہا ہے۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ آپ اس سیدھے راستے پر چل کر اس عظیم الشان کامیابی سے ہم کنار ہو جائیں گے جس کو قرآن کی زبان میں "فوزٌ عظیم" کہا گیا ہے اور جس کو ہم اور تم فلاح دارین کہا کرتے ہیں اور جس کی تلاش و جستجو میں تمام عالم انسانیت ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا ہے۔

برادران ملت! یہ طویل حدیث جو میں آج آپ کو سناؤں گا۔ اس کو عام طور پر لوگ "حدیث ثلث" کہتے ہیں۔ یہ بڑی جامع، نہایت ایمان افروز اور انتہائی نصیحت آموز و عبرت خیز حدیث ہے۔ جس کو حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "منبہات" میں نقل فرمایا ہے۔

آپ پہلے اس حدیث کی تلاوت اور اس کا سلیس ترجمہ سن لیجیے پھر انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تشریح اور اس حدیث سے سمجھے جانے والے احکام و مسائل بھی میں آپ کے سامنے ضرور عرض کروں گا۔

حضرات ایک دن حضور شہنشاہ رسالت ﷺ اپنی شمع نبوت کے پروانوں یعنی صحابہ کرام کے جھرمٹ میں رونق افروز تھے اور کلمات رشد و ہدایت کے متلاشی کان لب پاک مصطفےٰ کی جنبش کے منتظر تھے کہ ناگہاں ہادی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَا کُمْ ثَلٰثٌ ـ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ

عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ ط"

یعنی مجھے تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں محبوب ہیں۔ ایک خوشبو، دوسری بیویاں، تیسری یہ کہ نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک بنادی گئی ہے۔

فَقَالَ اَبُوْبَکْرِ نِالصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ صَدَقْتَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَحُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلٰثٌ ۞ اَلنَّظْرُ اِلٰی وَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ۞ وَاِنْفَاقُ مَالِی عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ۞ وَاَنْ یَّکُوْنَ ابْنَتِیْ تَحْتَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ۞

یعنی رحمت عالم ﷺ کا ارشاد مبارک سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ نے جو کچھ فرمایا وہ سچ ہے۔ مجھے بھی دنیا کی تین ہی چیزیں محبوب ہیں۔ ایک رسول اللہ کے چہرے کا دیدار کرنا۔ دوسرے، رسول اللہ پر اپنا مال نثار کرنا۔ تیسرے میری بیٹی عائشہ کا حضور کے نکاح میں رہنا۔

فَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ صَدَقْتَ یَا اَبَابَکْرٍ وَّحُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلٰثٌ ۞ اَلْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ ۞ وَالثَّوْبُ الْخَلَقُ ۞

یعنی حضرت ابو بکر صدیق کا کلام سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ عرض کیا کہ اے ابو بکر! تم نے سچ کہا ہے۔ مجھے بھی دنیا کی تین ہی چیزوں سے محبت ہے۔ ایک اچھی باتوں کا حکم دینا۔ دوسرے بری باتوں سے منع کرنا۔ تیسرے پھٹے پرانے کپڑے پہننا۔

فَقَالَ عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ صَدَقْتَ یَا عُمَرُ وَحُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلٰثٌ ۞ اِشْبَاعُ الْجِیْعَانِ ۞ وَکِسْوَۃُ الْعُرْیَانِ ۞ وَتِلَاوَۃُ الْقُرْاٰنِ ۞

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے عمر! تم نے جو کہا سچ ہے۔ مجھے بھی دنیا کی تین ہی چیزیں پسند ہیں۔ پہلی چیز بھوکوں کو کھانا کھلانا۔ دوسری چیز ننگوں کو کپڑا پہنانا۔ تیسری چیز قرآن کی تلاوت کرنا۔

فَقَالَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ صَدَقْتَ یَا عُثْمَانُ وَحُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ

الدُّنْيَا ثَلٰثٌ ❁ اَلْخِدْمَتُ لِلضَّيْفِ ❁ وَالصَّوْمُ فِي الصَّيْفِ
وَالضَّرْبُ بِالسَّيْفِ ❁

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ اے عثمان! تمہاری بات سچ ہے۔ اجی! مجھے بھی دنیا کی تین ہی چیزیں پیاری ہیں۔ ایک تو مہمان کی خدمت، دوسری چیز گرمیوں کا روزہ، تیسری چیز میدان جہاد میں تلوار کی مار۔

فَبَيْنَا هُمْ كَذَالِكَ اِذْ جَاءَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَالَ اَرْسَلَنِي اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَمَّا سَمِعَ مَقَالَتَكُمْ وَاَمَرَ اَنْ تَسْئَلَنِيْ عَمَّا اُحِبَّ اِنْ كُنْتُ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا

یعنی پھر اس درمیان میں یہ لوگ اسی حالت میں تھے۔ ناگہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام آ گئے۔ اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ حضرات کی گفتگو سن کر مجھے بھیجا ہے۔ اور آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ مجھ سے یہ سوال فرمائیں کہ اگر میں اس دنیا کا رہنے والا ہوتا۔ تو میں اس دنیا کی کن کن چیزوں سے محبت کرتا؟

فَقَالَ مَا تُحِبُّ اِنْ كُنْتَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا"

تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے جبرئیل! آپ بتایئے؟ کہ اگر آپ اس دنیا والوں میں سے ہوتے تو کن کن چیزوں سے محبت کرتے؟

فَقَالَ اِرْشَادُ الضَّآلِّيْنَ ❁ وَمُوَانَسَةُ الْغُرَبَآءِ الْقَانِتِيْنَ ❁ وَمُعَاوَنَةُ اَهْلِ الْعِيَالِ الْمُعْسِدِيْنَ ❁

تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ تین چیزوں سے۔ اول گمراہوں کی راہنمائی کرنا۔ دوئم ان مسافروں کی دل جوئی و غم خواری کرنا جو خدا کے فرمان بردار ہیں۔ سوئم بال بچوں والے تنگدستوں کی امداد کرنا۔

وَقَالَ جِبْرَئِيْلُ يُحِبُّ رَبُّ الْعِزَّتِ جَلَّ جَلَالُهُ مِنْ عِبَادِهٖ ثَلٰثَ خِصَالٍ بَذْلُ الْاِسْتِطَاعَةِ ❁ وَالْبُكَاءُ عِنْدَ النَّدَامَةِ وَالصَّبْرُ عِنْدَ الْفَاقَةِ ❁

یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ رب العزت جل جلالہ بھی اپنے

بندوں کی تین خصلتوں سے محبت فرماتا ہے۔ اپنی طاقت بھر خدا کی راہ میں خرچ کرنا اور گناہ پر نادم ہو کر رونا اور فاقہ کے وقت صبر کرنا۔

برادران ملت! آپ نے حدیث کی تلاوت اور اس کا ترجمہ سن کر خوب اچھی طرح جان لیا کہ رسول اکرم کو، صدیق اکبر کو، فاروق اعظم کو، عثمان غنی کو، علی حیدر کو، جبرئیل امین کو، رب العالمین کو اس دنیا کی کون کون سی چیزیں پیاری ہیں؟

مسلمانو! کان لگا کر خوب دھیان سے سن لو۔ کہ یہ سات پیار کرنے والے ہیں اور ہر ایک کو تین تین چیزیں پیاری ہیں۔ اس طرح کل اکیس چیزیں ہیں جو یقیناً بلاشبہ پسندیدہ اور پیاری چیزیں ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو مومن ہوگا۔ اس کو ان ساتوں پیار کرنے والے یعنی رسول، صدیق، فاروق، عثمان، علی، جبرئیل اور رب العالمین سے ضرور ہی محبت و پیار ہوگا اور چونکہ محبوب کی محبوب چیزیں بھی محب کو یقیناً محبوب ہوا کرتی ہیں۔ لہٰذا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو دولت ایمان سے مالا مال ہوگا وہ ضرور ضرور ان اکیس چیزوں سے بھی محبت کرے گا۔

برادران اسلام! آپ ایک ایک بار بآواز بلند درود شریف کا نعرہ بلند کریں تو میں ان اکیس محبوب اشیاء اور پیاری خصلتوں کو ذرا اور بھی کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کردوں۔

اللهم صل علىٰ سيدنا محمد وعلىٰ ال سيدنا محمد وبارك وسلم

رسول کی تین پیاری چیزیں:۔ حضرات گرامی! سن لیجئے۔ حضور رحمت عالم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اس دنیا کی مجھے صرف تین ہی چیزوں سے پیار و محبت ہے۔ ایک خوشبو، دوسری بیویاں، تیسری نماز۔ سبحان اللہ۔

برادران اسلام! حضور سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا جو طرح طرح کی بے شمار نعمتوں، لذتوں اور راحتوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور اس دنیا میں ہر انسان کو فطری طور پر نعمتوں اور لذتوں سے محبت ہوا کرتی ہے مگر مجھے دنیا کی ان تمام نعمتوں میں سے صرف تین ہی چیزیں پسند ہیں۔ جن سے میں محبت، اور پیار کرتا ہوں۔ اور وہ تین چیزیں خوشبو، بیویاں اور نماز ہیں۔

خوشبو:۔ برادران ملت! سب سے پہلی چیز جس سے ہمارے پیارے نبی کو پیار و محبت ہے۔ وہ "خوشبو" ہے۔ اللہ اکبر۔ خدا کی قسم میرے پیارے رسول مقبول ﷺ خود سراپا مجسم خوشبو

تھے۔ آپ کے جسم اطہر سے مشک و عنبر سے بھی بہتر خوشبو نکلتی تھی۔ جس راہ سے گزر جاتے، گلیاں خوشبوئے محمدی سے مہک جاتی تھیں۔ اور لوگ اسی خوشبو کو سونگھتے ہوئے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تلاش کر کے پالیا کرتے تھے۔

اللہ اکبر۔ خوشبوئے محمدی کے بارے میں اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا کہ۔

کیا مہکتے ہیں مہکنے والے
بو پہ چلتے ہیں بھٹکنے والے

اور کہیں یوں ارشاد فرمایا کہ۔

بھینی خوشبو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ
کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمہارے گیسو

حضرات گرامی! مشہور صحابی انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور اقدس ﷺ میرے گھر میں خواب استراحت میں تھے اور جسم اطہر سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ میری والدہ حضرت بی بی ام سلیم نے یہ دیکھا تو وہ حضور کے مقدس پسینے کو پونچھ پونچھ کر ایک شیشی میں جمع کرنے لگیں۔ ناگہاں رحمت عالم ﷺ متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے ام سلیم! تم میرے اس پسینے کو کیا کرو گی؟ تو ام سلیم نے عرض کیا نَجْعَلُهٗ فِیْ طِیْبِنَا وَهُوَ اَطْیَبُ الطِّیْبِ یارسول اللہ! ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملائیں گے اور یہ تو خود تمام خوشبوؤں سے زیادہ پاکیزہ اور بہترین خوشبو ہے۔

(بخاری و مستطرف ج 2 ص 28)

حضرات! یہی وہ مضمون ہے جس کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ۔

واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر، نہ پھر چاہے دلہن پھول

چنانچہ حضرت انس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میرے بدن اور میرے کفن میں وہی خوشبو لگائی جائے جس میں اشرف الطیبین، رحمۃ للعالمین ﷺ کا پسینہ ملا ہوا ہے۔ (بخاری ج2 ص975)

بہرکیف حضور اقدس ﷺ خود بھی سراپا مجسم خوشبو تھے اور خوشبو کو بے حد پسند فرماتے تھے۔ اور آپ خود بھی بکثرت خوشبو استعمال فرماتے تھے اور اپنی امت کو بھی اس کا حکم فرماتے

تھے۔اور ایک حدیث میں تو یہ بھی فرمایا کہ:
"لَا تَرُدُّوا الطِّیْبَ فَاِنَّهٗ طَیِّبُ الرِّیْحِ خَفِیْفُ الْحَمْلِ" (مستطرف ج2ص92) یعنی خوشبو کے تحفہ کو کبھی رد مت کرو۔اس لئے کہ وہ پاکیزہ مہکنے والی اور ہلکے بوجھ والی چیز ہے۔

ازواج مطہرات:۔ حضرات!اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تین محبوب چیزوں میں سے دوسری محبوبہ حضور کی مقدس بیویاں ہیں۔ حضور شہنشاہ مدینہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ بیک وقت نو امہات المومنین کاشانہ نبوت میں تھیں مگر کبھی کسی کو بھی حضور کی طرف سے پیار و محبت اور حسن سلوک کی شکایت نہیں ہوئی اور اپنی امت کو بھی عورتوں کے ساتھ پیار و محبت اور حسن سلوک کی تاکید فرماتے ہوئے کبھی یوں ارشاد فرمایا کہ اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْراً یعنی تم لوگ عورتوں کے ساتھ پیار و محبت کے بارے میں میری وصیت قبول کرو اور کہیں یوں ہدایت فرمائی کہ **خیر کم خیر کم لا ھلکم** یعنی تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہترین ہو۔

نماز:۔ حضرات! حضور اکرم ﷺ کی تیسری محبوبہ نماز ہے۔اللہ اکبر۔ نماز سے سرکار مدینہ ﷺ کو والہانہ عشق اور لگاؤ تھا اور نماز کی محبت جس طرح حضور کے رگ و پے میں رچی بسی تھی اس کو کون نہیں جانتا۔خود فرماتے ہیں کہ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ یعنی نماز میں آنکھ کی ٹھنڈک بنائی گئی ہے۔ فرائض پنجگانہ کے علاوہ نماز تہجد اور دن رات میں دوسرے نوافل بکثرت پڑھتے تھے۔ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کا بیان ہے کہ جب بھی حضور کو کوئی رنج و غم دامن گیر ہوتا۔یا کوئی اہم معاملہ درپیش ہو جاتا۔تو حضور نماز میں مشغول ہو جایا کرتے تھے۔

بہر کیف۔ خوشبو، عورت اور نماز، یہ تینوں محبوب خدا ﷺ کی محبوب اور پسندیدہ چیزیں ہیں۔ لہٰذا اے عاشقان رسول!ہم کو، تم کو جو اپنے رسول ﷺ سے والہانہ عشق و محبت ہے۔ تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ ہم بھی اپنے رسول کی ان محبوب چیزوں سے محبت رکھیں۔ کیونکہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوا کرتی ہے اور مسلمانو!یقین و ایمان رکھو کہ اگر ہم محبوب خدا کی محبوب چیزوں سے محبت کرتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہو جائیں گے تو خداوند قدوس ہمیں اپنے فضل و کرم سے اپنا محبوب بنالے گا۔اس کا وعدہ ہے کہ:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ.

یعنی اے محبوب! آپ فرمادیجئے کہ اے انسانو! اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم لوگوں کو اپنا محبوب بنالے گا۔ سچ ہے

ہمیں کرنی ہے شہنشاہ بطحا کی رضا جوئی
وہ اپنے ہو گئے تو رحمت پروردگار اپنی

محبوبات صدیق:۔ حضرات گرامی! اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تین محبوب چیزیں بھی آپ سن چکے۔ نبی کے یار غار، صدیق جاں نثار فرماتے ہیں کہ ساری دنیا کی نعمتوں اور لذتوں میں بس مجھے صرف انہیں تین چیزوں سے پیار و محبت ہے۔ ایک رسول کے جمال نبوت کا دیدار کرنا دوسرے محبوب خدا پر اپنی دولت نثار کرنا۔ تیسرے حضرت عائشہ صدیقہ کا زوجیت سرکار میں برقرار رہنا۔

مسلمانو! اللہ اکبر۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ان محبوب تمناؤں اور عاشقانہ اداؤں کی بے مثل و بے مثل عظمت و فضیلت کا کیا کہنا؟

جمال نبوت کا نظارہ:۔ برادران اسلام! جمال رسول کا نظارہ۔ خدا کی قسم یہ وہ عدیم المثال فضیلت اور افضل عبادت ہے کہ بندوں کا کوئی عمل صالح اس سے زیادہ افضل و اعلیٰ اور بہتر و بالا ہو ہی نہیں سکتا۔

مسلمانو! کون اس مسئلہ کو نہیں جانتا کہ دنیا کا بڑے سے بڑا عبادت گزار، متقی و پرہیز گار، خواہ وہ کتنا ہی بلند درجہ ولی کیوں نہ ہو جائے، قطب الاقطاب ہو۔ مگر خدا کی قسم ہرگز ہرگز وہ کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

صحابی کس کو کہتے ہیں؟ سنئے۔ صحابی وہ صاحب ایمان ہے جس نے کم سے کم ایک مرتبہ جمال نبوت کا نظارہ کر لیا اور پھر ایمان پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔ سبحان اللہ۔ اگر کسی مسلمان نے ایک مرتبہ کلمہ پڑھنے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رخسار پر انوار کا دیدار کر لیا اور کوئی عمل صالح کئے بغیر دنیا سے سدھار گیا تو واللہ کوئی غوث اعظم اور قطب الاقطاب بھی جس نے سینکڑوں برس تک خدا کی عبادت کی۔ اس کے رتبہ کا ہمسر و ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ جمال نبوت کے دیدار سے بڑھ کر نہ کوئی ایمانی فضیلت ہے نہ کوئی عبادت۔

مسلمانو! اللہ اکبر! ذرا سوچو تو سہی کہ حضرت صدیق اکبر کی یہ محبوب تمنا کتنی محبوب کتنی

پسندیدہ اور کس قدر پیاری ہے؟ سبحان اللہ۔ کیوں نہ ہو؟ کہ صدیق باوقار، رسول کے یار غار اور سچے جاں نثار ہیں۔ سراپا پروانہ شمع رسالت وعاشق جمال نبوت ہیں اور اسی عشق و محبت کی نسبت رابطہ کی بدولت آپ تمام صوری و معنوی کمالات کے جامع ہو کر اس قدر کامل و مکمل ہو گئے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل واعلیٰ ہو گئے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ

مرتبہ حضرت صدیق کا یہ ہے سید
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

قدم رسول پر دولت کی نچھاور:۔ حضرات گرامی! جناب صدیق اکبر کی دوسری محبوب چیز قدم رسول پر اپنی دولت کو قربان کرنا ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جس دن صدیق اکبر آغوش اسلام میں آئے۔ چالیس ہزار درہم کے مالک تھے۔ اس میں سے پینتیس ہزار درہم تو مکہ مکرمہ میں رحمت عالم کی نصرت وحمایت میں خرچ کر ڈالا۔ باقی پانچ ہزار درہم کی رقم لے کر ہجرت کی اور یہ ساری رقم بھی احمد مختار ﷺ کے قدموں پر نثار کر دی!

لخت جگر نکاح رسول میں:۔ برادران ملت! اب حضرت صدیق اکبر...... کی تیسری تمنا پر بھی ذرا غور کیجئے کہ یہ بھی کس قدر محبت رسول کے جذبات کی آئینہ دار ہے۔ فرماتے ہیں کہ میری نور نظر اور لخت جگر حضرت عائشہ ہمیشہ ہمیشہ رسول کی زوجیت سے سرفراز رہیں۔

سبحان اللہ! جانِ نثار رسول کی ہر محبوب تمنا عشق رسول میں ڈوبی ہوئی ہے۔ برادران ملت! پیارے مصطفیٰ کے یار غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے محبت کرنا ہر مومن کے لئے جان ایمان ہے۔ لہٰذا حضرت صدیق کی ان تین محبوب تمناؤں کی محبت و آرزو ہر اس مسلمان کے دل میں ہونا لازمی ہے جس کا سینہ دولت ایمان کا خزینہ ہے۔

مسلمانو! پڑھو بآواز بلند درود شریف:

اللهم صل علىٰ سيدنا محمد وعلىٰ ال سيدنا محمد و بارك وسلم

فاروق اعظم کی محبوب چیزیں:۔ برادران ملت! اب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تینوں محبوب چیزوں پر بھی ایک نگاہ عبرت ڈالئے اور ایمان جذبات کی روشنی میں ان کے جمالستان ایمان کا نظارہ فرمائیے۔

امر بالمعروف، نہی عن المنکر:۔ حضرات! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں کہ تمام عالم دنیا میں تین ہی چیزیں مجھ کو محبوب ہیں۔ ان میں سے دو تو یہ ہیں کہ میں اچھی باتوں کا حکم دیتا رہوں۔ اور بری باتوں سے منع کرتا رہوں۔

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ مسلمانو! فاروق اعظم کی یہ دو محبوب اور پسندیدہ خصلتیں وہ عظمت نشان شعار اسلام ہیں جن کو حضرت حق جل مجدہٗ نے امت محمدیہ کے لئے ساری امتوں پر طغرائے امتیاز قرار دے کر اس آخری امت کے سر پر "خیر الامم" کا تاج کرامت رکھا ہے۔

قرآن مجید پڑھ لیجئے۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط

یعنی اے میرے حبیب کی امت۔ تم تمام امتوں میں بہترین امت ہو۔ اور تمہارا منصب یہ ہے کہ تم خدا کے بندوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتے رہو اور بری باتوں سے منع کرتے رہو۔

پرانا کپڑا:۔ اسی طرح تیسری چیز جو حضرت فاروق اعظم کو اس دنیا میں محبوب ہے وہ پرانا کپڑا ہے۔

برادران اسلام! اللہ اکبر۔ منقول ہے کہ حضرت فاروق اعظم کے پیراہن مبارک میں سات سات پیوند لگے رہتے تھے۔ خود تو آپ کے اپنے لباس کا یہ حال تھا۔ مگر امت رسول کو روزانہ نیا نیا کپڑا پہنایا کرتے تھے اور کسی مسلمان کو ننگا یا بھوکا دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ خداوند قدوس نے انہی ایثار و قربانی کے مجسموں کی مدح و ثنا کا خطبہ پڑھتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔

یعنی رسول کی شمع نبوت کے پروانوں کا یہ بہت بڑا طرۂ امتیاز ہے کہ خود فقیری اور محتاجی کی زندگی بسر کرتے ہوئے دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ یعنی خود بھوکے رہتے ہیں اور دوسروں کو کھلا دیتے ہیں۔ خود پھٹا پرانا کپڑا پہنتے ہیں اور دوسروں کو نیا کپڑا پہناتے ہیں۔

بہر کیف برادران اسلام! حضرت فاروق اعظم کی یہ تینوں محبوب چیزیں یعنی اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے منع کرنا اور پرانا کپڑا خود پہننا اور نیا کپڑا دوسروں کو پہنانا، یہ وہ خصائل محمودہ ہیں۔ جو بلا شبہ شعار ایمان اور اسلامی نشان کہلانے کی مستحق ہیں۔

مسلمانو! اب بتایئے؟ بھلا وہ کون مسلمان ہو گا جس کے دل میں فاروق اعظم کی والہانہ

محبت کا جذبہ نہ ہو؟ اور میں بار بار عرض کر چکا کہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوا کرتی ہے۔ پھر بھلا محبوب کی محبوب چیزیں کیوں نہ محبوب ہوں گی؟

لہٰذا برادران ملت! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان پسندیدہ اور محبوب اداؤں سے محبت کرتے ہوئے ہم کو لازم ہے کہ ہم بھی ہر دم ہر قدم پر امت مسلمہ کو نیکیوں کا راستہ بتاتے رہیں۔ اور برائیوں سے روکتے رہیں اور خود پرانے کپڑے پہن کر تواضع کی زندگی اختیار کریں اور امت رسول کے غریبوں، مفلسوں کو اچھا اچھا اور نیا نیا کپڑا پہنا کر حضرت فاروق اعظم کی سنت کو زندہ رکھیں۔

عثمان غنی کی محبوبات:۔ حضرات گرامی! اسی طرح آپ نے سن لیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی دنیا کی تین ہی چیزیں پسند ہیں۔ ایک بھوکوں کو کھانا کھلانا۔ دوسری ننگوں کو کپڑا پہنانا۔ تیسری قرآن کی تلاوت کرنا۔

برادران اسلام! حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی یہ محبوب خصلتیں در حقیقت اسلام کے وہ اعمال صالحہ ہیں جو جنت کی کنجیاں ہیں۔

بھوکوں کو کھانا کھلانا:۔ حضرات! کسی بھوکے کو کھانا کھلانا، یہ کتنے بڑے اجر عظیم کا کام ہے۔ اس کو قرآن مجید کی مقدس زبان سے سنئے۔ خداوند قدوس کے وہ مقرب بندے جن کو قرآن میں "ابرار" یعنی نیکوکار بندوں کے معزز لقب سے سرفراز فرمایا گیا ہے ان کی شان میں پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا کہ:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْناً وَّ يَتِيْماً وَّ اَسِيْراً.

یعنی یہ لوگ باوجود یہ کہ خود ان کو کھانے کی محبت ہے پھر بھی خود نہیں کھاتے بلکہ مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں۔

مسلمانو! تمہیں خبر ہے؟ کہ ان پیکر ایثار بندوں کے لئے پروردگار عالم جل جلالہ کا کیا وعدہ ہے؟

سنو! ان خوش نصیبوں کے لئے ارشاد ربانی ہے کہ:

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْراً ۵ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْساً وَّلَا زَمْهَرِيْراً.

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ان کے صبر کی وجہ سے جنت اور ریشمی کپڑے عطا فرمائے

کہ یہ لوگ جنت میں تختوں کے اوپر تکیہ لگائے ہوئے شان و شوکت کے ساتھ بیٹھے ہوں گے۔ نہ جنت میں یہ لوگ دھوپ کی تپش دیکھیں گے نہ جاڑے کی شدت۔

ننگوں کو کپڑا پہنانا:۔ برادران اسلام! اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دوسری محبوب چیز ننگوں کو کپڑا پہنانا ہے۔ یہ بھی بھوکوں کو کھانا کھلانے کی طرح بہت بڑے ثواب اور ابر عظیم کا کام ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ:

اَیُّمَا مُسْلِمٍ کَسَا مُسْلِماً ثَوْباً عَلٰی عُرْیٍ کَسَاہُ اللّٰہُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّۃ

(مشکوٰۃ شریف فضل الصدقۃ)

یعنی جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ جنت کا سبز لباس پہنائے گا۔

تلاوت قرآن:۔ اچھا اب حضرات! عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تیسری محبوب شے یعنی تلاوت قرآن مجید کا ثواب کیا پوچھتے ہو؟ حدیث شریف میں ہے۔

اَلْجَنَّۃُ تَشْتَاقُ اِلٰی اَرْبَعَۃِ نَفَرٍ تَالِیِ الْقُرْاٰنِ وَمُطْعِمِ الْجِیْعَانِ ط وَحَافِظِ اللِّسَانِ ط وَالصَّائِمِ فِیْ شَہْرِ رَمَضَانَ ط

یعنی سب لوگ تو جنت کے مشتاق ہیں۔ مگر چار شخص ایسے خوش نصیب کہ خود جنت ان کی مشتاق ہے۔ پہلا قرآن کی تلاوت کرنے والا۔ دوسرا بھوکوں کو کھانا کھلانے والا۔ تیسرا اپنی زبان کی (لقمہ حرام اور بے ہودہ کلام) سے حفاظت کرنے والا۔ چوتھا ماہ رمضان کا روزہ رکھنے والا۔

بہر حال برادران ملت! جب ہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ماننے والے اور چاہنے والے ہیں تو ہم کو لازم ہے کہ ان کے محبوب اعمال سے بھی محبت رکھیں اور ان اعمال صالحہ کو اپنی زندگی کا شاہکار بنا کر خدا کے غفران و رضوان کا ذریعہ اور اپنی مغفرت کا سامان بنائیں۔

مولائے کائنات کی مرضیات:۔ برادران ملت! حضرت مولائے کائنات شیر خدا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی تین محبوب چیزوں کا ذکر بھی میں آپ کو سنا چکا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے دنیا کی صرف تین ہی چیزیں محبوب ہیں۔ ایک مہمان کی خدمت، دوسرے گرمیوں کا روزہ، تیسرے جہاد میں تلوار کی مار۔

مہمان کی خدمت:۔ محترم سامعین! مہمان کی خدمت اور مہمان نوازی، یہ رسول اکرم ﷺ کی وہ مقدس سنت ہے جس کے لئے حدیث میں ارشاد ہے کہ:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ (مشکوٰۃ باب الضیافۃ)

یعنی جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام واحترام کرے۔ مطلب یہ ہے کہ مہمان نوازی ایمان کے خصائل میں سے ہے۔ جو مومن ہوگا، وہ ضرور مہمان کی خدمت اور اس کا اکرام کرے گا۔

گرمیوں کا روزہ:۔ برادران ملت! اسی طرح گرمیوں کا روزہ کتنا جلیل القدر عمل صالح ہے۔ اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ یونہی ہر زمانے میں روزہ رکھنا بہت بڑا عمل صالح ہے۔ پھر گرمیوں کی شدت میں روزہ رکھنا اور پیاس کی تپش پر خدا کی رضا کے لئے صبر کرنا۔ سبحان اللہ!! سبحان اللہ اس کی فضیلت کا کیا کہنا۔

جہاد میں تلوار کی مار:۔ عزیزان ملت! اسی طرح جہاد میں خدا کے دین کی سر بلندی اور رضائے الٰہی کے لئے تلوار چلانا، اس عمل صالح کی عظمت وفضیلت کو کون نہیں جانتا۔ حدیث شریف میں تو یہاں تک وارد ہوا ہے کہ جو قدم جہاد میں غبار آلود ہو گیا، اس قدم پر جہنم کی آگ حرام ہے۔

اور ایک حدیث میں حضور سرور عالم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ:

ان فی الجنة مائة درجة اعدها الله للمجاهدين فی سبيل الله ما بين الدرجتين كما بين السماء والارض (مشکوٰۃ کتاب الجہاد)

یعنی بے شک جنت میں ایک سو درجے ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ ان سو درجوں میں ہر دو درجے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین و آسمان کے درمیان۔

بہر حال برادران ملت! جہاد کے فضائل ہر مسلمان کو معلوم ہیں لہٰذا حضرت مولائے کائنات علی مرتضٰے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تینوں محبوب چیزیں بلا شبہ ایسے اعمال صالحہ ہیں جن کی جزاء جنت اور اس کی تمام نعمتیں ہیں۔ خداوند کریم ہر مسلمان کو ان جنتی اعمال کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

حضرت جبرئیل کی پسندیدہ چیزیں:۔ حضرات گرامی! حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تین پسندیدہ چیزیں بھی اتنی اہمیت والی ہیں جو کسی طرح بھی ایک مومن کے لئے فراموش

کرنے کے قابل نہیں۔ اللہ اکبر! گمراہوں کی راہنمائی، اطاعت خداوندی کرنے والے مسافروں کی دل جوئی، تنگ دست عیال والوں کی امداد۔ یہ تینوں وہ ملکوتی صفات و خصائل ہیں جن پر اگر مسلمان عمل کرنے لگیں۔ تو اسلامی معاشرہ کے حسن و جمال کا وہ سورج پھر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمکنے لگے جس پر ایک مدت سے خود غرضی، بداعمالی اور الحاد و بے دینی کی بدلیاں چھائی ہوئی ہیں۔ اور مسلمانوں کی قومی معیشت کی بحالی اور خوش حالی کا مسئلہ دم زدن میں اس طرح حل ہو جائے کہ اقوام عالم حیران اور دنگ رہ جائیں۔

کون سی تین چیزیں خدا کو پسند ہیں:۔ برادران ملت! اسی طرح حضرت حق جل جلالہٗ کو اپنے بندوں کی جو تین خصلتیں محبوب ہیں۔ وہ بھی مومن کی فلاح دارین اور سعادت کونین کا اتنا بڑا سامان عظیم ہیں کہ جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ سبحان اللہ! خداوند عالم جل جلالہٗ اپنے بندوں کی جن خصلتوں سے پیار فرماتا ہے۔ اگر بندہ ان خصلتوں پر عمل پیرا ہو جائے تو پھر سمجھ لیجئے کہ وہ بندہ خدا کے دربار میں کتنا عزیز اور کس قدر پیارا ہو جائے گا؟ وہ پیاری خصلتیں کون کون سی ہیں؟ مسلمان بھائیوں ذرا غور سے سنو!

بذل استطاعت:۔ پہلی چیز ہے "بذل استطاعت" یعنی اپنی طاقت کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔ مسلمانو! یہ ایک ایسی محبوب خصلت ہے کہ جو سینکڑوں محبوب خصائل کی جامع ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا یہی مطلب ہے کہ بندے کو جتنی بھی اور جس قدر بھی طاقت و استطاعت حاصل ہے۔ ان سب طاقتوں اور قوتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کر دے۔ خواہ مالی طاقت ہو یا بدنی، علمی طاقت ہو یا عملی، ذہنی طاقت ہو یا جسمانی۔ مسلمانو! سن لو۔ بندہ خدا کی دی ہوئی بے شمار طاقتوں کا مجموعہ ہے اس کے جسم کی بوٹی، بوٹی اور بدن کے بال بال میں طاقتوں اور استطاعتوں کے خزانے بھرے ہوئے ہیں اور بندہ جب اپنی تمام طاقتوں اور قوتوں کو خدا کی راہ میں صرف کرے گا۔ تو پھر یقیناً وہ قسم قسم کی عبادتوں اور طاعتوں کا ایک مقدس مجسمہ اور حسین گلدستہ بن جائے گا اور پھر یقیناً اس پر خدا کی رحمتوں، عنایتوں کی اتنی بے شمار بارش کرم ہوتی رہے گی کہ وہ بندہ دنیا و آخرت میں بندۂ خدا ہوتے ہوئے محبوب خدا بھی ہو جائے گا۔

گریہ ندامت:۔ مسلمانو! بندوں کی دوسری خصلت جو خدا کو بہت زیادہ پسند ہے وہ "گریہ ندامت" ہے۔ یعنی بندہ اگر کوئی گناہ کرے تو پھر اس گناہ پر شرمندہ ہو کر توبہ کرے۔ اور بوقت

توبہ اس پر جذبہ ندامت کا ایسا غلبہ ہو اور خوف و خشیت ربانی سے اس کے قلب پر ایسا تاثر ہو کہ آہ و بکا کے ساتھ اس کے آنسو نکل پڑیں۔ تو یہ گریہ و زاری دربار باری میں اس قدر پیاری ہے کہ اس اشک ندامت کا ایک ایک قطرہ دیکھنے میں تو آنسو کا ایک قطرہ ہے۔ مگر در حقیقت یہ رحمت خداوندی کا ایک ایسا سمندر ہے جو دم زدن میں گناہوں کے دفتر کو دھو کر پاک و صاف کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ذَکَرَ اللّٰہُ خَالِیاً فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ یعنی جو شخص تنہائی میں خدا کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے تو ایسے خوش نصیب کو پروردگار عالم قیامت کی تپش اور سخت دھوپ میں اپنے عرش کے سایہ رحمت کے نیچے جگہ عطا فرمائے گا۔

فاقہ پر صبر:۔ حضرات گرامی! بندوں کی تیسری خصلت جو حضرت حق جل جلالہٗ کو بہت زیادہ محبوب ہے۔ وہ فقر و فاقہ کی حالت میں صبر کرنا ہے۔ اللہ اکبر۔ صابرین کی بزرگی و عظمت کے لئے اس سے بڑھ کر اور کون سی بشارت عظمیٰ ہو گی؟ کہ رب العزت جل مجدہٗ نے بار بار قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ ط یعنی بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ سبحان اللہ! جن لوگوں کے ساتھ اللہ کی نصرت و حمایت اور اس کی رحمت و عنایت ہو۔ دنیا بھر میں کون ان لوگوں کا ہمسر و ہم پلہ، یا مد مقابل ہو سکتا ہے؟

برادران ملت! صبر کرنا یہ انبیاء اور رسولوں کی خاص الخاص خصلت ہے۔ چنانچہ حضرت حق جل جلالہٗ نے قرآن مجید میں اپنے محبوب اکرم ﷺ کو مخاطب فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ یعنی اے محبوب! آپ اس طرح صبر کریں جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے۔

برادران ملت! اسی طرح سورۃ "والعصر" میں حضرت حق جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا کہ وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر یعنی وہی اہل ایمان ہر قسم کے نقصان و خسران سے محفوظ ہیں۔ جو ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے اور صبر کرنے کی وصیت کرتے رہتے ہیں۔

بہر حال میرے محترم بزرگو اور بھائیو! یہ کل اکیس خصلتیں وہ محبوب ترین اعمال صالحہ ہیں جن پر عمل کر کے ایک مسلمان بندہ خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔ لہٰذا انتہائی ضروری ہے کہ ہر مسلمان ان نیک اعمال اور محبوب خصائل پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیا اور آخرت کو اس طرح سنوار لے کہ دونوں جہان میں وہ اپنے خالق کا پیار اور تمام خلائق کا محبوب بن جائے۔ کیونکہ

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو یہ حکم فرماتا ہے کہ جبرئیل! میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں۔ لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر حضرت جبرئیل بھی اس بندے سے محبت کرتے ہیں۔ پھر اس بندے کے لئے "قبول فی الارض" یعنی زمین میں مقبولیت کی کرامت عطا کی جاتی ہے اور تمام مخلوق خدا اس مقبول بندے سے محبت کرنے لگتی ہے۔

خداوند کریم ہر مسلمان کو ان خصائل حمیدہ اور اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

وما علینا الا البلغ وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین ط

....

دسواں وعظ

فلسفہ موت

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم۔

الحمد لله الذی خلق الموت والحیوٰة وهو حی لا یموت ط فسبحٰن من لایغیب عن علمه حی و لا یمیت ولا یفوت ● هو الذی ارسل رسوله و فضله علی العالمین فی الملك والملکوت ● والصلوٰة والسلام علی النبی الذی حمده الانبیاء وهو فی کتبهم منعوت ● وعلٰی اله واصحابه الذین مفاتیح الهدیٰ ومنابع الرحموت ●

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتاً ط بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ● فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ● یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ج (آل عمران)

حضرات گرامی! میری سب سے پہلے گزارش یہ ہے کہ آپ تمام صاحبان ایک ایک بار باآواز بلند درود شریف پڑھ لیجئے۔

اللهم صل علٰی سیدنا ومولانا محمد وعلٰی اله و اصحابه وبارك وسلم

برادران ملت! اس وقت خطبے کے بعد میں نے سورۂ آل عمران کی تین آیتیں تلاوت کی ہیں۔ جن میں حضرت حق جل مجدہٗ نے شہادت کی موت اور اس کی امتیازی شان کا بیان فرمایا ہے۔ اسی لئے میں پہلے ہی عرض کر دیتا ہوں کہ میری آج کی تقریر کا موضوع "فلسفہ موت" ہے۔ میں انشاءاللہ تعالیٰ موت کی مختلف قسموں کی نشان دہی کرتے ہوئے اس فلسفہ کی نقاب کشائی کروں گا کہ ہر موت یکساں اور برابر نہیں۔ نہ مرنے والا ایک ہی طرح کا اور ایک ہی جیسا ہے۔ نہ ہر مردہ کی قبر ایک ہی جیسی اور مساوی ہے۔ بلکہ ہر قسم کی موت کے اثرات و

ثمرات، اور ہر مردے اور ہر قبر کے مراتب و درجات میں بہت ہی عظیم الشان فرق ہے۔

حضرات گرامی! تقریر سے پہلے چند اشعار سن لیجئے۔ یہ اشعار اگرچہ بہت پرانے ہیں لیکن یہ اپنے دامن میں عبرتوں کے ایسے انمول لعل و گہر لئے ہوئے ہیں جن پر آنسوؤں کے قطرات موتی بن کر نثار ہونے کے لئے بے قرار رہتے ہیں۔

کوئی گل باقی رہے گا، نہ چمن رہ جائے گا
اک رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا

ہم صفیرو! باغ میں ہے کوئی دن کا چہچہا
بلبلیں اڑ جائیں گی، سونا چمن رہ جائے گا

اطلس و کمخواب کی پوشاک پہ نازاں نہ ہو
اس تن بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا

حضرات! اسی طرح حضرت علی نے بھی موت کے بارے میں بڑے عبرت خیز، اور رقت انگیز اشعار لکھے ہیں۔ ان کے بھی چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:

یاد رکھ ہر آن آخر موت ہے — مت تو بن انجان آخر موت ہے
مرتے جاتے ہیں ہزاروں آدمی — عاقل و نادان آخر موت ہے
گر سلیمان زمانہ بھی ہوا — پھر بھی اے سلطان آخر موت ہے

بارہا علی تجھے سمجھا چکا
مان یا مت مان آخر موت ہے

برادران ملت! ہر انسان خواہ کسی دین و مذہب کا معتقد ہو یا نہ ہو۔ مگر بہر حال اس کو یہ ماننا ہی پڑتا ہے اور وہ مانتا بھی ہے کہ موت برحق ہے۔ اور ایک نہ ایک دن مرنا ضروری اور یقینی ہے۔ اور یہی خداوند قدوس جل جلالہ کا فرمان ہے کہ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۔ یعنی ہر جاندار جس نے زندگی کا میٹھا شربت پیا ہے اس کو ایک نہ ایک دن موت کا کڑوا کڑوا گھونٹ بھی ضرور پینا پڑے گا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

لَنَا مَلِكٌ يُنَادِيْ كُلَّ يَوْمٍ
لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ

یعنی روزانہ ہمیں ایک فرشتہ پکار پکار کر یہ اعلان سناتا ہے کہ دنیاوالو! سن لو! اس دنیا میں ہر بچہ اسی لئے پیدا ہوتا ہے کہ اس کو ایک نہ ایک دن مر جانا ہے۔ اور اس دنیا میں ہر مکان اسی لئے بنتا ہے کہ اس کو ایک نہ ایک دن گر جانا ہے۔ یعنی ہر بچہ مرنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہے اور ہر مکان گرنے ہی کے لئے بنا ہے۔

لاش پر کہتی ہے عبرت یہ امیر
آئے تھے دنیا میں اس دن کے لئے

مسلمانو! پروردگار عالم کا صاف صاف ارشاد اور اعلان حق ہے کہ اَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ یعنی اے انسانو! تم جہاں کہیں بھی رہو۔ خواہ تم مضبوط اور بلند گنبد ہی کے اندر بند ہو کر چھپ جاؤ۔ مگر موت تم کو پالے گی اور تم موت کے آہنی پنجوں سے ہرگز ہرگز نہ بچ سکو گے اور وہ بھی اس طرح کہ اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ یعنی کوئی شخص بھی اپنی موت کی گھڑی سے نہ ایک سیکنڈ پہلے نہ ایک سیکنڈ بعد میں مرے گا۔ الغرض ۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

بہر کیف دنیا کا کوئی انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہر جان دار مخلوق کو ایک نہ ایک دن ایک وقت معین پر مر جانا ہی ہے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت نہ کسی کو موت کے چنگل سے بچا سکتی ہے نہ کسی کی موت کو ایک لمحہ بھر کے لئے ٹال سکتی ہے۔ عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ۔

وَاِذَا الْمَنِيَّةُ اَنْشَبَتْ اَظْفَارَهَا
اَلْفَيْتَ كُلَّ تَمِيمَةٍ لَا تَنْفَعُ

یعنی جب موت اپنے ناخنوں کو چبھو دیتی ہے۔ تو اس وقت ہر تعویذ بے سود اور ہر منتر بے کار ہو جاتا ہے اور مر جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

عزیزان ملت! جب موت کا یہ معاملہ ہے تو پھر ظاہر ہے کہ موت سے ڈرنا یا اس سے بچنے کی فکر کرنا بالکل عبث، قطعاً بے کار اور سراسر لغو کام ہے کسی شاعر نے بڑی دلچسپ اور بڑے مزے کی بات کہی ہے کہ ۔

بے فائدہ فکر فردا کرتے کیوں ہو
ہونا جو ہے ہو رہے گا ڈرتے کیوں ہو
جب موت نہیں تو کیا بنا لے گا کوئی
موت آئی تو مر رہیں گے مرتے کیوں ہو

حضرات! مشہور ہے کہ شیر خدا حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ راتوں کو اکیلے گشت فرمایا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر کسی محب نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین آپ کسی محافظ کو اپنے ہمراہ رکھا کیجئے۔ تنہا نہ گشت فرمایئے۔ تو آپ نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا کہ انسان کی موت ہی خود بہترین محافظ ہے کہ وہ انسان کو اس کی موت سے پہلے مرنے ہی نہیں دے گی۔ لہٰذا جب میری موت ہی میری محافظ بنی ہوئی ہے تو پھر مجھے کسی دوسرے محافظ کی ضرورت ہی نہیں۔

اچھی موت اور بری موت:۔ برادران ملت! بہر کیف ہر شخص کی موت یقینی اور ہر ایک کے لئے مرنا ضروری ہے۔ اس بارے میں کچھ زیادہ عرض کرنے کی ضرروت نہیں ہے۔ لیکن میں آج خاص طور پر اس حقیقت کا اظہار اور اس فلسفہ کی نقاب کشائی کرنا چاہتا ہوں کہ اس دنیا میں مرتے سب ہیں۔ مگر جس طرح اس دنیا میں ہر انسان کی زندگی یکساں اور برابر نہیں ہوتی۔ اسی طرح ہر انسان کی موت بھی یکساں اور برابر نہیں ہوتی۔ جس طرح کسی کی زندگی اچھی اور کسی کی بری ہوا کرتی ہے، ٹھیک اسی طرح کسی کی موت اچھی اور کسی کی بری ہوا کرتی ہے اور جس طرح دنیا میں ہر زندہ رہنے والے انسان کا گھر ایک ہی طرح کا اور ایک ہی جیسا نہیں ہوتا، ٹھیک اسی طرح ہر مردہ کی قبر بھی ایک ہی طرح کی اور ایک ہی جیسی نہیں ہوا کرتی۔ جس طرح زندگی میں کسی کا گھر اچھا اور کسی کا گھر برا ہوا کرتا ہے، بالکل اسی طرح ہر موت کے بعد کسی مردے کی قبر اچھی اور کسی کی قبر بری ہوا کرتی ہے۔

ذرا غور تو فرمایئے کہ اسی دنیا میں ایک انسان ایسا بھی جیتا ہے جو اندھا، بہرا، اپاہج اور کوڑھی ہے۔ کھانے کے ایک ایک دانے اور پانی کے ایک ایک قطرے کے لئے محتاج ہے۔ سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر پڑا ہوا خیرات کے ٹکڑے مانگ رہا ہے۔ اس کے ارد گرد مکھیاں بھنک رہی ہیں اور مخلوق خدا اس سے نفرت کر رہی ہے۔

اور اسی دنیا میں ایک ایسا شخص بھی جیتا ہے جو حسن و جمال اور ملک و مال کی دولتوں سے مالا

مال ہے۔ تخت و تاج کا مالک اور نامی گرامی شہنشاہ ہے۔ جس کے چشم و ابرو کے ادنیٰ اشارے پر ہزاروں کا لشکر جرار اپنا سر کٹانے کے لئے تیار ہے۔

مسلمانو! دیکھ لو۔ اسی دنیا میں یہ دونوں جیتے ہیں۔ مگر کون کہہ سکتا ہے؟ کہ دونوں کی زندگی یکساں اور برابر ہے۔ نہیں نہیں بلکہ دنیا کا ہر شخص بلا خوف تردید یہی کہے گا کہ ہرگز ہرگز دونوں کی زندگی یکساں اور برابر نہیں ہے۔ بلکہ ایک کی زندگی سراسر قابل نفرت و حقارت اور سراپا زحمت ہی زحمت ہے۔ اور دوسرے کی زندگی خدا کی بہت بڑی نعمت اور رحمت ہی رحمت ہے۔ اللہ اکبر۔ کہاں ایک بھیک مانگنے والے اپاہج اور کوڑھی کی زندگی؟ اور کہاں ایک صحت و سلامتی کے بادشاہ اور صاحب تخت و تاج شہنشاہ کی زندگی؟

مسلمان بھائیو! ٹھیک اسی طرح مرتے تو سب ہیں۔ مگر ہر مرنے والے کی موت یکساں اور برابر نہیں ہے۔ کسی کی موت اچھی موت ہے اور کسی کی موت بری موت ہے۔ کسی کی موت بہت بڑی نعمت اور خدا کی رحمت ہے اور کسی کی موت قابل نفرت اور خدا کی لعنت ہے۔

اسی طرح کون کہہ سکتا ہے کہ ایک مسکین بھکاری کا تنگ و تاریک اور گندہ جھونپڑا۔ اور ایک شہنشاہ وقت کا شاہی محل، دونوں ایک ہی جیسے ہیں۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ آپ خود غور فرمایئے کہ کہاں ایک تنگ و تاریک اور گندگی کا مرکز جھونپڑا؟ اور کہاں شاہی محل کی شان و شوکت اور اس کا سامان راحت؟ خدا کی قسم ہرگز ہرگز دونوں ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ بس بالکل ٹھیک اسی طرح سمجھ لیجئے کہ ایک کافر یا فاسق بدکار کی قبر اور ایک ولی یا مومن نیکوکار کی قبر۔ دونوں قبر یکساں اور ایک ہی طرح کی ہوں، یہ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یقیناً ان دونوں قبروں میں اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ فرق و تفاوت ہو گا۔ جتنا کہ ایک تنگ و تاریک جھونپڑے اور شاہی محل میں فرق ہے۔

میرے بزرگو اور بھائیو! یہی وہ مضمون ہے جس کو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اَلْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْ حُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ یعنی کسی کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور کسی کی قبر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ اللہ اکبر۔ کہاں جنت کا باغ؟ اور کہاں جہنم کا گڑھا؟ دنیا میں کون ہے جو یہ کہہ سکتا ہے کہ دونوں یکساں اور برابر ہیں۔

نیکوکار اور بدکار کی موت:۔ برادران ملت! اس مضمون کے بارے میں کہ ہر مرنے

والے کی موت یکساں اور برابر نہیں ہے، ایک حدیث سنئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ملک الموت جب کسی نیک اور صالح بندے کی روح قبض کرنے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ تو اس شان کے ساتھ آتے ہیں کہ ان کے ساتھ حسین اور خوب صورت چہروں والے فرشتوں کی ایک مقدس جماعت ہوتی ہے۔ یہ فرشتے جنتی کفن اور بہشتی خوشبو لے کر آتے ہیں اور حضرت ملک الموت علیہ السلام اپنے نرم و شیریں لہجے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ اُخْرُجِیْ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الطَّیِّبَةُ كَانَتْ فِی الْجَسَدِ الطَّیِّبِ اُخْرُجِیْ حَمِیْدَةً وَّاَبْشِرِیْ بِرَوْحٍ وَّرَیْحَانٍ وَ رَبٍّ غَیْرِ غَضْبَانَ ط

یعنی نکل اے پاک جان جو پاک بدن میں تھی نکل! تو قابل تعریف ہے اور تو راحت اور خوشبو اور اس رب کی بشارت حاصل کر جو تجھ سے کبھی ناراض نہیں ہوگا۔

پھر فرشتوں کی مقدس جماعت اس روح کو جنتی کفن میں لے کر آسمانوں کی طرف بلند ہوتی ہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور آسمانی ملائکہ کی جماعت یہ کہہ کر اس پاک روح کا استقبال کرتی ہے کہ "خوش آمدید" اے پاک جان! جو پاک بدن میں داخل تھی۔ داخل ہو جا۔ تو قابل تعریف ہے۔ اور تجھ کو راحت و ریحان کی اور اس رب کے دیدار کی بشارت دی جاتی ہے۔ جو تجھ پر کبھی ناراض نہیں ہوگا۔ پھر فرشتوں کے اس نعرہ ہائے مبارک باد کی گونج میں یہ مبارک روح دربار الٰہی تک باریاب ہوتی ہے اور یہی ملک الموت جب کسی برے اور بدکار کی روح قبض کرنے کے لئے تشریف لاتے ہیں تو ان کے ساتھ کالے کالے چہروں والے ڈراؤنی شکل کے ملائکہ عذاب کی ایک جماعت ہوتی ہے جن کے ساتھ ایک ٹاٹ ہوتا ہے اور حضرت ملک الموت اس بدکار انسان کے سرہانے بیٹھ کر نہایت تلخ و کرخت لہجے میں یہ فرماتے ہیں کہ اُخْرُجِیْ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِیْثَةُ كَانَتْ فِی الْجَسَدِ الْخَبِیْثِ اُخْرُجِیْ ذَمِیْمَةً وَّاَبْشِرِیْ بِحَمِیْمٍ وَّغَسَّاقٍ وَّاٰخَرَ مِنْ شَكْلِهٖ اَزْوَاجٌ

یعنی نکل اے خبیث جان۔ جو خبیث بدن میں تھی۔ نکل! تو لائق مذمت ہے اور تجھ کو گرم گرم پانی اور جہنمیوں کے پیپ اور اسی طرح کے قسم قسم کے عذابوں کی بشارت ہے۔ پھر عذاب کے فرشتے اس روح کو جب جہنمی ٹاٹ لپیٹ کر آسمانوں کا رخ کرتے ہیں۔ تو اس کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور آسمانوں کے فرشتے اس روح کو یہ کہہ کر دھتکارتے اور

پھٹکارتے ہیں کہ اے خبیث جان جو خبیث بدن میں تھی ہم تیرے لئے خوش آمدید نہیں کہتے۔ تو واپس لوٹ جا! تو قابل مذمت ہے۔ اس لئے تیرے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور تو اس قابل نہیں کہ دربار الٰہی تک تیری رسائی اور باریابی ہو سکے۔

(مشکوٰۃ باب مایقال عند من حضر الموت)

برادرانِ ملت! آپ نے نیکوکار اور بدکار دونوں کی جان کنی اور وفات کا حال سن لیا۔ یہی وہ منظر ہے جس کی تصویر کشی قرآن کریم نے ان لفظوں میں فرمائی ہے کہ ایک بندۂ صالح اور مومن کامل کی وفات کا یہ بشارت آمیز اور دلکش منظر ہوتا ہے کہ:۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ج وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ۝" ۔ (حٰمٓ السجدہ)

یعنی جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر وہ اس عقیدے پر مرتے دم تک قائم رہے۔ تو ان پر (موت کے وقت) فرشتے اترتے ہیں اور (کہتے ہیں) کہ تم نہ ڈرو، نہ غم کرو۔ اور اس جنت پر خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ دیا جاتا تھا ہم تمہارے دوست ہیں۔ دنیا کی زندگی اور آخرت میں۔ اور تمہارے لئے جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے اس جنت میں ہر وہ شے ہے جس کو تم مانگو۔ کیونکہ ہر جنتی غفور رحیم کا مہمان ہوگا۔

برادران ملت! ایک مومن نیکوکار کی وفات کا منظر حسین تو آپ دیکھ چکے اب ذرا ایک فاسق بدکار کی عبرت انگیز موت کے ہولناک مناظر کا نظارہ بھی کر لیجئے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ ج اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۝ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (انعام)

یعنی کاش (اے محبوب) آپ وہ منظر دیکھتے جس وقت ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوئے یہ کہہ رہے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانیں۔ آج تمہیں

ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ یہ تمہارے ان جرموں کا بدلہ ہو گا کہ تم لوگ اللہ پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔

برادران اسلام! غور فرمایئے کہ ایک نیکو کار اور ایک بدکار دونوں کی موت کے مناظر میں کتنا عظیم الشان تفاوت، اور کتنا بڑا فرق ہے؟ اللہ اکبر کہاں بندۂ صالح کی موت پر فرشتوں کا خیر مقدم، ان کی خوشخبریاں اور مبارک بادیاں اور کہاں فرشتوں کی دھتکار اور پھٹکار اور ہر طرف سے لعنت و ملامت کی بوچھاڑ؟ بھلا کون کہہ سکتا ہے کہ دونوں کی موت یکساں اور ایک ہی جیسی ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ دونوں مرنے والے ایک ہی درجے کے ہیں اور ایک ہی جیسے ہیں۔ نہیں، نہیں۔ بلکہ ان دونوں کی موت اور ان دونوں مرنے والوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

نیکو کار اور بدکار کی قبریں:۔ برادران ملت! اب آیئے۔ اس تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی میں آپ کو دکھادوں۔ نیکو کار اور بدکار دونوں اپنی اپنی قبروں میں دفن کر دیئے جاتے ہیں۔ مگر اب ذرا دونوں کی قبروں کے اندرونی مناظر کو نگاہ بصیرت سے دیکھئے اور عبرت حاصل کیجئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب مردے کو دفن کر کے لوگ واپس لوٹتے ہیں تو ہر قبر میں منکر و نکیر دو فرشتے آتے ہیں اور مردے کو قبر میں بٹھا کر تین سوال کرتے ہیں کہ "مَنْ رَّبُّكَ" تیرا رب کون ہے؟ "وَمَا دِيْنُكَ" اور تیرا دین کیا ہے؟ "وَمَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِىْ بُعِثَ فِيْكُمْ" اور یہ مرد (نبی کریم) کون ہیں جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں؟ اگر مرد مومن نیکو کار ہے تو وہ ان تینوں سوالوں کا اس طرح جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور یہ مرد اللہ کے رسول ہیں۔

برادران اسلام! جس وقت مردہ ان تینوں سوالوں کا اس طرح ٹھیک ٹھیک جواب دیتا ہے تو اس وقت آسمان سے ایک پکارنے والا فرشتہ یوں ندا کرتا ہے اور خدا کی طرف سے اعلان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اَنْ صَدَقَ عَبْدِىْ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا مِنَ الْجَنَّةِ یعنی میرے بندے نے سچ کہا۔ لہٰذا اے فرشتو! تم اس کی قبر میں اس کے لئے جنتی بستر بچھاؤ۔ اور اس کو جنتی لباس پہناؤ۔ اور اس کی قبر میں جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ اس کی قبر میں بہشتی ہوا اور جنتی خوشبو آنے لگتی ہے۔ اور اس کی قبر اتنی لمبی چوڑی کر دی جاتی ہے جہاں تک اس کی نگاہ جاتی ہے۔ اور ترمذی شریف وغیرہ کی بعض

روایتوں میں یہ بھی ہے کہ فرشتے اس مردے سے یہ بھی کہتے کہ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ الَّذِیْ لَایُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَیْهِ یعنی اے مردے! تو اس طرح سو جا جس طرح دلہن سوتی ہے کہ دلہن کو صرف وہی جگا سکتا ہے جو اس کے گھر والوں میں سب سے بڑھ کر اس کا محبوب ہے۔ یعنی اس کا شوہر .... اور اگر مردہ کافر یا منافق یا بدکار ہے تو وہ فرشتوں کے ہر سوال کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ هَاه هَاه لَا اَدْرِیْ یعنی ہائے ہائے افسوس! میں کچھ نہیں جانتا۔ مردے کا یہ جواب سن کر ایک منادی آسمان سے یوں ندا کرتا ہے کہ اَنْ كَذَبَ فَافْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَی النَّارِ فَیَاتِیْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا یعنی اے فرشتو! یہ جھوٹا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے اب کی قبر میں جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ اس کی قبر میں جہنم کی گرمی اور لو آنے لگتی ہے وَیَضِیْقُ عَلَیْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰی تَخْتَلِفَ فِیْهِ اَضْلَاعُهٗ اور اس کی قبر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں دب کر دائیں پسلیاں بائیں طرف اور بائیں پسلیاں دائیں طرف ہو جاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ باب مایقال عنہ من حضر الموت و ترمذی ص 127)

برادران ملت! غور فرمایئے ایک قبرستان میں دو قبریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ مگر ایک قبر کی وسعت کا یہ حال ہے کہ مردے کی حد نگاہ تک لمبی چوڑی ہے اور ایک قبر کی تنگی کا یہ عالم ہے کہ بدن دب کر اس طرح کچل گیا کہ داہنی پسلیاں بائیں طرف اور بائیں پسلیاں دائیں طرف ہو گئیں۔ ایک قبر میں جنتی ہوا، جنتی خوشبو، جنتی بستر، جنتی لباس ہے۔ اور ایک قبر میں آتش جہنم کی گرمی اور جلن، دوزخی لو گرم گرم آتش فشاں ہواؤں کے جھونکے۔ مسلمانو! انصاف کرو اور بولو۔ کون کہہ سکتا ہے؟ کہ قبرستان کی تمام قبریں ایک ہی جیسی ہیں اور ہر مردے کا حال یکساں اور برابر ہے اور ہر قبر کا رتبہ اور مقام ایک ہی درجے کا ہے۔

بہر کیف میری گزارش کا ماحصل یہی ہے کہ ہر مرنے والے کی موت اور ہر میت اور ہر قبر درجات و مراتب میں مساوی اور برابر نہیں ہیں۔ بلکہ کسی کی موت مرکز رحمت اور خدا کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس موت پر ہزاروں زندگیاں قربان ہو جائیں تو بھی کم ہیں۔ اور کسی کی موت اتنی بڑی زحمت اور اس قدر قابل نفرت ہے کہ جہنم بھی اس سے پناہ مانگتا ہے اور کوئی مردہ اتنا خوش نصیب ہے کہ دنیا میں زندہ رہنے والے بڑے بڑے خوش نصیبوں کے بادشاہ اور شہنشاہ بھی اس مردے کی خوش بختی سے خوش نصیبی کی بھیک مانگتے ہیں اور کوئی مردہ اتنا

بدبخت اور بد نصیب ہے کہ پھٹکارا ہوا شیطان بھی اس کی بدبختی اور بد نصیبی پر عبرت کے آنسو بہاتا ہے۔ اور کسی قبر کے درجات و مراتب کی بلندی کا یہ عالم ہے کہ اس کو جنت کے باغ کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا اور کسی قبر کی نحوست اور منحوسیت اور اس کی عبرت ناک ویرانی کا یہ حال ہے کہ اس کو جہنم کا گڑھا ہی کہنا پڑتا ہے۔

برادران ملت! ایک بار بآواز بلند درود شریف پڑھ لیجئے۔ تو میں آپ کو ایک ہدایت آموز نکتہ بھی سنا دوں۔ جو سوال قبر کی حدیث سے سمجھ آتا ہے۔

اللّٰھم صل علٰی سیدنا محمد وعلٰی اٰل سیدنا محمد و اصحابه وبارك وسلم

رسول حاضر و ناظر ہیں:۔ برادران ملت! منکر و نکیر کے سوال والی حدیث آپ سن چکے کہ فرشتے تیسرا سوال نبی کریم ﷺ کے بارے میں اس طرح کہتے ہیں کہ ما ھذا الرجل الذی بعث فیکم یعنی یہ کون مرد ہیں جو تمہاری طرف مبعوث کیے گئے ہیں۔

غور فرمائیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "ھذا الرجل" یعنی "یہ مرد" کہہ کر فرشتے سوال کرتے ہیں۔ "ھذا" کا لفظ عربی میں قریب کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔ تو "ھذا الرجل" کے معنی یہ ہوئے کہ "یہ مرد" اس سے پتہ چلا کہ قبروں میں حضور ﷺ کی تصویر نہیں دکھائی جاتی اور نہ حضور ﷺ کو مردہ بہت دور سے دیکھتا ہے بلکہ "ھذا الرجل" کا مفہوم اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہو سکتا کہ بہ نفس نفیس خود حضور اکرم ﷺ کی ہر قبر میں جلوہ گری ہوتی ہے۔ کیونکہ تصویر کو "الرجل" اور دور والے آدمی کو "ھذا الرجل" کہنا ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جس طرح ہر قبر میں منکر نکیر پہنچتے اور سوال کرتے ہیں۔ اسی طرح رحمت عالم ﷺ بھی ہر قبر میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جب دنیا بھر کے ہزاروں قبروں کے اندر ایک لمحہ بھر میں منکر و نکیر اور رحمت عالم ﷺ کی تشریف آوری حدیث سے ثابت ہے تو ظاہر ہے کہ حضور دنیا بھر کی قبروں کو ایک ساتھ دیکھتے بھی ہیں اور سب جگہ حاضر بھی ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر و ناظر کہنا بلاشبہ ایک ایسی حقیقت کا اظہار کرنا ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔ جس لغت میں آپ کا جی چاہے اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ "حاضر" کے معنی موجود ہونے والا۔ اور

"ناظر" کے معنی دیکھنے والا۔ اب آپ ہی بتائیے کہ کون ہے جو یہ کہہ سکتا ہے؟ کہ حضور ہر قبر میں موجود ہونے والے اور روئے زمین کی تمام قبروں بلکہ ساری کائنات کو دیکھنے والے نہیں ہیں؟ جب وہ ہر جگہ موجود ہونے والے اور ہر چیز کے دیکھنے والے ہیں تو پھر ان کو "حاضر و ناظر" کہنے میں کون سی ایسی قیامت پھٹی پڑتی ہے؟ جو علماء دیوبند اس لفظ کے اطلاق سے اس طرح بھاگتے اور لوگوں کو بھگاتے پھرتے ہیں گویا کوہ ہمالیہ ان کی کھوپڑیوں پر گرا پڑتا ہے۔

بہر کیف جب یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ حضور ﷺ منکر و نکیر کی طرح تمام دنیا کی قبروں میں ایک لمحہ کے اندر تشریف فرما ہو جاتے ہیں۔ تو پھر آپ ہی بتائیے کہ اگر رحمت عالم ﷺ اپنی خدا داد معجزانہ طاقت نبوت سے دنیا بھر کے ہزاروں میلاد شریف کے جلسوں میں بھی تشریف فرما ہو جائیں تو اس میں کون سا تعجب کا مقام ہے؟ ذرا سوچئے تو سہی کہ قبروں کے اندر تو زمین کے نیچے نیچے چل کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ زمین کے نیچے نیچے چلنا بہت دشوار ہے اور زمین کے اوپر چلنا تو اس سے کہیں زیادہ آسان ہے۔ تو جب ایک لمحہ میں زمین کے اندر اندر چل کر ہزاروں قبروں میں حضور اقدس ﷺ کی تشریف آوری حدیث سے ثابت ہے۔ تو پھر زمین کے اوپر چل کر میلاد شریف کی مجلسوں میں رحمت عالم کی تشریف آوری پر کس کی مجال ہے جو اعتراض کر سکے؟ اس لئے بلا شبہ حضور اکرم ﷺ باذن اللہ خدا کی بخشی ہوئی معجزانہ طاقت و قوت سے جب چاہئیں، جب جگہ چاہئیں ہر وقت حاضر ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ اور کائنات عالم کی ہر شے ان کے پیش نظر ہے اور وہ دیکھتے ہیں۔ اس لئے یقیناً وہ حاضر بھی ہیں اور ناظر بھی۔ سبحان اللہ کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے ۔

سر عرش پر ہے تری گزر دل فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

برادران ملت! کتنے تعجب کی بات ہے کہ جو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاضر و ناظر ہونے کا انکار کرتے ہیں اور اس عقیدہ کو شرک بتاتے ہیں وہ لوگ بھی اس عقیدہ پر ایمان رکھتے ہیں کہ منکر و نکیر دنیا بھر کی ہزاروں لاکھوں قبروں میں ایک لمحہ کے اندر حاضر و ناظر ہو کر سوال کرتے ہیں اور ملک الموت ساری دنیا کے مرنے والے جان داروں کے پاس حاضر و ناظر

ہو کر ان کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ بھلا ان علم و عقل کے یتیموں سے کوئی پوچھے کہ اگر ایک لمحہ کے اندر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہزاروں جگہوں میں حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ شرک ہوگا۔ تو پھر منکر و نکیر اور ملک الموت کے لئے بھی تو اس طاقت کا ثابت کرنا اور ان کے بارے میں بھی تو یہ عقیدہ رکھنا شرک ہوگا۔ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ منکر و نکیر اور ملک الموت کو تو حاضر و ناظر کہنا شرک نہ ہو اور سرور کائنات ﷺ کو حاضر و ناظر کہنا شرک ہو جائے۔ مگر افسوس اس کا کیا علاج ہے؟ کہ ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

برادران اسلام! بہر کیف میں شروع ہی سے یہ عرض کر رہا ہوں کہ مرتے سب ہیں مگر نہ ہر مرنے والے کی موت یکساں اور برابر ہے۔ نہ ہر مرنے والا درجات و مراتب کے لحاظ سے ایک ہی درجے کا ہوتا ہے۔ اجی بعض مرنے والوں کی موت تو ایسی عالی شان موت ہے کہ اس پر ہزاروں زندگیاں قربان ہیں۔

شہید کی موت:۔ ایک شہید کی موت پر ذرا غور کیجئے۔ ہم نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ ایک مرد مجاہد جہاد میں زخم کھا کر گھوڑے سے گر پڑا۔ اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ ہم نے اس کی موت کا یقین کر لیا۔ اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور وہ قبر میں دفن کر دیا گیا۔ ساری دنیا نے مان لیا اور علان کر دیا کہ وہ مر گیا۔ لیکن عالم الغیب والشہادہ کا اس کے بارے میں یہ اعلان اور فرمان ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ط" یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ مت کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ تم لوگوں کو ان کی زندگی کا علم و شعور نہیں ہوتا۔

برادران اسلام! سن لیا آپ نے؟ خدا کا فرمان ہے کہ شہیدوں کی موت کو موت کہنا حرام۔ اور شہیدوں کو مردہ کہنا گناہ ہے۔ اجی! شہیدوں کو زبان سے مردہ کہنا تو بڑی بات ہے۔ ایک دوسری آیت میں جس کو میں نے خطبہ کے بعد تلاوت کیا ہے۔ اس میں تو خلاقِ عالم نے یہاں تک فرمایا ہے کہ شہیدوں کے بارے میں یہ گمان کرنا اور دل میں یہ خیال لانا بھی حرام اور گناہ ہے کہ وہ مردہ ہیں۔ چنانچہ ان آیتوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

رب العزت جل جلالہٗ کا ارشاد ہے کہ: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ

یعنی ہرگز ہرگز تم کبھی یہ خیال بھی دل میں نہ لاؤ کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں۔ وہ مردہ ہیں۔ نہیں نہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اور انہیں ان کے رب کے پاس سے روزی ملتی رہتی ہے۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو نعمتیں دی ہیں ان پر وہ شادماں اور خوش ہیں۔

وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور خوشی منا رہے ہیں اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں کہ ان پر نہ کوئی اندیشہ ہے نہ غم۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ج اور خوشی مناتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل پر۔ اور اس بات پر کہ اللہ مسلمانوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

برادران ملت! غور فرمایئے ان آیات بینات نے شہادت کی موت کا جو عظیم رتبہ اور بلند مرتبہ بتایا ہے، ہماری دنیا کی زندگی اس عظمت نشان موت کے مقابلے میں بھلا کیا حقیقت رکھتی ہے؟

حضرات! یہی وجہ ہے کہ تمام مقبولان بارگاہ الٰہی ہمیشہ شہادت کی تمنا کرتے رہے بلکہ خود دونوں عالم کے تاجدار، محبوب پروردگار حضرت احمد مختار ﷺ بار بار اس کی تمنا کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ "وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيٰ ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰ ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰ ثُمَّ اُقْتَلُ" (مشکوٰۃ کتاب الجہاد)

یعنی مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میری یہ تمنا ہے کہ میں خدا کی راہ میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کیا جاؤں۔ اللہ اکبر! رحمت عالم ﷺ یہ تمنا فرما رہے ہیں کہ مجھے شہادت کی موت نصیب ہو۔ پھر اس کے بعد مجھے نئی نئی زندگی ملے اور ہر زندگی کے بعد خدا کی راہ میں قتل کیا جاؤں۔ یہ میری آرزو ہے۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ زندگی بھر یہ دعا مانگتے رہے کہ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ (بخاری ج1 ص253)
یعنی اے اللہ! تو مجھے اپنی راہ میں شہید ہونے کی روزی عطا فرمانا۔ اور مجھے اپنے رسول کے شہر (مدینہ) میں موت عطا فرما۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا مقبول ہوگئی کہ عین حالت نماز مسجد نبوی کے اندر "ابولؤلؤ مجوسی" نے آپ کو خنجر مارا۔ اور آپ شہید ہوگئے۔ اسی طرح حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو جب جنگ بئر معونہ میں کافروں نے دھوکے سے نیزہ مار دیا۔ تو آپ نے خوش ہو کر یہ فرمایا کہ فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَةِ یعنی کعبہ کے رب کی قسم میں تو کامیاب ہوگیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی، جب ابن ملجم نے آپ کی پیشانی پر تلوار کا زخم لگایا تو آپ شوق شہادت میں فرط مسرت سے جھوم اٹھے۔ اور یہی فرمایا کہ فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَةِ یعنی قسم ہے رب کعبہ کی میں تو اپنی مراد پا گیا۔

بہر کیف شہادت کی موت سب سے اعلیٰ قسم کی موت ہے۔ اس لئے ہر وہ مسلمان جو ایمان و یقین کامل کی دولت سے مالا مال ہوگا، وہ ضرور شہادت کی موت کا متمنی اور مشتاق ہوگا۔

موت کے مشتاق:۔ بہر کیف برادران ملت! میری تقریر کا مدعٰی یہی ہے کہ مرتے سب ہیں۔ لیکن سب کی موت ایک ہی درجے کی نہیں ہے۔ بلکہ کسی کی موت اچھی اور کسی کی موت بری ہے۔ اسی لئے خدا کے وہ مقرب بندے جو خاصان خدا کہلاتے ہیں۔ چونکہ ان کو اپنی موت کی اچھائی کا یقین ہوتا ہے۔ اس لئے وہ نہ موت سے ڈرتے ہیں، نہ گھبراتے ہیں۔ بلکہ انتہائی والہانہ شوق کے ساتھ ہنستے اور مسکراتے ہوئے موت کی آمد آمد کا استقبال کرتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

نشان مرد مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

یعنی مرد مومن کی ایک خاص نشانی میں تجھ کو بتاتا ہوں۔ کہ جب اس کی موت آتی ہے تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہو جاتی ہے اور وہ ہنستے ہوئے موت کا استقبال کرتا ہے۔

بلال بستر مرگ پر:۔ حضرات گرامی! مجھے اس سلسلے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کا واقعہ یاد آگیا۔

اس واقعہ کو حضرت مولانائے روم علیہ الرحمہ نے اپنی مثنوی شریف میں بڑی دھوم دھام سے بیان فرمایا ہے۔وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

چوں بلال از ضعف شد ہمچوں ہلال
رنگ مرگ افتاد بر روئے بلال

یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب کمزوری و نقاہت سے پہلی رات کے چاند ہلال کی طرح لاغر اور دبلے ہو گئے اور ان کے چہرے پر موت کا رنگ اور وفات کے آثار نمودار ہو گئے تو اس وقت یوں تو سبھی گھر والے اور احباب واعزہ غمگین ہو گئے۔ مگر ان کی بیوی سب سے زیادہ اس منظر سے متاثر ہوئیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ

جفت او دیدش بگفتا وَاحَرَبْ
پس بلالش گفت نے ، نے وَاطَرَبْ

یعنی ان کی بیوی نے جب یہ منظر دیکھا۔ تو شدت اضطراب سے بے قرار ہو گئیں اور بے اختیار ان کے منہ سے یہ لفظ نکل گیا کہ واحرباہ یعنی ہائے رے۔ میری مصیبت۔ بیوی کی زبان سے یہ لفظ سن کر حضرت بلال تڑپ کر جلال میں آگئے اور فرمایا کہ "لَا تَقُوْلِیْ وَاحَرَبَا ۔ بَلْ قُوْلِیْ وَاطَرَبَا ۔ اَلْقِیْ غَدًابِیْ لَا حِبَّۃَ ۔ مُحَمَّدًا وَّصَحْبَہٗ ۔"یعنی اے بیوی! تم یہ مت کہو کہ ہائے رے میری مصیبت۔ بلکہ تم یہ کہو"واطرباہ"یعنی واہ رے میری شادمانی۔ اے بیوی! اس سے بڑھ کر شادمانی و مسرت کا اور کون سا موقع اور مقام ہو گا؟ کہ میں کل وفات پا کر اپنے تمام محبوبوں یعنی حضرت محمد ﷺ اور ان کے صحابہ سے ملاقات کی مسرت حاصل کروں گا!

الغرض خدا کے نیک بندے نہ موت سے ڈرتے ہیں نہ موت سے گھبراتے اور بھاگتے ہیں بلکہ کمال اشتیاق کے ساتھ موت کی آمد آمد کا پرشوق انتظار کرتے ہیں اور موت کو دیکھ کر ہنستے اور مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ خصوصاً موت شہادت کے عشاق تو اس قدر موت کے مشتاق ہوتے ہیں کہ وہ شہادت کے آثار دیکھ کر فرط مسرت میں بے قرار ہو جاتے ہیں اور انہیں قاتل کی تلوار میں ہلال عید کی تابانیاں اپنی پوری مسرتوں کے ساتھ نظر آنے لگتی ہیں۔

مرزا غالب نے اسی کیفیت کی مصوری کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے کہ

عشرتِ قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ شمشیر کا عریاں ہونا

اور کیوں نہ ہو؟ کہ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُّوْصِلُ الْحَبِيْبُ اِلَى الْحَبِيْبِ یعنی موت تو درحقیقت ایک پل ہے کہ اس پل سے گزر کر ایک حبیب ایک حبیب تک پہنچ جاتا ہے یعنی موت وصال محبوب کاذریعہ ہے۔ حضرت مولانا آسی رحمۃ اللہ علیہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
قبر کی رات ہے اس گل سے ملاقات کی رات

اور یہ واقعہ ہے کہ جو مرد مومن اس منزل پر پہنچ جائے کہ یار حقیقی کے وصال کا عشق اور آخرت کی نعمتوں کا اشتیاق اس کو زندگی سے بیزار اور موت کا مشتاق بنادے۔ تو پھر سمجھ لو کہ وہ معراج ترقی کی اتنی بلند منزل پر پہنچ گیا کہ فرشتے بھی اس کی بلندی ورفعت کو عالم حسرت میں انتہائی مشتاقانہ نگاہوں سے دیکھا کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی اللہ والا اپنی نظر کیمیا اثر سے کسی طالب حق کو اس منزل پر پہنچادے تو وہ اللہ والا یقیناً اپنے وقت کا شیخ اکبر، شریعت و طریقت کا رہبر، بلکہ امام برحق کہلانے کا مستحق ہے۔ کیا آپ نے یہ نہیں سنا؟ کہ۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
تجھ کو جو حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کی شکل میں دکھلا کے تجھے چہرۂ دوست
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے

موت کا شوق:۔ برادران ملت! آپ حیران ہوں گے کہ بھلا ایسا کون ہوگا؟ جو مرنے کے لئے مشتاق ہوگا۔ اس لئے کہ موت تو ایسی خوفناک اور ڈراؤنی چیز ہے کہ اس کے تصور ہی سے بڑے بڑے بہادروں کے دل لرز جاتے ہیں۔ اور بہت سے موت کی دعائیں مانگنے والے بھی موت کی صورت دیکھ کر ایسے سہم جاتے ہیں کہ آنکھیں ضرورت سے زیادہ چھوٹی اور منہ پھٹ کر ضرورت سے زیادہ بڑا ہوجاتا ہے اور مارے ڈر کے چہرے کی جوحدی ہی بدل جاتی ہے۔ غالباً آپ لوگوں نے ایک بڑھیا کا قصہ سنا ہوگا۔

لطیفہ:۔ سنا ہے کہ ایک بڑھیا کا ایک یہ پوتا تھا۔ اور وہ بڑھیا پوتے سے انتہائی محبت کرتی تھی۔ اتفاق سے اس کا پوتا سخت بیمار ہو گیا۔ تو بڑھیا تمام دن اور رات بھر یہی دعا مانگا کرتی تھی کہ یا اللہ! مجھے موت دے دے اور میرے پوتے کو شفا عطا فرما دے۔ محلے کے شریر لڑکے بڑھیا کی دعا سنتے سنتے تنگ آ گئے۔ آخر ایک دن لڑکوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس بڑھیا کا امتحان لیا جائے اور اس کو آزمانا چاہئے۔ کہ یہ واقعی صدق دل سے موت کی دعا مانگتی ہے؟ یا یونہی صرف زبان سے بکتی رہتی ہے۔

چنانچہ آدھی رات کے بعد لڑکوں نے ایک بیل کے سر پر ایک مٹکا اوندھا کر کے رکھ دیا اور بیل کو کالا کمبل اوڑھا دیا اور اس بیل کی پیٹھ پر ایک شریر لڑکا رنگ برنگ گدڑی پہن کر اور اپنے سر پر ایک ہانڈی رکھ کر سوار ہو گیا۔ جب یہ بیل سوار اجالی رات میں بڑھیا کے گھر میں داخل ہو کر صحن میں پہنچا اور بڑھیا نے دیکھا تو مارے ڈر کے وضو شکست ہو گیا۔ اور ہکلاتے ہوئے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ شریر لڑنے نے نہایت موٹی اور ڈراؤنی آواز میں جواب دیا کہ "ہم ملک الموت ہیں اور روح قبض کرنے کے لئے آئے ہیں" یہ سننا تھا کہ بڑھیا کا سانس لمبا لمبا چلنے لگا اور بڑھیا کہنے لگی کہ حضور ذرا دیکھ بھال کر روح قبض کیجئے گا۔ میں بیمار نہیں ہوں۔ میرا پوتا بیمار ہے اور اس کی چارپائی وہ ہے۔ جو آپ کے پیچھے بچھی ہے۔ یہ سن کر لڑکا ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ اب معلوم ہوا کہ بڑھیا کی دعا دل سے نہیں تھی بلکہ صرف ہونٹ اور زبان سے تھی اور مرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

بہر کیف اس میں شک نہیں کہ موت بہت ہی خوفناک چیز ہے اور انسان فطری طور پر موت سے ڈرتا ہی ہے۔ مگر میرے دوستو اور بزرگو یہ واقعہ ہے کہ کبھی کبھی انسان کے قلب میں کوئی ایسا داعیہ پیدا ہو جاتا ہے یا اس پر ایسا حال طاری ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے زندگی تلخ اور موت شیریں ہو جاتی ہے اور وہ سچے دل سے موت کی تمنا کرنے لگتا ہے اور وہ موت کے استقبال میں اس قدر لطف محسوس کرتا ہے کہ الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

حضرات گرامی! آپ اس کی ایک مثال سن لیجئے جس سے آپ کو کچھ اندازہ ہو جائے گا کہ واقعی کبھی کبھی انسان پر ایسا وقت بھی آ جاتا ہے کہ اس کی سب سے بڑی تمنا یہی ہو جاتی ہے کہ میری زندگی کے دن رات جلد از جلد ختم ہو جائیں۔ چنانچہ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ کسی امیر

کبیر کا اکلوتا بیٹا جو اس کی جان سے زیادہ پیارا تھا گم ہو گیا۔ اور وہ برس ہا برس اس کی جدائی میں روتا رہا۔ اور شہر شہر، گاؤں گاؤں اس کو ڈھونڈتا اور تلاش کرتا رہا۔ مگر اس بچے کا کوئی سراغ و پتہ نہیں ملا۔ اور وہ آس و یاس کے عالم میں مجسمہ رنج و غم بن کر بیٹھ رہا۔ پھر ایک دم برسوں کے بعد کسی نے اس کو ناگہاں یہ خوشخبری سنائی کہ تیرا بیٹا لندن میں زندہ و سلامت ہے۔ اور وہ ٹھیک دس دن کے بعد تیرے مکان پر ضرور آ جائے گا۔

تو برادران ملت! یہ خوشخبری سن کر اس امیر کبیر کا کیا حال ہو گا؟ خدا کی قسم! بس اس کی یہی تمنا ہو گی کہ کاش دس ہی منٹ میں یہ دس دن ختم ہو جاتے تاکہ میں اپنے برسوں کے بچھڑے ہوئے نور نظر سے جلد ملاقات کر لیتا۔

اب ملاحظہ فرمائیے کہ یہ امیر کبیر باوجودیکہ ہر قسم کے عیش و آرام میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ اس بات کی تمنا کرتا کہ میری زندگی کے ہر دن دس دس برس کے ہو جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ مدت تک میں یہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا رہوں۔ لیکن بچے کی ملاقات کے جذبہ شوق میں وہ یہ تمنا کرتا ہے کہ میری عزیز زندگی کے دس دن دس ہی منٹ میں گزر جائیں۔

محترم دوستو اور بزرگو! بس یہی مثال ان خاصان خدا کی ہے۔ جن کو اس بات کا حقَ الیقین حاصل ہو گیا ہے کہ موت کے بعد ہم اس عالم سے بہتر عالم، یعنی عالم آخرت میں پہنچیں گے۔ اور ہم کو وہاں پیارے رسول کریم کی زیارت اور خداوند غفور رحیم کا دیدار نصیب ہو گا۔ اور ہم جنت النعیم میں مقیم ہو کر خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَداً کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے تو پھر عالم آخرت کی ان عظیم الشان نعمتوں اور بشارتوں کے مقابلے میں دنیا کے عیش و آرام کا آنی و فانی گلزار اس کی نظروں میں جہنمی خارزار نظر آنے لگتا ہے۔ اور وہ دنیا و مافیہا سے بیزار ہو کر عالم آخرت کا طلب گار، بلکہ عاشق زار بن جاتا ہے۔ چنانچہ کسی صاحب حال بزرگ پر جب یہی کیفیت طاری ہوئی تو انہوں نے اپنے دلی جذبات اور قلبی واردات کا اظہار کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے کہ ؎

خودکشی ہے معصیت ہستی حجاب روئے دوست
تو گرفتار محبت ہائے کس مشکل میں ہے

یعنی اگر میں خودکشی کر کے خود سے مر جاتا ہوں۔ تو یہ ایسا گناہ ہے کہ اس سے ناراض ہو کر میرا رب یار حقیقی مجھے اپنا دیدار نہیں دکھائے گا اور اگر زندہ رہتا ہوں تو میری یہ ہستی اور زندگی ہی میرے دوست اور یار حقیقی کا دیدار کرنے سے حجاب بنی ہوئی ہے۔ کیونکہ جب تک میں زندہ رہوں گا۔ مجھے اپنے یار حقیقی کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا تم لوگ ذرا اندازہ لگاؤ کہ مجھ جیسا نو گرفتار محبت کتنی کٹھن مشکل میں پھنسا ہوا ہے۔ کہ نہ خودکشی کر کے مر سکتا ہے۔ نہ زندہ رہ سکتا ہے۔

بہر حال برادران ملت! میری تقریر کا لب لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ہر انسان کی زندگی یکساں اور برابر نہیں ہے، اسی طرح ہر انسان کی موت بھی یکساں اور برابر نہیں ہے بلکہ جس طرح کسی کی زندگی اچھی اور کسی کی بری ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی کی موت اچھی اور کسی کی موت بری ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جس طرح وہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اس کی زندگی اچھی سے اچھی ہو۔ اسی طرح وہ اس بات کی بھی کوشش کرے کہ اس کی موت اچھی سے اچھی ہو۔ اور میں قرآن کریم اور احادیث کریمہ کی روشنی میں یہ بتا چکا کہ سب سے اچھی موت شہادت کی موت ہے کہ جس موت کو موت کہنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ وہ موت ہے کہ اس موت میں مرنے والے کی موت کو موت آ جاتی ہے اور اس کو حیات جاودانی مل جاتی ہے۔

حضرات گرامی! میری آج کی تقریر کا اگر آپ تجزیہ کریں گے تو آپ کو تین باتیں ملیں گی اول یہ کہ ہر انسان کی موت یکساں اور برابر نہیں ہے۔ دوم یہ کہ ہر مرنے والا یکساں اور برابر نہیں۔ سوم یہ کہ ہر مرنے والے کی قبر یکساں اور برابر نہیں۔

پہلی بات پر تو بحمدہٖ تعالیٰ میں بہت کافی روشنی ڈال چکا۔ اب دوسرے اور تیسرے مدعی پر بھی میں چند کلمات عرض کر کے بہت جلد اپنی تقریر کو ختم کروں گا۔

ہر مرنے والا برابر نہیں:۔ برادران اسلام! اس میں کوئی شک نہیں کہ مرتے سب ہیں۔ لیکن ہر مرنے والا برابر ہے، ایسا ہرگز ہرگز نہیں۔ بلکہ بعض مرنے والے تو واقعی اس طرح مر جاتے ہیں کہ "مر گئے مردود نہ فاتحہ نہ درود" یا "مر گئے مردود، از فاتحہ چہ سود؟" لیکن بعض مرنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی ان کی کرامات اور ان کے تصرفات کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کو دیکھ کر زندوں کو اپنی آنی فانی زندگی اور ان کی حیات جاودانی میں کوئی توازن ہی

نظر نہیں آتا اور زندہ رہنے والے ان کی کرامات و تصرفات کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ اور بلا اختیار یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ۔

تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ
مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

لاش آسمان کی طرف چلی:۔ برادران ملت! دور صحابہ کے ایک شہید کا واقعہ سنئے:

صفر 4ھ میں حضور اکرم ﷺ نے ستر صحابہ کرام کو سب کے سب قاری قرآن کہلاتے تھے۔ تبلیغ اسلام کے لئے ایک قبیلے کی طرف بھیجا۔ راستے میں مکہ اور عفان کے درمیان ایک مقام پر جس کا نام "بئر معونہ" ہے ان قاریوں کو "قبیلہ رعل وذکوان" کے کافروں نے گھیر لیا اور کفار کا سردار عامر بن طفیل اپنے لشکر کے ساتھ ان لوگوں پر حملہ آور ہوا۔ اور یہ تمام صحابہ کرام ایمانی شجاعت اور جذبہ جہاد کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ شہید ہونے والے انہتر صحابہ کرام کی لاشیں میدان جنگ میں پڑی تھیں۔ کفار کے سردار عامر بن طفیل نے ایک لاش کی طرف اشارہ کر کے حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ کس کی لاش ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی لاش ہے۔ تو اس وقت سردار کفار عامر بن طفیل نے انتہائی حیرت و استعجاب سے یہ کہا کہ:

لَقَدْ رَاَیْتُهٗ بَعْدَ مَا قُتِلَ رُفِعَ اِلَی السَّمَاءِ حَتّٰی لِاَنْظُرَ بَیْنَهٗ
وَبَیْنَ الْاَرْضِ ثُمَّ وُضِعَ (بخاری ج2 باب غزوۃ الرجیع)

یعنی بلاشبہ میں نے ان کو دیکھا کہ یہ قتل ہو جانے کے بعد آسمان کی طرف اٹھائے گئے یہاں تک کہ یہ مجھ کو زمین اور آسمان کے درمیان نظر آنے لگے۔ پھر کچھ دیر کے بعد زمین پر رکھ دیئے گئے۔

اور بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ عامر بن طفیل نے یہ بھی کہا کہ جب میں نے ان کو نیزہ مارا تو ان کے بدن سے ایک روشنی نمودار ہوئی۔ اور ان کی لاش آسمان کی طرف بلند ہوئی۔ اور حضرت عروہ صحابی کا بیان ہے کہ ان کی لاش کو شہداء کرام کی لاشوں کے درمیان تلاش کیا گیا تو وہ نہیں ملی اور یہ بھی روایت ہے کہ فرشتوں نے ان کو دفن کیا یا ان کو اٹھا لے گئے۔

(حاشیہ بخاری ج2 ص587)

برادران ملت! غور فرمایئے کہ زخم لگنے کے بعد جسم سے روشنی کا نکلنا اور قتل ہو جانے کے بعد لاش کا آسمان کی طرف بلند ہونا۔ یہ وہ لاثانی کرامت ہے جو کروڑوں مرنے والوں میں سے شاید ہی کسی خوش نصیب کو نصیب ہوئی ہو۔ پھر بھلا کس طرح کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہر مرنے والا یکساں اور برابر ہوتا ہے؟

ہنسنے والے مردے:۔ حضرات گرامی! ربیع بن حراش اور ربعی بن حراش یہ دونوں بھائی بڑے ہی نامی گرامی محدث ہیں اور دونوں تابعی ہیں۔ ان دونوں نے یہ قسم کھالی تھی کہ خدا کی قسم۔ ہم اس وقت تک نہیں ہنسیں گے جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ ہم جنتی ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں بھائی قسم کھانے کے بعد تمام عمر کبھی نہیں ہنسے۔ لیکن جب ان دونوں کا انتقال ہوا۔ تو ان کے غسل دینے والوں کا بیان ہے کہ جب تک ہم لوگ ان دونوں کو غسل دیتے رہے برابر یہ دونوں مسکرا مسکرا کر ہنستے رہے۔ (شرح الصدور ص30)

اسی طرح محدث ابن عساکر نے بیان فرمایا کہ جب ابو عبد اللہ جلاء کے والد کی وفات ہو گئی اور انہیں غسل دینے کے لئے تخت پر لٹایا گیا تو وہ ہنسنے لگے۔ چنانچہ جب لوگوں کو شبہ ہو گیا کہ غالباً یہ زندہ ہیں۔ تو ایک طبیب کو بلایا گیا اور اس نے خوب اچھی طرح معائنہ کر کے یہ کہہ دیا کہ یہ مر چکے ہیں۔ لیکن جب کوئی شخص ان کو غسل دینے کے لئے جاتا تو یہ ہنسنے لگتے۔ اور وہ انسان ڈر کر بھاگ جاتا۔ چنانچہ جب تمام غسالوں نے ان کو غسل دینے سے انکار کر دیا تو مشہور باکرامت ولی حضرت فضل حسین اٹھے اور انہوں نے ان کو غسل دیا۔ اور نماز جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کیا۔ (شرح الصدور ص91)

حضرات گرامی! مرنے کے بعد ہنسنا۔ واللہ! یہ ایک ایسی کرامت اور تصرف ہے جس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ مرتے تو سب ہیں مگر کیسے کہا جا سکتا ہے؟ کہ سب مرنے والے ایک ہی جیسے ہیں۔

موت کے بعد ہاتھ اٹھایا:۔ برادران ملت! قاضی بہاء الدین بن شرف الدین غازی فرماتے ہیں کہ شیخ امین الدین جبرئیل محدث کا سفر میں انتقال ہو گیا۔ ہم لوگ ان کی نعش مبارک کو چارپائی پر اٹھا کر قاہرہ شہر میں لانے لگے۔ شہر میں باہر سے میت لانے کی ممانعت تھی۔ ہم لوگ بہت فکر مند تھے کہ ہم لوگ شہر کے پھاٹک سے کس طرح گزریں گے؟ لیکن ہم

لوگ جب شہر کے پھاٹک پر پہنچے۔ تو شیخ نے چارپائی پر لیٹے ہوئے اپنا ہاتھ اٹھا کر ایک انگلی کو بلند کر دیا۔ یہ دیکھ کر پہرہ داروں نے یہ سمجھا کہ یہ مریض ہیں۔ مردہ نہیں ہیں۔ لٰہذا انہوں نے ہم لوگوں کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ (شرح الصدور ص86)

شہید نے سر اٹھا کر جواب دیا:۔ حضرات! ایک واقعہ اس سے بھی زیادہ محیّر العقول اور عبرت ناک ہے۔ ذرا اس کو بھی سن لیجئے۔ جب شہر "منصورہ" پر یورپ کے فرنگیوں نے حملہ کیا تو فقیہ عبدالرحمٰن نوری قرآن کریم کی آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا پڑھ پڑھ کر مجاہدین میں جوش جہاد کا جذبہ پیدا کر رہے تھے، مگر نیرنگی تقدیر سے مسلمانوں کو اس محاذ پر شکست ہو گئی۔ اور فقیہ عبدالرحمٰن نوری شہید ہو گئے۔ ایک فرنگی نے آپ کی لاش پر نیزہ مارا۔ اور یہ کہا کہ کیوں اے مسلمانوں کے پادری! تم تو یہ کہا کرتے تھے کہ شہید زندہ ہیں۔ تمہارا یہ اعلان کیا ہوا؟ اور کہاں گیا؟ فرنگی کے منہ سے یہ جملہ نکلا ہی تھا کہ ایک دم فقیہ عبدالرحمٰن نوری نے سر اٹھا کر دو مرتبہ بلند آواز سے فرمایا کہ ہاں۔ ہاں کعبہ کے رب کی قسم! ہم لوگ زندہ ہیں۔ وہ فرنگی یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس نے فرط عقیدت سے آپ کے سر مبارک کو بوسہ دیا۔ اور آپ کی مقدس لاش کو اٹھا کر وہ اپنے شہر میں لے گیا اور وہاں آپ کا مزار مبارک بنایا۔ (شرح الصدور ص86)

وفات کے بعد انگلی ہلتی رہی:۔ حضرات! غالبًا آپ لوگوں نے حضرت خالد بن معدان محدث کا نام سنا ہو گا۔ یہ بہت ہی عبادت گزار عالم حدیث تھے۔ یہ تلاوت قرآن مجید کے علاوہ روزانہ تسبیح کے دانوں پر گن کر چالیس ہزار مرتبہ "سبحان اللہ" پڑھا کرتے تھے۔ ان کا مشہور واقعہ ہے کہ ان کی وفات کے بعد جب ان کو غسل کے تخت پر لٹایا گیا۔ تو برابر ان کی وہ انگلی ہلتی رہی۔ جس سے وہ تسبیح کے دانوں کو پھیرا کرتے تھے۔ (شرح الصدور ص91)

برادران ملت! آپ نے ملاحظہ فرمایا اور سن لیا کہ شیخ امین الدین جبریل نے وفات کے بعد ہاتھ اٹھایا اور انگلی ہلائی۔ فقیہ عبدالرحمٰن نوری نے قتل ہونے کے بعد سر اٹھا کر فرنگی کو جواب دیا۔ خالد بن معدان محدث جس طرح اپنی زندگی میں اپنی انگلی سے تسبیح کے دانے پھراتے رہے۔ وفات کے بعد بھی اسی طرح ان کی انگلی ہلتی رہی۔ گویا وفات کے بعد بھی وہ تسبیح کے دانوں کو پھراتے، اور سبحان اللہ پڑھتے رہے۔

غرض اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شہداء کرام اور علماء و مشائخ وغیرہ صالحین اپنی شہادت اور وفات کے بعد بھی ایسی ایسی کرامتیں اور تصرفات دکھاتے رہتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر اہل دنیا بلا اختیار اس سچی حقیقت کے اقرار پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ بلاشبہ یقیناً سب مرنے والے یکساں اور برابر نہیں ہوا کرتے۔ سبحان اللہ! کیوں نہ ہو؟ کہ:۔

تصرفات ولایت وہ چاند تارے ہیں
کہ آفتاب پہ غالب ہے روشنی ان کی

ہر قبر یکساں نہیں:۔ برادران اسلام! اب آخر میں میری تقریر کا آخری جزو بھی سن لیجئے۔ جس طرح ہر انسان کی موت یکساں اور برابر نہیں۔ اور جس طرح ہر مرنے والے کا حال ایک ہی جیسا نہیں اسی طرح ہر قبر ایک ہی جیسی اور یکساں نہیں ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں بھی چند واقعات عرض کر دیتا ہوں۔ انہیں بھی بغور سنئے اور عبرت حاصل کیجئے۔ اور کبھی بھول کر بھی بدمذہبوں کے اس عقیدے کا خیال دل میں نہ لایئے کہ بزرگان دین کی قبریں تو صرف مٹی کا ڈھیر ہیں۔

قبر میں نماز:۔ حضرات گرامی! حضرت ثابت بن اسلم بنانی ایک ایسے عالم ربانی تھے کہ پچاس برس تک ان کی نماز تہجد قضا نہیں ہوئی تھی اور یہ ہر روز صبح کو یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ یا اللہ! اگر تو اپنے کسی بندے کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت عطا فرمائے تو مجھ کو ضرور قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت عطا فرما۔ آپ کی یہ دعا مقبول ہو گئی۔ چنانچہ مشہور محدث حضرت جبیر قسم کھا کر بیان کرتے تھے کہ میں نے اور حمید طویل محدث نے جب ثابت بن اسلم کو قبر میں اتارا اور ان کی لحد پر کچی اینٹیں جمانے لگے تو ناگہاں ایک اینٹ ٹوٹ کر گر پڑی اور قبر کھل گئی۔ تو ہم دونوں نے یہ دیکھا کہ ثابت بن اسلم قبر کے اندر نماز پڑھ رہے ہیں۔ (شرح الصدور ص 78)

قبر میں امداد کا وعدہ:۔ حضرات! ایک واقعہ اور سنئے۔ شیخ ابو علی رودباری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش کو قبر میں اتارا اور اس کے سر پر کفن ہٹا کر اس کا سر اس خیال سے زمین پر رکھ دیا کہ ارحم الراحمین اس کی غربت پر رحم فرما کر اس کو بخش دے۔ لیکن جیسے ہی میں نے اس کا سر زمین پر رکھا۔ اس درویش نے آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے کہا کہ اے ابو علی! تم مجھے ان دنیادار لوگوں کے سامنے ذلیل مت کرو۔ جو دنیا میں مجھ کو ذلیل سمجھا کرتے تھے۔ ابو علی

رودباری فرماتے ہیں کہ میں نے حیران ہو کر عرض کیا کہ اے میرے آقا! کیا مرنے کے بعد بھی آپ زندہ ہیں؟ تو اس درویش نے فرمایا کہ بیشک میں زندہ ہوں اور صرف میں ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہر دوست زندہ ہے۔ اور میں اپنی خداداد وجاہت کے سبب سے آئندہ ضرور تمہاری مدد کروں گا۔ (شرح الصدور ص86)

برادران ملت! اس قسم کے صدہا واقعات جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر متنبہ کرتے ہیں کہ خبردار! اس حقیقت سے کبھی غافل مت رہنا کہ اللہ والے حقیقت میں مرتے نہیں۔ بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جایا کرتے ہیں۔ قبر میں نماز، قبر میں کلام اور امداد کا وعدہ، اولیاء امت اور علمائے ملت کی وہ روشن کرامتیں ہیں جو ببانگ دہل اعلان کرتی ہیں کہ ۔

کمالات ولی مٹی میں بھی یوں جگمگاتے ہیں
کہ جیسے نور ظلمت میں کبھی پنہاں نہیں ہوتا

کفن سالم، بدن تر و تازہ:۔ حضرات گرامی! شہداء کرام اور اللہ والوں کی قبروں کے درجات و مراتب اور ان کی عظمتوں کا کیا کہنا؟ ان کی قبروں کا یہ حال ہے کہ ان کے بدن تو بدن ان کے کفن کو بھی قبر کی زمین میلا نہیں کر سکتی۔ چنانچہ برسہابرس گزر جانے کے بعد بھی بارہا کا مشاہدہ ہے کہ ان صالحین کا نہ صرف بدن ہی قبروں میں صحیح و سالم ملا ہے بلکہ ان کا کفن بھی میلا نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے بہت سے واقعات میں نے اپنی کتاب "رجال الحدیث" اور "روحانی حکایات" میں تحریر کر دیئے ہیں۔ چند واقعات اس مجلس میں بھی آپ کے گوش گزار کر دیتا ہوں۔

(1) مشہور صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شہید ہو گئے اور ایک دوسرے شہید کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کر دیئے گئے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ مجھے ہمیشہ یہ خیال ستایا رہا کہ میرے والد ایک دوسرے شہید کی قبر میں دفن ہو گئے ہیں۔ کیوں نہ میں ان کو قبر سے نکال کر ایک الگ قبر میں دفن کر دوں۔ چنانچہ پورے چھ مہینے کے بعد میں نے قبر کھود کر ان کے جسم مبارک کو نکالا۔ تو ان کا یہ حال تھا: فَاِذَا هُوَ كَيَوْمِ وَضَعْتُهُ هُنَيَّةً غَيْرَ اُذُنِهٖ. (بخاری ج1 ص180)

یعنی ان کا بدن ایسا ہی صحیح و سالم اور اتنا یہ تر و تازہ تھا۔ جیسا کہ دفن کے وقت تھا بجز اس

کے کہ ان کے کان میں تھوڑا سا تغیر ہوا تھا۔

(2) حضرات! اسی طرح بنو امیہ کے بادشاہ ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں روضۃ النبی ﷺ کی دیوار گر پڑی۔ اور مدینہ کے گورنر عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس دیوار کی تعمیر کا حکم دیا۔ تو بنیاد کھودتے میں بالکل ناگہاں ایک پاؤں نظر آیا۔ لوگ گھبرا گئے۔ اور بعض لوگوں کو یہ شبہ ہو گیا کہ شاید یہ حضور اکرم ﷺ کا پائے مبارک ہے۔ لوگ حیران و پریشان تھے لیکن جب حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس قدم کو دیکھا تو انہوں نے فرمایا کہ لَاوَ اللّٰہِ مَا ھِیَ قَدَمُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا ھِیَ اِلَّا قَدَمُ عُمَر.

(بخاری ج1 ص186)

برادران ملت! ذرا حساب لگا لیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت 63ھ میں ہوئی اور عمر بن عبدالعزیز نے 87ھ میں دیوار کو تعمیر کرایا۔ اس طرح چونسٹھ برس گزر جانے کے بعد بھی حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا جسم مبارک قبر میں سلامت رہا۔

(3) اسی طرح ابوالحسن زاغونی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے دو سو تیس برس کے بعد آپ کی قبر کے پہلو میں ابو جعفر بن ابو موسیٰ کے لئے قبر کھودی گئی۔ تو اتفاق سے آپ کی قبر کھل گئی۔ تو لوگوں نے دیکھا کہ دو سو تیس برس کی مدت دراز گزر جانے کے باوجود امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کفن صحیح و سالم، اور آپ کا بدن سلامت اور بالکل ترو تازہ تھا۔ (تہذیب التہذیب و طبقات شعرانی)

(4) اسی طرح حافظ الحدیث امام حمیدی جو ابو بکر خطیب وغیرہ محدثین کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے اپنی وفات کے وقت امیر مظفر بن رئیس الرؤساء کو وصیت فرمائی تھی کہ تم مجھے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن کرنا۔ مگر اس نے وصیت کے خلاف آپ کو "باب النہر" کے مقبرہ میں دفن کر دیا۔ تو آپ نے خواب میں امیر مظفر پر عتاب فرما کر اپنی وصیت یاد دلائی۔ اس لئے امیر مظفر نے دو سال گزرنے کے بعد۔ آپ کی قبر کو کھود کر جسم مبارک کو نکالا۔ اور حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں آپ کو دفن کیا۔ مگر دو سال گزر جانے کے باوجود نہ آپ کا کفن میلا ہوا تھا۔ نہ آپ کے بدن کی سلامتی اور تازگی میں کوئی تغیر ہوا تھا۔ جیسے دفن کئے گئے تھے بالکل اسی حالت میں تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج4 ص19)

(5) حضرات محترم! بس ایک آخری واقعہ اور سن لیجئے۔ دلائل الخیرات شریف کے مصنف حضرت محمد بن سلیمان جزولی جو سلسلہ شاذلیہ کے شیخ تھے۔ چھ لاکھ بارہ ہزار پینسٹھ مریدین آپ سے فیض یاب ہوئے۔ کسی بدنصیب نے آپ کو زہر کھلا دیا اور آپ نے نماز فجر کی پہلی رکعت کے دوسرے سجدے میں یا دوسری رکعت کے پہلے سجدے میں وفات پائی۔ لوگوں نے آپ کو شہر "سوس" کی مسجد میں دفن کر دیا۔ پھر (77) برس کے بعد لوگ انہیں قبر سے نکال کر "مراکش" لائے۔ تو آپ کا کفن بالکل صحیح و سالم اور بدن زندوں کی طرح نرم اور تر و تازہ تھا۔ اور لوگوں نے آپ کے رخسار پر انگلی رکھ کر دبایا تو زندوں کی طرح بدن میں خون کی روانی کی سرخی رخسار پر نمودار ہو گئی اور آپ کے سر اور چہرے پر اس خط بنوانے کا نشان بھی باقی اور ظاہر تھا جو وفات سے قبل آپ نے خط بنوایا تھا۔ 16/ربیع الاول 870ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ مزار مبارک مراکش میں ہے۔ آج تک بھی آپ کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی ہے اور لوگ بکثرت آپ کی قبر کے پاس دلائل الخیرات شریف پڑھتے رہتے ہیں۔ (مطالع المسرات ص3)

برادران ملت! میں نے پانچ واقعات جو آپ کو اس مجلس میں سنائے ہیں۔ یہ سب واقعات اعلان کر رہے ہیں کہ شہداء کرام اور اولیاء امت و علماء ملت کو حضرت حق جل جلالہٗ نے یہ کرامت بھی عطا فرمائی ہے کہ قبروں میں ان کا بدن ہی نہیں۔ بلکہ ان کا کفن بھی پھٹنے اور گلنے سڑنے سے محفوظ رہتا ہے۔ پھر ذرا غور فرمایئے کہ قبر میں ایک مدت دراز گزر جانے کے باوجود اس طرح جسم کا نرم اور تر و تازہ رہنا کہ رخسار پر انگلی دبانے سے رخسار پر خون کی روانی کی سرخی نمودار ہو جائے۔ کیا یہ ساری باتیں جسمانی حیات کے خواص اور لوازم نہیں ہیں؟ بلاشبہ یقیناً اس سوال کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے کہ بلاشک اور یقیناً یہ سب چیزیں جسمانی زندگی کے خواص اور لوازم ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ کہ بعض اولیاء اور علماء اور تمام شہداء کرام کو اللہ تعالیٰ ان کی قبروں میں جسمانی حیات کی کرامت سے سرفراز فرماتا ہے۔ یہ آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت ہے۔ اور جب بعض علماء اور شہداء کرام کی جسمانی حیات کا یہ عالم ہے کہ بدن تو بدن ان کے کفن کو بھی مٹی نہیں کھا سکتی تو پھر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جو اپنے مراتب و درجات کے اعتبار سے شہدائے کرام پر بے شمار درجہ فضیلت رکھتے ہیں۔ بھلا ان کے جسموں کو جو روح سے بھی زیادہ لطیف و مقدس ہیں۔ قبروں میں جسمانی حیات کیونکر نہ حاصل ہو گی۔

چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ لہٰذا اللہ کا نبی زندہ ہے اور اس کو روزی دی جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ باب الجمعہ)

چنانچہ یہی وہ سچا عقیدہ ہے جو اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے جس کو اعلیٰ حضرت علامہ بریلوی قدس سرہ العزیز نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ؎

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے
مگر اتنی کہ فقط "آنی" ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات
مثل سابق وہی "جسمانی" ہے

پھر جب تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے ان کے مزارات طیبہ میں جسمانی حیات کا ثبوت ہے۔ تو پھر حضور سید الانبیاء محبوب کبریا ﷺ کی ارفع و اعلیٰ جسمانی حیات میں کوئی شک و شبہ کرنا گویا آفتاب عالم آشکار کا انکار کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ نے حلف اٹھا کر "حیات النبی" کے عقیدے کا اعلان کیا اور فرمایا کہ ؎

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

برادران ملت! بہر کیف میں اپنی تقریر کے تینوں اجزاء پر یعنی ہر مرنے والے کو موت یکساں اور برابر نہیں۔ ہر مرنے والا ایک ہی جیسا نہیں۔ ہر قبر ایک ہی جیسی نہیں، کافی روشنی ڈال چکا۔ جو طالب حق کے لئے حق نما شاہراہ ہدایت سے کم نہیں۔ باقی عناد پسند اور کج فہم لوگ جن کی بصیرتوں کے محلات کو عناد و انکار کے ڈائنامیٹ نے تہس نہس کردیا ہے۔ ان کے لئے تو ہدایتوں کے ہزاروں دفتر بھی بیکار ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

خداوند کریم قبول حق کی توفیق عطا فرمائے اور عناد و انکار کی بیماری سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے (آمین)

وما علینا الا البلٰغ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین

خوشخبری

مشہور و معروف محدث و مفسر
حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
کا عظیم شاہکار

تفسیر مظہری (زیر طبع)

جس کا جدید اور مکمل اردو ترجمہ ادارہ **ضیاء المصنفین**
بھیرہ شریف نے اپنے نامور فضلاء سے اپنی نگرانی
میں کروایا ہے۔

انشاءاللہ

ضیاءالقرآن پبلی کیشنز لاہور

جلد اس علمی کارنامے کو منصہ شہود پر لانے کا
شرف حاصل کرے گا۔

قرآن کتابِ ہدایت ہے۔
مکمل ضابطۂ حیات ہے۔
قرآن ہماری دنیوی اور اُخروی کامیابی کا ضامن ہے۔
قرآن کو سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

پیر محمد کرم شاہ صاحب ازہری کی معرکۃ الآراء تفسیر

خوبصورت ترجمہ ! بہترین تفسیر

ضیاء القرآن

فہمِ قرآن کا بہترین ذریعہ ھے

ترجمہ: جس کے ہر لفظ سے اعجازِ قرآن کا حُسن نظر آتا ہے
تفسیر: اہلِ دِل کے لیے درد و سوز کا ارمغان

ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور